DUE DATE

Rare

Late Fine Ordinary books 25 p. per day, Text Book Re. 1 per day, Over night book Re. 1 per day.

طبع اول : جون ۱۹۸۴ء

تعداد ۱۱۰۰

ناشر : احمد ندیم قاسمی
ناظمِ مجلسِ ترقی ادب ، کلب روڈ ، لاہور

طابع : سید ظفرالحسن رضوی

مطبع : ظفر سنز پرنٹرز ، کوپر روڈ ، لاہور

سرورق وغیرہ : عظیم پرنٹنگ کارپوریشن
۱۲۰ - ٹمپل روڈ ، لاہور

قیمت : ۵۰ روپے

بعونِ صناعِ مکین و مکان و بفضلِ خلاقِ زمین و زمان

۱۵۴

یادگارِ داغ

از

نواب میرزا خاں داغ دہلوی

ناشر

مجلسِ ترقی ادب ۲- نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

فہرست

نمبر شمار | صفحہ

نمبر شمار | صفحہ

نمبر شمار — صفحہ

ردیف قا

ردیف لام

ردیف م

ردیف ن

نمبر شمار — صفحہ

ردیف واؤ

نمبر شمار | صفحہ

ردیف ہائے ہوز

ردیف یائے معانی

نمبر شمار | صفحہ

نمبر شمار — صفحہ

نمبر شمار | صفحہ

متفرقات ۲۸۰ تا ۲۹۲

نمبر شمار | صفحہ

قطعات تاریخ

نمبر شمار | صفحہ

صفحہ | نمبر شمار

صفحہ

نمبر شمار

نمبر شمار — صفحہ

ضمیمۂ یادگار داغ

ردیف الف

ردیف بائے موحدہ

نمبر شمار		صفحہ

★ ★ ★

حرفِ آغاز

(از مرتب)

دیوان چہارم "یادگارِ داغ" جسے سید علی احسن احسن مارہروی نے اپنے قیامِ لاہور کے زمانے میں ۱۹۰۵ء میں اسلامیہ سٹیم پریس لاہور سے چھپواکر شائع کیا تھا، اس میں املا کی کچھ اصلاحات نظر آتی ہیں؛ مثلاً دل دار، دل بر، دل کش، دل چسپ وغیرہ الفاظ جدا جدا لکھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے یہ تبدیلی بعد میں کی لیکن احسن مارہروی نے اسے ۱۹۰۵ء میں استعمال کرکے اصلاحی قدم اٹھایا تھا۔ بعض مرکب لفظ اس طرح جدا لکھنے سے پڑھنے میں سہولت پیدا کرتے ہیں لیکن جو لفظ مرکب بمنزلہ واحد استعمال ہوکر اپنی خوبی ظاہر کرتے ہیں (مثلاً محبوب کے لیے لفظ دلبر کا استعمال) انھیں واحد مرکب کی صورت میں لکھنا بہتر ہے۔ دلدار کا بمعنی محبوب جدا لکھنا بھی درست ہے لیکن نظر فریب نہیں، اس لیے بسا اوقات یہ صورت "یادگار داغ" میں تبدیل کردی گئی ہے۔ 'پاؤں' کی جگہ 'پانوں' لکھنا قدیم املا ہے، 'یوں ہی' کا 'یونہیں' املا ہے جسے صحیح صورت میں 'یوں ہی' کر دیا گیا ہے۔ بعض جگہ الفاظ چھوٹ گئے ہیں، وہاں تصحیحِ قیاسی سے کام لیا ہے۔

"یادگار داغ" کا ضمیمہ لالہ سری رام مؤلف "خمخانۂ جاوید" نے بعد میں ورثا سے اجازت لے کر علاحدہ شائع کیا تھا۔ اب یادگار داغ اور ضمیمۂ یادگار دونوں یک جا شائع کیے جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں لالہ سری رام نے خمخانۂ جاوید میں نواب مرزا داغ کے

کلام کے بارے میں جو نوٹ لکھا ہے، وہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

"مرزا صاحب کے تین دیوان اور ایک مثنوی مطبوعہ موجود ہے، اور چوتھا دیوان 'یادگار داغ' بھی تیار تھا۔ چاروں دیوانوں میں 'گلزار داغ' و 'آفتاب داغ' زمانۂ قیام رامپور کے چھپے ہوئے ہیں۔ ان دیوانوں میں اکثر وہی غزلیں ہیں جو رام پور کے مشاعروں میں کہی گئی تھیں۔ ان غزلوں میں ایک عجیب دل کشی اور سحر آفرینی ہے۔ وہ فکر سخن ہے جو بڑے بڑے ماہران و استادان فن کے مقابلے میں کہا گیا تھا اور اسی نے جہاں استادی کا سکّہ سب کے دلوں پر بٹھا دیا تھا۔

'مہتاب داغ' حیدر آباد کے قیام کا نتیجہ ہے اور وہیں پہلی مرتبہ چھپا۔ اب دوسری بار راقم تذکرہ (لالہ سری رام) نے اُن کے ورثاء سے حقوق تصنیف لے کر بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے اور شائقین کے اشتیاق کی نظر سے نصف قیمت کردی ہے۔ اس دیوان میں مضامین کے ساتھ سلاست زبان کا بہت لحاظ کیا ہے۔ اس دیوان کا ایک ایک شعر سہل ممتنع ہونے کے علاوہ ایسا دلچسپ اور دلکش ہے کہ ایک مرتبہ سننے کے بعد اُس کا لطف دل سے نہیں جاتا۔ مثنوی جس کا نام 'فریاد داغ' ہے، زمانۂ قیام رامپور میں کہی گئی تھی۔

'یادگار داغ' نامی چوتھا دیوان سید علی احسن نے مرزا داغ مرحوم کی وفات کے بعد لاہور سے شائع کیا، لیکن چونکہ بلااجازت ورثائے مرزائے مرحوم یہ دیوان شائع ہوا اس لیے اصلی مسودات اور غزلیات مکمل طبع نہ ہو سکیں۔ آخرکار راقم

تذکرہ کے بعد حصول حق تصنیف بقیہ غیر مطبوعہ کلام بطور "ضمیمہ یادگارِ داغ" ترتیب کر کے شائع کیا۔"

مجلس ترقی ادب لاہور اس سے قبل "مہتابِ داغ" بھی شائع کر چکی ہے جسے سید سبط حسن نے مرتب کیا تھا۔ اس میں داغ کے سوانح پر مرتب (کلب علی خاں فائق) نے ایک تحقیقی مقدمہ لکھا تھا اور سید عابد علی عابد مرحوم نے تنقیدی مقدمہ قلم بند کیا تھا۔ چنانچہ حیات و کلامِ داغ پر تحقیق و تنقید کے سلسلے میں مذکورہ دیوان سے رجوع کیا جائے۔

کلب علی خاں فائق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ و آلہ و اصحابہ الکریم

مقدمہ

خدا در انتظارِ حمدِ ما نیست
محمدؐ چشم بر راہِ ثنا نیست

اے میرے مرحوم استاد ! خدا آپ کو غریقِ رحمت کرے۔ آپ کی زندگی میں آپ کی ذات بابرکات سے عموماً اردو شعرا ، اردو زبان خصوصاً آپ کے کثیر التعداد تلامذہ نے جو جو فائدے اور جس قدر فیض حاصل کیا ہے وہ ایسا نہیں کہ آپ کے بعد اپنی زندگی تک کوئی شخص بھلا سکے۔ اردو کے باکمال شعرا میں آپ ہی پہلے بزرگ تھے جس نے اپنے حین حیات میں امید سے زیادہ شہرت و نام‌آوری حاصل کی۔ اور آپ ہی وہ آخری نامور صاحبِ کمال تھے جس نے فنِ شاعری کی سنگلاخ ترکیبوں کو سہل ممتنع کر دکھایا۔ آپ کے بعد آپ کا نعم البدل ایسا ہی ناممکن یا خلافِ عادت نظر آتا ہے جس طرح اس دنیائے فانی میں آپ کی دوبارہ زندگی۔

آہ! جب آپ کے دنیا میں نہ ہونے کا خیال آتا ہے تو ایک عجیب قسم کی مایوسی طبیعت پر مسلط ہو جاتی ہے اور کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی کہ کس صورت سے اس مایوسانہ حالت سے عہدہ برائی حاصل ہو۔ مگر آہ مرحوم استاد ! صبر و شکر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ فاصبر علی الرزیۃ یعوضک اللہ ۔

جس طرح کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے اسی طرح آپ کے نام لیوا آپ کے فیض انضمام کلام پڑھ پڑھ کر تصور ہی میں آپ کے مشاہدے سے سرور و تسکین حاصل کر لیتے ہیں۔ اگر اب یہ نہ کریں تو کیا کریں۔ شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن۔

یہ پرانا مگر واقعی مشاہدہ ہے کہ اہلِ کمال زمانے کے محسود ہوتے رہے ہیں۔ آپ بھی صاحبِ کمال ہوکر اپنے حاسدوں سے کیوں کر بچتے۔ بااین ہمہ دیکھا جاتا ہے کہ اب وہ لوگ بھی، جو کھلے ڈھکے رشک و حسد کی آگ اپنے سینوں میں بھڑکایا کرتے تھے، آپ کی دائمی جدائی سے دل گرفتہ ہو کر آپ کے ذاتی اور موہبی کمال کے معترف ہوتے جاتے ہیں اور بے ساختہ آپ کے ہم زبان بن کر کہہ اٹھتے ہیں:

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

جس طرح کہ تمام جزوی و کلی علوم و فنون کا محاصرہ آسان نہیں ہے اسی طرح اُن سب علوم و فنون کے صاحب کمالوں کی قسمیں اور اُن کی تعداد بتانے کے لیے غالباً اب تک ہماری کوئی تاریخ مکمل و مدوّن نہیں ہوئی۔ ان بے شمار لاتعداد علموں، فنوں اور عالموں، ماہروں میں فنِ شاعری اور باکمال شعرا ایک خاص امتیازی اعزاز رکھتے ہیں۔ شاعری کی ابتدا اور شعرا کی حالت بیان کرنے کے واسطے بہت بڑا دفتر چاہیے۔ یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ ہماری قدیم و موجودہ ایشیائی شاعری کیا حیثیت رکھتی ہے؛ اور یہ فن آیا محض تفننِ طبع اور بےکار بنانے کے لیے رہ گیا ہے یا درحقیقت علمی، معاشرتی، تمدنی، اخلاقی تحریک کا آلہ بھی بن سکتا ہے۔ تفننِ طبع کے لغوی یا لفظی معنی سے اس وقت کوئی غرض نہیں ہے، البتہ اصطلاحی اور عرفی مفہوم سمجھنے کی ضرورت ہے۔ میرے ناقص خیال میں آج کل

تفننِ طبع اُس شغل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس میں کوئی دینی و دنیوی نفع نہ ہو، بلکہ وہ اشتغال انسان کی بیکاری، مجہول الحالی اور تضیع اوقات کا باعث ہو۔ اس لحاظ سے تفننِ طبع کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُس کا عامل نکمّا اور جاہل کہے جانے کا مستحق ہے۔

میں نہایت دعوے کے ساتھ اس کا مخالف ہوں کہ فنِ شاعری اور ہمارا ایشیائی فنِ شاعری بے کاری کا مشغلہ یا عرفی تفننِ طبع کا مفہوم ہے۔ بلکہ وہ ایک ایسا مفید اور وسیع فن ہے جس کی محیط جامعیت کے آگے عز دو ایک فنون کے اکثر علوم کے دائرے محدود نظر آتے ہیں۔

میرا خیال ہے، اور غالباً صحیح خیال ہے، کہ اس فن شریف کے ذریعے سے تمدنی، معاشرتی، اخلاقی اور بے شمار علمی مفید نتیجے حاصل ہوئے اور ہوتے ہیں۔

قبل اس کے کہ متذکرۂ بالا نتیجوں کا بالاستدلال ذکر کیا جائے، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر اور معمولی الفاظ میں یہ بیان کیا جائے کہ شاعری کیا چیز ہے اور اس کی تعریف کیا ہے۔ اس وسیع فن کی تعریف میں مختلف اور اکثر باکمالوں نے اپنے اپنے مذاق کے موافق بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ اُن سب کا استقرا اور حصر طولِ امل ہے۔ چند رائیں یہاں انتخاباً لکھی جاتی ہیں۔

کوئی کہتا ہے کہ "وہ کلامِ موزوں جو متکلم (شاعر) نے ارادۃً نظم کیا ہو شاعری ہے۔" کسی کا قول ہے کہ "جو کلام تشبیہات اور استعاراتِ مناسب و موزوں سے بالاستدلال موزوں ہو وہ شاعری ہے۔"

کسی کا بیان ہے کہ "بری چیز کو اچھا اور اچھی چیز کو برا کر دکھانا شاعری ہے۔" کسی کا خیال ہے کہ "پوشیدہ اور

مستتر بالوں کا کھوج لگانا اور اُن کو موزوں رہنمائی کے ساتھ کھلے رستے لا ڈالنا شاعری ہے ۔"

بعضوں کا گمان ہے کہ "شاعری مصوّری کا دوسرا نام ہے ۔"

بعض یہ کہتے ہیں کہ "شاعری راستی و راستبازی ہے ۔"

اکثروں کا یہ ارشاد ہے کہ "شاعری اُس قوتِ متخیّلہ کا نام ہے جو مناسب الفاظ اور موزوں استعارات کے سہارے ظاہر کی جاتی ہے ۔"

کچھ پست خیال حضرات یہ فرماتے ہیں کہ "شاعری جھوٹ بولنے کا ایک مہذب نام ہے ۔"

آخرالذکر حضرات کی نسبت یہاں زیادہ بحث منظور نہیں ہے ، اس لیے یہ کہہ دینا مناسب ہے کہ ایسے ہی لوگوں یا ایسے ہی شاعروں کی شان میں قرآن پاک فرماتا ہے : * و الشعرآء یتبعھم

---

* ترجمہ آیۂ شریفہ :

اور (جیسا کہ کافر خیال کرتے ہیں ، پیغمبر شاعر بھی نہیں کیوں کہ) شاعر (خود گمراہ ہوتے ہیں اور گم راہی کی تعلیم کرتے ہیں اور) اُن کی پیروی (بھی) گمراہ (ہی) کرتے ہیں ۔ (اے مخاطب) کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ یہ (شاعر لوگ خیالی باتوں کے) ہر ایک میدان میں سرگرداں پڑے پھرا کرتے ہیں اور ایسی باتیں کہا کرتے ہیں جو خود نہیں کرتے ۔ مگر (ہاں) جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل (بھی) کیے اور (اپنے اشعار میں) کثرت سے خدا کا ذکر کیا اور (کسی کی ہجو بھی کی تو اس لیے کہ پہلے خود) اُن پر ظلم ہوا ۔ اس کے بعد انھوں نے (واجبی) بدلہ لیا (تو ایسی شاعری کا مضائقہ نہیں اور جنھوں نے) لوگوں پر ظلم کیے ہیں (مثلاً ناحق کسی کی ہجو کی ہے) اُن کو (مرنے پر) عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کیسی جگہ اُن کو پلٹ کر جانا ہے ۔

الغاوون الم تر و انهم فی کل واد یہیمون o و انهم یقولون ما لا یفعلون o اور ساتھ ہی اس کے مسبوق الذکر یا ہمارے مذکور ہونے والے ایمان دار شاعروں کے لیے یہ استثنا فرمایا جاتا ہے کہ الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات و ذکروا اللہ کثیراً وانتصروا من بعد ما ظلموا اور اگر اس پر یقین نہیں ہے تو وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون o خیر یہ تو ایک مناسب و موزوں جملۂ معترضہ تھا ۔ اب اصل مطلب سننا چاہیے کہ متذکرۂ بالا تعریفیں اگرچہ اپنے ظاہری الفاظ میں جدا جدا معنی رکھتی ہیں ، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب تعریفیں درحقیقت منفرد نہیں بلکہ اگر یہ سب یک جا کردی جائیں تو سب کا مفہوم متحد نظر آئے گا ۔

بات یہ ہے کہ ہر باکمال شخص کا مذاق اور رجحانِ طبیعت جداگانہ ہوتا ہے ، اور چوں کہ شاعری کسی محدود فن یا علم کا نام نہیں بلکہ شاعری کے لیے رطب و یابس دنیا کے تمام علوم کا جاننا ضروری ہے ، کیوں کہ بغیر واقفیتِ تامہ کوئی کامل شاعر نہیں بن سکتا ، اس لیے ہر صاحب الرائے نے اپنے اپنے مذاق کے موافق شاعری کی تعریف کی ہے ، ورنہ دراصل شاعری اس کا نام ہے کہ شاعر ہر ایسی بات کو ، جو غیرمعروف یا بے اثر ہو ، اپنی قوتِ متخیّلہ کی موزونیت سے با اثر اور دل چسپ بنادے ۔ جس کو اس کے (شاعر) زمانے کی طبیعتیں بے ساختہ بطیبِ خاطر مان لیں اور پسند کرلیں ۔

اس مجمل مگر کافی تعریف کے بعد یہ دیکھنا چاہیے کہ ایسے کیسے ہوئے نتیجے ہمارے ایشیائی فنِ شاعری سے حاصل ہوتے ہیں یا نہیں ۔ اس دعوے کے مان لینے کے لیے سب سے آسان اور معقول دلیل تو یہ ہے کہ شاعری کے واسطے جب کہ تمام علوم و فنون سے

ماہر ہونے کی ضرورت ہے، پھر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ جاننے والا اپنی معلومات سے فائدہ پہنچانا چاہے اور نہ پہنچے۔

کیا اس سے کوئی شخص انکار کر سکتا ہے کہ بعد ایجادِ نظم (شاعری) جو دلچسپی و دلکشی عام طبائع کو منظوم و مسجع اور منظوم کلام سے حاصل ہوتی ہے وہ نثر یا غیر موزوں کلام سے حاصل ہوسکتی ہے؟ میرے خیال میں کوئی شخص کسی لکچرار یا واعظ کی نصیح و بلیغ نثری تقریر اس طرح آدمی سے یاد نہیں رکھ سکتا جس آسانی اور مزے کے ساتھ شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد خاں صاحب کے لکچروں کی نظمیں یا "گلستاں" کے اشعار ازبر ہو جاتے ہیں۔ وہ کتنے معمولی پڑھے لکھے مسلمان ہیں جن کو ہماری آں حضرت ؐ، ذکرالشہادتین یا تاریخ فرشتہ کے آزوڑنٹ بہت واقعات یاد ہوں اور انھی کے مقابل میں وہ کتنے جاہل مگر ایمان دار لوگ ہیں جن کو نعت شریف کی سیکڑوں غزلیں، مراثیِ حضرت امام ؑ کے ہزاروں اشعار، مختلف تاریخی واقعات کی نظمیں یاد ہیں۔ اور نہ صرف یاد ہیں بلکہ اُن کے مطالب بھی سمجھے ہوئے ہیں۔ کیا اس یادداشت سے اخلاقی، معاشرتی، تمدنی، علمی مفید نتیجے حاصل نہیں ہوتے؟ کیا یہ شاعری کے کارآمد نتیجے نہیں ہیں؟

ایک مرتبہ کسی زمانے میں سنی شیعوں کے گروہ میں تفضیلِ خلافت پر بحث ہو رہی تھی اور زبانی تکرار کے بعد جنگ و جدال کی نوبت آنے والی تھی کہ ایک خاص بزرگ سے اس قضیے کے تصفیے کی بابت رائے لینے کی تجویز پیش ہوئی اور اس پر دونوں فریق رضامند ہو گئے۔ چنانچہ اُن بزرگ سے سوال کیا گیا کہ من افضل الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم (یعنی رسول اللہ صلعم کے بعد کون افضل ہے؟) بزرگِ موصوف نے جواباً فرمایا "من بنتہ فی

بیتہ" (یعنی وہ شخص کہ اُس کی لڑکی اُس کے گھر میں ہے) ۔ اس مفید جملے کے دو معنی ہیں : ایک یہ کہ حضرت ابوبکر" افضل ہیں کیونکہ ان کی لڑکی (حضرت عائشہ") رسول اللہ" کے گھر میں ہیں ۔ دوسرے یہ کہ حضرت علی" افضل ہیں کیونکہ دختر پیغمبر علیہ السلام (حضرت فاطمہ") ان کی اہل خانہ تھیں ۔ للہ در قائلہ ۔

وہ لوگ جو ایشیائی شاعری کو ذہنی طبع (یعنی عرفی) یا بےکاری کا مشغلہ خیال کرتے ہیں ان کے نزدیک تو یہ فقرے ایک معمول لطیفے اور دل خوش کن بات سے زیادہ وقعت نہ رکھتے ہوں گے مگر انصاف پسند طبیعتیں جان سکتی ہیں کہ اس معمولی سے لطیفے میں کتنے فائدے اور کس قدر مفید سبق پوشیدہ ہیں ۔ کیا یہ کوئی فائدے کی بات نہیں کہ جس فضول بحث میں دو اسلامی معزز فرقے اپنا وقت ضائع کر رہے تھے ، اور نہ صرف وقت ضائع کر رہے تھے بلکہ قریب تھا کہ کشت و خون ہونے لگتا ، ایسی حالت میں ایک دولفظی جملے نے وہ برق اثر دکھایا کہ دونوں فریق اپنے اپنے مطلب کے موافق جواب پا کر خوش ہوگئے ۔

کیا یہ فقرہ شاعرانہ فقرہ نہیں ؟ کیا یہ مفید نتیجہ بنی نوع انسان کو اخلاقی ، معاشرتی وغیرہ اچھی باتیں نہیں سکھاتا ؟ ایک ساتھ ہی اس کے یہ ضروری اور واقعی بات ہے کہ وہ شاعری جو زمانے کے طبائع اور مذاق و رنگ کے خلاف کی جاتی ہے وہ نہ کچھ اثر رکھتی ہے نہ کوئی فائدہ ۔ اس کی معمولی تمثیل ایسی ہے کہ اگر کوئی ہندی شخص عجمی یا عربی کے سامنے اپنی زبان میں گفتگو کرے تو یہ ممکن ہے کہ وہ اجنبی بعض طبعی اور قدرتی عضوی حرکات و سکنات سے تھوڑا بہت مطلب سمجھ لے مگر کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ طرز گفتگو پسندیدہ ہو ؟ یا ایک بار سننے کے بعد دوبارہ اس زبان و گفتگو کا مشتاق ہو سکتا ہے ؟

عام ایشیائی شاعری اور خصوصاً ہماری موجودہ اُردو شاعری پر آج کل کے قابل اور انگریزی تعلیم یافتہ لوگ سب سے بڑا اعتراض یہ فرماتے ہیں کہ وہ نیچرل (فطرتی) شاعری نہیں ہے ، اور اُس میں جھوٹے مبالغے ، غلیظ خیالات ، مبتذل الفاظ ، بارہا بار کے استعمال شدہ مضامین کہے جاتے ہیں - ممکن ہے کہ میری رائے زیادہ صحیح نہ ہو ، تاہم میں ان اعتراضوں میں اکثر کا مخالف ہوں - اس سے پہلے کہ اپنے اختلافات کی تفصیل کی جائے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں اُردو میں کس قسم کے شاعروں کو شاعر سمجھتا ہوں -

فی زمانا میری طرح عموماً ہندوستان کی ہر قوم میں اور خصوصاً مسلمانوں میں فی صدی ۷۵ شاعر موجود ہیں - مگر میں ان لوگوں کو اُس وقت تک شاعر نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ ان میں کوئی ذاتی اور امتیازی جوہر نہ ہو - بے شک وہ شاعر نہایت اعلیٰ درجے کا شاعر ہے جو زمانے کے اکثر مروجہ علوم کا ماہر ہو ، مگر ساتھ ہی اس کے وہ بھی شاعر ہو سکتا ہے جو کسی محدود دائرے ہی میں اپنی طبیعت کے جوش کو باثر ثابت کر سکے - یا ایک چھوٹی سی پرکار سے ایک خاص مگر اعلیٰ قسم کی تصویر کھینچ سکے ، جیسے ہمارے اکثر اُردو شعرا گزرے ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ -

میں اُن تمام مشاہیر شعرا کو باکمال اور پورا شاعر سمجھتا ہوں جو مثل میر و میرزا غالب و ذوق ، ناسخ و آتش ، انیس و دبیر ، امیر و داغ وغیرہ نام آور ہوئے یا ہیں - اب یہ دیکھنا چاہیے کہ ان مشاہیر اہل کمال کی شاعری خلافِ فطرت (سپر نیچرل) لغو ، مبالغہ آمیز اور بوسیدہ ہے یا نہیں -

فطرتی شاعری کی حقیقت پہلے معلوم ہونی چاہیے کہ وہ کس

چڑیا کا نام ہے ۔ اگر نیچرل شاعری کا یہی مقصد ہے کہ جو مشاہدات ، جس طرح ، جس حیثیت ، جس رنگ میں نظر آئیں وہ بالکل سادے طریقے سے بے تکلف بیان کر دیے جائیں ، مثلاً :

ایک دن کوئی کبوتر جنگلی
میرے گھر کی مرغیوں میں مل گیا

اگر یہی نیچرل شاعری ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شعر میں اور نثری عبارت میں کیا فرق ہے ، جس میں نہ اختصار نہ بیان کی لطافت نہ کوئی دلچسپی ہے ۔ اور اگر اس کے سوا نیچرل شاعری کی بھی یہی شناخت رکھی گئی ہے کہ کسی واقعے میں موزوں الفاظ اور مناسب استعارات و تشبیہات سے ایک دلآویز اختصار پیدا کیا جائے تو یہ خصوصیت صرف اُن سفید چمڑے والوں کے کلام میں کیوں سمجھی جاتی ہے جن میں کوئی نیوٹن ہے تو کوئی ہومر ، کوئی لارڈ میکالے ہے تو کوئی شکسپیر ۔ کیا غالب اور میر ، ناسخ و مصحفی ، ذوق و مومن وغیرہ کے کلام ان لطافتوں سے مبّرا ہیں ؟

مجھے شبہ نہیں بلکہ یقین ہے کہ میرے ان خیالات پر عام طور سے لوگوں کو استعجاب ہوگا مگر میں سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جائے گا اس میں خواہ بلحاظ عبارت یا طرز مضمون نویسی کے خراب ہونے سے کوئی نقص ہو تو ہو مگر نفسِ مطلب بالکل صحیح اور قابلِ تسلیم ہے ۔

یہ بات تو ہر شخص مانتا ہے کہ "ہر ملکے و ہر رسمے" ۔ بہت سی معاشرتی ، تمدنی ، اخلاقی باتیں ایسی ہیں جن کو اہلِ یورپ پسند کرتے ہیں لیکن دوسرے ملکوں کے باشندے اُن باتوں کو بُرا سمجھتے ہیں ۔ اور ان کا یہ بُرا سمجھنا بے سمجھی یا تعصّب کی

بنا پر نہیں ہے بلکہ وہ ان کی برائی کے وجوہ بھی رکھتے ہیں - و علی ہذاالقیاس ایشیائی باتوں کو وہ لوگ نظر حقارت سے دیکھتے ہیں - میں اس بحث میں زیادہ گہرا نہیں جانا چاہتا کہ یورپی مذاق اچھا ہے یا ایشیائی - "موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدین خود" - میں صرف ہندوستانی اردو شعرا کا وہ کلام پیش کر کے بحث کرنا چاہتا ہوں جس کو نئے مذاق کے حضرات خلاف فطرت کہتے ہیں -

سب سے پہلے ایسے لوگوں سے یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ ان لوگوں میں فی صدی کتنے حضرات ایسے ہیں جو شدت گرما میں یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں کہ "کیا آگ برس رہی ہے -" اسی طرح کتنے صاحب ایسے ہیں جو ٹھنڈے سے ٹھنڈا برف کا پانی پیتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ "دانت گل گئے -" کیا نیچرل شاعری کے حمایتیوں میں کوئی حمایتی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ الفاظ سادگی کے ساتھ فطرت یا عادت الٰہی کے موافق کہے گئے ہیں ؟ کیا درحقیقت گرمی کے دنوں میں آسمان سے انگارے برسا کرتے ہیں ؟ کیا سچ مچ برف کا پانی پینے سے دانت گل جاتے ہیں ؟

یہ دو مثالیں سرسری انتخاب کی گئی ہیں ورنہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر شخص کی بول چال میں سیکڑوں الفاظ اور محاورے اس قسم کے مستعمل ہوتے ہیں جو نفس مطلب سے بالکل دور ہوتے ہیں - اگر یہ اصطلاحی اور مجازی معنی ان محاورات میں جائز و ناقابل اعتراض اور موافق فطرت سمجھے جاتے ہیں تو میں بے تکلف یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ یقیناً اور بلاشبہ ہمارے ان شاعروں کا (جو ایشیائی شاعر سمجھے جاتے ہیں) کوئی شعر خلاف فطرت نہیں ہے -

ایشیائی شاعری زیادہ تر اس لیے خلاف فطرت سمجھی جاتی ہے

کہ اس میں مبالغہ اور دور از کار تشبیہات و استعارات استعمال کیے جاتے ہیں - اس لیے یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ مبالغہ و تشبیہ کیا چیز ہے اور شاعری کے لیے اس کی ضرورت ہے یا نہیں -

عام طور سے مبالغہ جھوٹ کا مترادف سمجھا جاتا ہے ، لیکن واقفانِ فن جانتے ہیں کہ مبالغہ عروسِ کلام کا حسن اور جسمِ شاعری کا زیور ہے - جس طرح کہ حسنِ صورت و حسنِ سیرت کمالِ انسانی کا باعث ہوتے ہیں اسی طرح فصاحت و بلاغت عام انشا پردازی اور مخصوص نظم (شاعری) کے لیے روح و رواں ہیں - جس طرح کہ کلام کے دل چسپ اور مؤثر بنانے کے لیے سلاست یا فصاحت کی ضرورت ہے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ اختصار اور لطیف کنایات کے واسطے بلاغت کی حاجت ہے - یہی وہ صنعت ہے جس نے نظم کی موزونیت میں چارچاند لگائے ، ورنہ دیہاتی و شہراتی گنوار اور پڑھے لکھوں کی گفتگو ، بول چال اور مذاق میں کوئی ماںہ‌الامتیاز بات نہ پیدا ہوتی - مثلاً یوں سمجھنا چاہیے کہ گرمی کی شدت ظاہر کرنے کے موقع پر جو محاورہ بولا جاتا ہے یعنی ”آگ برس رہی ہے“ اس کی کیا ضرورت ہے اور اس میں کیا لطف ہے - اس کی ضرورت تو یہ ہے کہ ایک جملے نے بہت بڑے مفہوم کو ادا کر دیا - یعنی اگر پورا واقعہ بیان کیا جائے تو کم از کم اس سے دونے الفاظ اس طرح بولے جائیں گے کہ ”اس قدر گرمی پڑ رہی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام بدن جلا جاتا ہے“ یا اسی طرح اور کچھ - لطف یہ ہے کہ معمولی اور روزمرہ فصاحت کے ساتھ ایک عمدہ فقرہ زبان سے ادا ہوا جس سے سننے والے محظوظ بھی ہوئے اور مطلب بھی فوراً سمجھ گئے - پھر اور کیا چاہیے - شاعری صنائع و بدائع میں مبالغہ بھی ایک صنعت ہے اور نیز اس کے ذریعے سے اکثر طوالتِ

سخن میں اختصار اور ان مل بے جوڑ باتوں میں خاص مناسبت ظاہر ہوتی ہے ، اس لیے مناسب موقعوں پر اس کا استعمال بھی حسنِ کلام میں داخل ہے۔

ایشیائی ادیبوں نے لکھا ہے کہ مبالغہ اُس معنوی صنعت کا نام ہے جس میں متکلم کسی کی مدح یا ذم میں اتنا مبالغہ کرے جو حدِ اعتدال سے متجاوز ہو۔ جس کا نتیجہ اور مفہوم صرف یہ ہے کہ موصوف کی ایسی صفت کی جائے جو نامتناہی ہو ، اور نیز اس زیادتی کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ صفت عام اور اوصاف سے بڑھی ہوئی معلوم ہو۔ جس طرح ہر شخص آگ برسنے کے معنے بے تکلف انتہائے گرمی سمجھ لیتا ہے اور کسی کو یہ وہم بھی نہیں ہوتا کہ درحقیقت آسمان سے انگارے برس رہے ہیں۔

متقدمین نے مبالغے کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ سب سے عمدہ اور پہلی قسم وہ ہے جس کا نام تبلیغ ہے۔ یعنی ایسا مبالغہ جو موافقِ عقل اور ممکناتِ موجودات سے ہو جس طرح اس شعر میں ہے :

گو حسیں لاکھ ہوں دنیا میں مگر داغ کبھی
دیکھ کر پاؤں ترا منہ نہ کسی کا دیکھے

آپ آئے جھٹپٹے میں صبح کو گھبرا کے کیا
رہ گیا در بھی کھلا ہلتی رہی زنجیر بھی

دوسری قسم وہ ہے جس کا نام اغراق ہے۔ یعنی ایسا مبالغہ جو عقلاً ممکن مگر عادۃً محال ہو۔ مثلاً :

تو نے دیکھا کچھ تماشا دیکھ کر اپنی شبیہ
مٹ گئی ہے تیری شوخی پر تری تصویر بھی

میں عمر بھر سناؤں تمھیں اپنی داستاں
پوچھو اگر تو پھر یہ کہوں ناتمام ہے

تیسری قسم وہ ہے جس کا نام غلو ہے ، یعنی ایسا مبالغہ جو عقل و عادت دونوں کے خلاف ہو - جیسے :

کیا کہوں کس وقت میں کیا دل سے مانگی ہے دعا
حس کو سنتے ہی دعا دینے لگی تاثیر بھی

ترے اسپ پری پیکر کی چالاکی کا کیا کہنا
نہیں آتی تصوّر میں بھی جس کی تیز رفتاری

پہلی قسم کے اشعار بالکل صاف اور صحیح مطالب سے بھرے ہوئے ہیں - اُن کی خوبیوں سے غالباً کسی کو انکار نہ ہوگا - مگر "دیکھ کر پاؤں ترا منہ نہ کسی کا دیکھے" اس مصرع کی طرزِ ادا شاید کسی لیچڑ ی کو کھٹکتی ہو ، حالاں کہ یہی وہ فصاحت و بلاغت ہے جو شاعری کی جان ہے - اگرچہ یہ ممکن تھا کہ یہ مطلب ان الفاظ میں بھی ادا ہو جاتا : "تیرا چہرہ یا حسن دیکھ کر دوسرے کا منہ نہ دیکھا جائے گا" مگر جن لوگوں کو لطفِ سخن حاصل ہے وہ جان سکتے کہ یہاں پاؤں میں جو لطف ہے وہ حسین سے حسین حور کے چہرے میں نہیں مل سکتا - یہ باتیں کسی کے بتانے سے نہیں آ سکتیں - ان کی پسند و ناپسند ذوقِ سلیم اور وجدانِ صحیح پر منحصر ہے - دوسری قسم کے اشعار بھی صاف ہیں - قادرِ ذوالجلال کی قدرتِ کاملہ سے یہ بات بعید نہیں کہ نقش تصویر بھی مثل انسان کے حرکات و سکنات کرنے لگے ، مگر چونکہ ایسا ہوتا نہیں یا ایسا ہوا نہیں ، اس لیے یہ بات محالِ عادت قرار پائی کہ تصویر مثل کسی ذی ہوش کے کسی کی شوخی سے مؤثر ہو سکے - مگر چوں کہ اکثر استدلال کے موقعوں پر دوسروں کے سمجھانے کے لیے بہت سی فرضی مثالیں بیان کی جاتی ہیں ، اس لحاظ سے یہ مبالغہ بلحاظ واقعہ

اگرچہ خلاف عادت ہے مگر اپنے ثبوتِ دعویٰ کے لیے فرضِ محال ممکن و جائز ہے - اور یہ حسنِ کلام متفق علیہ ہر مذاق اور ہر قوم کے شاعروں میں ہے، کما لا یخفی علی الماہر - تیسری قسم کے اشعار البتہ ذرا بحث طلب ہیں اور انھی کی مخالفت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، حالاں کہ ان کی حالت بھی بالکل ایسی ہی ہے جیسی قسمِ دوم کے اشعار کی -

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، اور نہ بھی بیان کیا ہو تو یہ بات ہر شخص مان سکتا ہے، کہ ہر زمانے کا مذاق اور طبیعتیں دوسرے زمانے سے جدا ہوتی ہیں - جو باتیں سو برس پہلے اچھی اور ضروری سمجھی جاتی تھیں وہ آج بری اور غیر مفید کہی جاتی ہیں - جو مراسم پہلے فخر و مباہات کے ساتھ برتے جاتے تھے آج ان سے کراہت و عار آتی ہے - چنانچہ ایک زمانہ ہمارے ایشیائی شاعروں کا ایسا بھی گزرا ہے جنھوں نے محض جودتِ طبع اور رسائیِ ذہن دکھانے کے لیے (نہ کہ جھوٹ بولنے کی خاطر) تبلیغ و اغراق کے مقابل میں مبالغۂ غلو کا زیادہ استعمال رکھا ہے - مگر کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ شیخ ناسخ مرحوم کے اس شعر پر :

مرا سینہ ہے مشرق آفتابِ داغِ ہجراں کا
طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا

سننے والوں کو یا خود قائل کو یقیں تھا یا ہے کہ انسانی بدن کا وہ عضو جس کا نام سینہ ہے، کوئی آسمانی حصہ یا بخیالِ حال فضائے محض کا ایک گوشہ ہے ؟ اگر حقیقتاً ان بیچاروں پر یہ اتہام لگایا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ شدتِ گرما میں ”آگ برسانے والے“ مطعون نہ کیے جائیں - البتہ جو مبالغہ کسی مناسب استعارہ و تشبیہ

کی آڑ میں نہ ہوگا وہ بے شک لغو اور سراسر لغو ہے - مگر ایسا کسی معمولی شاعر نے بھی نہیں کیا کہ بغیر تشبیہ و استعارہ کے زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہوں - استعارہ و تشبیہ کی بحث اور ان کا فرق بیان کرنا بہت مشکل اور طول امل ہے - معمولی طور پر یہ بیان کر دینا کافی ہے کہ استعارہ و تشبیہ وہ صنعت ہے جس میں ایک غیر معروف چیز کسی معروف شے سے خاص وصف میں مشابہ کی جائے جس کی بہت سی قسمیں ہیں - لیکن وہ تشبیہ نہیں ہے جس میں مشابہت کی کوئی وجہ نہ ہو - مثلاً کوئی شخص بغیر کسی معقول ثبوت و استدلال کے آسمان کو زمین کہہ دے تو ایسی بے دلیل بات ماننے کے قابل نہ ہوگی ، مگر یہی تشبیہ اس طرح جائز ہو جائے گی :

چلا ہے او دلِ راحت طلب کیا شادماں ہوکر
زمینِ کوئے جاناں رنج دے گی آسماں ہوکر

اس شعر کا مطلب صاف صاف ہے - اگرچہ یہاں زمین کے آسمان بننے کی بظاہر کوئی تصریح نہیں ہے ، لیکن بوجہ اس کے کہ آسمان کی فرضی ایذا رسانی مشہور تر ہے ، استعارہ بالکنایہ یہ کہا گیا ہے - وہ وصف جو مشبّہ و مشبّہ بہ میں تماثل کا باعث ہوتا ہے اس کو وجہ شبہ کہتے ہیں اور جب تک وجہِ شبہ نہ ہوگی تشبیہ نہ سمجھی جائے گی - غرض کہ صنائع معنوی میں یہی وہ صنعت ہے جو شاعری کی جان ہے اور جس کے سبب سے کلام میں لطف ، موزونیت ، معنوی لطافت ، دلکشی اور تاثیر پیدا ہوتی ہے ، ورنہ بغیر اس کے نظم (شاعری) کا وجود کالعدم ہے -

کیا کوئی ذی ہوش انسان یہ کہہ سکتا ہے : کل شیء ھالک اِلا

وجہہ'' یا ''ثم استویٰ علی العرش'' یا ''نحن اقرب الیہ من حبل الورید''
جیسی آیتیں (نعوذ باللہ منہا) غلط کلام ہے؟ مگر ساتھ ہی اس کے
کوئی صاحب یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ میاں کے ہمارا جیسا منہ
ہے؟ یا وہ ہماری شہ رگ سے بھی قریب براس العین نظر آتا ہے؟
جن کو اللہ نے عقلِ سلیم اور درک صحیح عطا فرمایا ہے وہ جانتے
اور سمجھتے ہیں کہ اس مجاز میں کیا شانِ حقیقت دکھائی گئی ہے
اور بغیر اس تمثیل کے اصلی مفہوم ہم عامیوں اور عجائب پرستوں
کے ذہن میں آ سکتا تھا یا نہیں؟

نیچرل شاعری کے حامی، جو ہماری پرانی شاعری کو آنکھوں
پر پٹی باندھ کر کند چھری سے ذبح کر رہے ہیں، اُن کے چند
داؤ پیچ رواں ہیں۔ اور جہاں کہیں اس قسم کی بحث چھڑتی ہے تو
وہ یا تو گل و بلبل کی داستانِ پارینہ کے بار بار دہرانے کے شاکی
ہوتے ہیں یا کمر و دہن کی فرضی تشبیہوں پر منہ آتے ہیں۔ اس لیے
سب سے پہلے میں اُن سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو قدرتی مناظر
(نیچرل سین) یا مشاہداتِ موجودات وہ فطری شاعری میں دیکھتے
اور پڑھتے ہیں وہ اوراقِ گل کی طرح دفترِ ازل کے اجزا نہیں ہیں؟ کیا
دریا، سمندر، جھیل، ستارے، آسمان، پہاڑ، جھرنے اور خاک دھول
بلا کی تخلیق ''خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام'' میں شامل
نہیں ہے؟ کیا یہ مناظر یورپ کی ترقی کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں؟
آخر معلوم تو ہونا چاہیے کہ ان مضامین میں کیا نوبت ہے، ورنہ
ہمارے نزدیک تو جس طرح فطرتی مذاق والوں کے کان ایسے
مضمونوں سے بھر گئے ہیں اسی طرح ایشیائی طبیعت والے ایسی
باتوں سے اُکتا گئے ہیں۔ واقعی یہ کہنا بڑی بے انصافی اور
بلیہیات سے انکار کرنا ہے کہ نیچرل شاعری اب ایجاد ہوئی ہے۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ اردو زبان میں اس مذاق کی زیادتی بیس پچیس سال سے ہوئی ہے، ورنہ یہ مذاق ایشیائی طبیعتوں میں یورپ کے باوا آدم سے بھی پہلے مودع ہو چکا تھا۔ ساتھ ہی اس کے اس سے بھی انکار نہیں کہ جو افراط تفریط اور کثرت اب نیچرل شاعری کی ہے وہ گزشتہ زمانوں میں نہ تھی، اور چونکہ کسی مذاق کا رواج دینا کسی خاص شخص یا بعض افراد کے قبضے میں نہیں اس لیے ان دونوں شاعریوں کا جزر و مد رفتارِ زمانہ کے ناپیدا کنار سمندر کی حالت پر منحصر رہا ہے۔ جس سمت اس کی رو نے رخ کیا اسی طرف سب کی طبیعتیں متوجہ ہوگئیں اور یہ ایک ایسا نامعلوم مگر ضروری تغیر ہوتا ہے جس کا اور چھور ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔

ایشیائی شاعر کمر کو 'عدم' باندھتے ہیں۔ نیچرل شاعر اس کنائے کو برا اور بہت برا سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ استعمال اتنی نفرت سے دیکھنے کے لائق نہیں ہے۔ پتلی کمر معشوقوں کی خصوصیات سے ہے اور یہ خصوصیت ایشیائی معشوقوں سے زیادہ نیچرل معشوق رکھتے ہیں جن کی کمریں اگر عدم نہیں تو سرحدِ عدم تک ضرور پہنچ جاتی ہیں۔ ترقی کا زمانہ ہے، اگر یہی فیشن اور شوق رہا تو ہم نیچرل شاعر بھی یورپین معشوقوں کی کمریں نہ پا سکیں گے۔ اس قسم کے اعتراضات اگر تفریح طبع کے لیے کیے جاتے ہیں تو مضائقہ نہیں ورنہ قابلِ افسوس ہیں۔ عنقا ایک فرضی جانور کا نام ہے اور اصطلاحاً اس چیز کو کہتے ہیں جس کا پتا نہ چلے۔ یہ بھی مثل مضمون کمر قابلِ ترک ہے۔ یہ کیا ضرور ہے کہ عدم کا نام آتے ہی یہ سمجھ لیا جائے کہ کمر کا پتا نہیں ملتا یا وہ وجود ہی میں نہیں۔ اس کا مفہوم یہ کیوں نہیں سمجھا جاتا کہ شاعر انتہائے نزاکت

کے اظہار کی خاطر یہ غلو کر رہا ہے - یہی بات ذہن میں ہے - جب کوئی شخص خاموش ہو اور بات نہ کرتا ہو تو اس کو اصطلاحاً بُت کہتے ہیں - اسی مفہوم کو دوسرے کنائے میں ادا کیا گیا ہے ، ورنہ درحقیقت کسی شاعر کا یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہمارے معشوق کے نہ کمر ہے نہ دہن :

چیستاں سمجھے وہ دہن کا وصف
کہتے ہیں کچھ آتا پتا تو کہو

ہم یہ بات مانتے ہیں اور واقعی ماننے کے قابل ہے کہ موجودہ مذاق کے لحاظ سے بہت سی تشبیہیں ، اکثر مبالغے اور چند مضامین قابل ترک ہیں ، چنانچہ ترک ہوئے اور ہوتے جاتے ہیں - اسی طرح یہ بھی مسلّم کہ دوسرے ملک والوں کو ہماری باتیں پسند نہیں لیکن یہ حق انھیں کب حاصل ہے کہ کسی ناجائز مسئلے کو حرام یا غلط بتائیں - جو اصول تشبیہ و استعارہ کے مشرقی مذاق والوں نے رکھے ہیں قریب قریب وہی مغربی لوگوں میں ہیں - معشوق کے عارض کو پھول سے وہ بھی تشبیہ دیتے ہیں - حسین چہرے کو چاند وہ بھی کہتے ہیں - دلیر اور شجاع انسان کو وہ بھی شیر بناتے ہیں - اب جو کچھ اختلاف ہے وہ بعینہٖ ایسا ہی ہے جیسا کہ دلی اور لکھنؤ والوں میں ایک زمانے سے چلا آتا ہے - نیچرل اور ایشیائی شاعری میں نسبتاً اس قدر فرق و امتیاز ہے کہ نیچرل شاعر زیادہ اخلاقی واقعات یا قدرتی مناظر سادہ اور صاف الفاظ میں نظم کر دیتا ہے ، اگرچہ ساتھ ہی اس کے وہ کبھی ایشیائی مذاق کے الفاظ و ترکیب بھی اپنے ہاں کھپا جاتا ہے ، مگر چونکہ وہ اس طرح ہوتی ہے جس طرح آرد پر سفیدی اس لیے وہ نظروں میں نہیں

مماق ، ورنہ کوئی نیچرل شاعر ایسا نہیں ہے جو ایشیائی شاعری کے اصول نہ برتتا ہو - اسی طرح کوئی ایشیائی شاعر ایسا نہیں ہے جو سچے اور صحیح مشاہدات اور واقعات اپنے خاص مذاق میں نہ بیان کرتا ہو - مگر چونکہ پرانے مذ ق کے مقابلے میں یہ رنگ ایسا ہے جیسے کھچڑی میں نمک اس لیے دوسروں کو اس کا مزا نہیں آتا -

ایک اعتراض ایشیائی شاعری پر فحش الفاظ اور ذلیل مضامین کا بھی ہے ، اور یہ ایک حد تک صحیح ہے ، مگر یہ بات دیکھنی چاہیے کہ یہ مذاق کس زمانے میں شروع ہوا اور کب اس کو عروج ہوا اور اب اس کی کیا حالت ہے - اُردو شاعری کے ابتدائی زمانے میں جو ہجوگوئی اور فحش کا زور تھا اس کا عشر عشیر بھی اب باقی نہیں ہے - ایسی حالت میں اس زمانے کے مذاق پر آج اعتراض کرنا انصاف کے خلاف ہے - عام تغزل میں جو دو ایک خاص خاص فحش مضمون بعض شاعروں کے کلام میں پائے جاتے ہیں اُس کا بڑا سبب موجودہ زمانے کی بے جا آزادی اور قابلِ افسوس بے باکی ہے -

شاعر کا قلب ایک ایسا مصفّا آئینہ ہے جس پر زمانے کی رفتار کا ہر نقش و نگار صاف صاف نظر آتا ہے - شاعر کا مذاق شاعر کے ہاتھوں نہ بگڑتا ہے نہ سدھرتا ہے ، بلکہ ابنائے زمانہ کی عادتیں اور روشیں اُسے مجبور کرتی ہیں کہ وہ بھی اُن جیسا بن جائے - مجھے اُن لوگوں پر افسوس آتا ہے جو کسی شاعر کے مذاق پر کسی خاص وجہ سے عیاشانہ شاعری یا اور اسی قسم کے الزام عائد کرتے ہیں ، مگر وہ اپنی ذلیل اور مکار طبیعت کا اندازہ ذرا بھی نہیں کرتے کہ سب کے سامنے محض دھوکا دینے کے لیے مہذب صورت بنا کر بناوٹی ملمع کاری کی جاتی ہے - مگر باطنی حالت یہ ہے کہ حسین عورت کے گھورنے کو تیار اور چھاگل کی آواز سن کر بے قرار

ہوجاتے ہیں ۔ فحش اور پھکڑ بازی پر آترتے ہیں تو پناہ خدا ۔ اُن باتوں کے دہرانے سے شرم آتی ہے ۔ بے چارے شاعر تو اگر کہیں کنایۃً اشارۃً کہتے بھی ہیں تو اکثر یقولون ما لایفعلون کے مصداق بنتے ہیں مگر یہ ناصحانِ مامع سار کہے سے زیادہ کرتے اور کرنے سے زیادہ آمادہ رہتے ہیں - سچ ہے :

واعظاں کیں جلوہ در محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند ایں کار دیگر می کنند

ہماری ایشیائی شاعری کے فحش اور ذلیل مضامیں کیا ہیں ؟ دل اور بوسے کا لین دین ، وصل اور خلوت کی بے تکلفیاں ، سینے اور جوبن کا اُبھار ۔ مثالاً چند اشعار بھی لکھے جاتے ہیں :

یہ مہر ہے کہ دوپٹا اُڑا رہی ہے صبا
وہ جب چھپاتے ہیں سینہ کمر نہیں چھپتی

دہراؤ کہ تہراؤ تم آگے سے دوپٹا
اُبھرا ہوا جوبن تو نہاں ہو نہیں سکتا

اور بھی جوش جوانی کا زیادہ ہوتا
ہاتھ میرا جو ترے سینے پہ اکثر پھرتا

کسی دن بےخودی میں جا پڑا تھا اُن کے سینے پر
بس اتنی سی خطا پر ہاتھ کچلا میرا پتھر سے

دے کے دھوکا غیر اندھیرے میں انھیں
لے گئے بوسے ہمارے نام کے

دھواں بن کر اُڑی رنگت مسی کی
یہ کس نے جل کے تیرے ہونٹ چوسے

رعایت کمر کی شبِ وصل کیسی
کھوٹ ایسے میں نازکی سوجھتی ہے ؟

دہائیاں ہیں شبِ وصل اپنی شوخی سے
کہ لوٹے لیتے ہیں جوبن حسین پا کے مجھے

غرض کہ یہ اور اسی قسم کے فی صدی ۲ یا ۳ شعر اکثر شاعروں کی غزلوں میں ملیں گے - اگر محتاط اور مستحسن نظر ڈالی جائے تو اس قسم کے تمام اشعار اپنے آئینے میں اصلی واقعے (فیکٹ) کی تصویر دکھاتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو بہت سی قدرتی چیزیں اور منظر جن کا جاننا عام طور پر نہ سہی اہلِ لغت کے لیے تو ضروری تھا ، جہالت کی گھٹاٹوپ تاریکی میں چھپے رہتے -

یہ بات پہلے بھی کہی گئی ہے اور پھر کہی جاتی ہے کہ ایسے مضامین عندالعقل پسندیدہ نہیں ہیں اور ہمارے اکثر ایشیائی شاعر (جن کو خدا نے کچھ سمجھ دی ہے) رفتار زمانہ کے موافق یہ کھلی ڈلی باتیں چھوڑتے جاتے ہیں اور ایک دن وہ آئے گا کہ شاعری اور ہماری ایشیائی شاعری (بشرطے کہ موجودہ نیچرل شاعروں کی بے جوڑ اور پھیکی سیٹھی اصلاحوں سے بچی رہی) مہذب اور مفید ترین ہو جائے گی - فحش مضامین کے ضمن میں بالمقابلہ اُس مذاق پر نظر ڈالنی چاہیے جو یورپین شعرا یا اُن کے دل دادوں کا منظور نظر بن رہا ہے - ماشاءاللہ چشمِ بددور تہذیب یافتہ قوموں میں فی زمانا بوسہ بازی کی جو ترقی ہو رہی ہے ، غالباً اُس سے کوئی ناواقف نہ ہوگا - اکثر اخباروں میں بوسہ بازی کے واقعات چھپے رہتے ہیں - اگر میرا حافظہ غلطی نہ کرتا ہو تو یقیناً میں نے کسی اخبار یا رسالے میں پڑھا ہے کہ بوسے کی تعلیم کے لیے کوئی اسکول جاری ہوا ہے ، جہاں جلد اور آہستہ اور آواز اور بغیر آواز کے بوسے لینے سکھائے جاتے ہیں - اور یہ بھی کسی رسالے میں پڑھا ہے کہ جو شخص زیادہ اور جلد بوسے لے گا وہی عورتوں کا مدنظر

ہوگا ۔ ایشیائی مذاق کی تمام نامہذب باتیں فرداً فرداً اگر جمع کی جائیں تو بحیثیت مجموعی اُن کے پڑھنے سے انی شرم نہ آئے گی جس قدر ایک ترقی کماں رسم کی حالت میں سن کر کپڑے آدرے پڑتے ہیں ۔ اسے ہم مانتے ہیں کہ ہندوستان کی اُردو تحزل شاعری میں ابھی تک یہ رنگ نہیں آیا ہے مگر کیا یورپ کے فیشن اور مذاق کی تقلید کا شوق ان باتوں سے باز رکھ سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں ۔ ایسی حالت میں ایشیائی مذاق والوں پر ہنسنا اس مشہور مگر پرانے قطعے کے مصداق ہے :

قمریاں بولیں ، پپیہے کوکیں — رات دن شیشوں کی قلقل ٹھہرے
بد دماغی ہے فقط اک ہم سے — کس کی بات وہاں علل ٹھہرے
ہم کچھ بولیں تو کہلائیں سڑی — آپ چپ ہوں تو تعاقل ٹھہرے
ہم اگر بیٹھیں تو کم ہمت ہوں — شیخ بیٹھے تو توکل ٹھہرے
تم جسے چاہو چڑھا لو سر پر — ورنہ یوں دوش پہ کاکل ٹھہرے

"جس کی لاٹھی اُسی کی بھینس" یہ ضرب المثل ایک مشہور کہاوت ہے اور اس کا مفہوم بالکل صحیح اور تجربے پر مبنی ہے ۔ یہ قاعدے کی بات ہے کہ زمانہ جس کے موافق ہوتا ہے ، اس کی بری بات بھی بھلی ہو جاتی ہے ۔ کون جانتا تھا کہ شاہجہانی اور عالمگیری اُردو اور اُس کی شاعری کو یہ بری معکوس نصیب ہوگی اور اب یہ کسے معلوم ہے کہ موجودہ حکومت اور مذاق کہاں تک ہمارے خیالات ، ہمارے اوضاع و اطوار پر اچھا یا برا اثر ڈالے گا ۔ مگر چونکہ موجودہ حکومت کا اثر پڑنا ایک ضروری اور لازمی امر ہے اس لیے ہماری پرانی شاعری پر اعتراض ہونا کوئی نئی اور تعجب کی بات نہیں ہے ۔ لیکن انصاف سے دیکھا جائے تو آج جو طرز شاعری رائج ہے وہ کہاں تک سادگی ، صفائی ، سلاست ، مناسبت

استعارہ و تشبیہ اور اصلیت کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے - وہ بُری اور مذموم باتیں جو آج پیش کی جا رہی ہیں کتنا عرصہ ہوا کہ خیالاتی انقلاب کے طوفان نے دریا بُرد کر دی ہیں - نہ اب وہ غلو، نہ ویسا حشو و فحش ہے اور جو کچھ کثرتِ استعمال یا عادتِ قدیمہ کی وجہ سے رہ گیا ہے وہ بھی آئے دن کم ہوتا جاتا ہے - اگر میرا یہ خیال غلط مانا جائے تو حضرات ناظرین ان چند صفحوں کے بعد دیوان یادگارِ داغ دیکھنا شروع کریں اور پھر اپنے دل میں ہی انصاف کریں کہ میرے دعوے صحیح تھے یا غلط -

جہاں اُستاد نواب فصیح الملک حضرت داغ دہلوی مرحوم کا کلام میری تعریف کا محتاج نہیں - جو حضرات کسی عارضی غلط فہمی کے سبب مرحوم کے کلام میں غلطیاں اور خرابیاں ظاہر کرتے ہیں وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ صرف داغ ہی وہ ایشیائی شاعر ہے جس کی طرز، جس کی روش، جس کا بیان، جس کے جذبات موجودہ نیچرل شاعروں سے افضل و اعلیٰ ہیں - یہی وہ باکمال شاعر ہے جس نے پرانی تشبیہوں معمولی مضامین، بوسیدہ خیالات کو ایسے دل چسپ، باثر اور سلیس الفاظ اور روزمرہ کے سانچے میں ڈھالا ہے جس کے سامنے اس سے زیادہ کسی ٹکسالی سکّے کا چلن نہ ہوا، نہ ہونا ممکن -

اس مختصر مقدمے میں حضرت اُستادی مرحوم کی شاعری پر بالتفصیل بحث کرنے کا موقع اور وقت نہیں ہے - جن کو ہمارے ان دعووں میں کسی قسم کا شبہ ہو وہ چند دنوں اور انتظار فرمائیں - اگر زندگی بخیر ہے تو بہت جلد (ایک یا دو مہینے تک) مرحوم کی سوانح عمری (شبیہ داغ) میں اچھی طرح یہ بحث کی جائے گی اور اُن سب باتوں کے جواب عرض کیے جائیں گے جن کی آڑ میں کوئی صاحب اُن کی شاعری کو عیاشانہ شاعری فرماتے ہیں، کوئی سوقیانہ،

کوئی جاہلانہ ، حالاں کہ اُن کی اور صرف اُن کی وہ شاعری ہے جو زمانے کے حسبِ حال اور موجودہ طبائع کا ووٹو ہے -

یہ مختصر دیوان جو میں نے ناظرین کے سامنے پیش کیا ہے مرحوم کا آخری اور ایسا آخری دیوان ہے جس کے بعد بلبلِ ہندوستان کی کوئی نغمہ سرائی سننے میں نہ آئے گی ، کیوں کہ وہ ۷۵ برس باغِ عالم میں چہچہا کر مرغِ سدرہ کے ہم صفیر بن گئے ہیں - انھوں نے اعلیٰ علیین میں جگہ پائی ہے - اب آئیں اسفل السافلین کے رہنے والوں سے کیا غرض - مگر اپنی یاد دلانے کے لیے چلتے چلتے یہ فرما گئے ہیں :

ایک دن ہم نہ ہوں گے دنیا میں
اور رہ جائے گی ہماری بات

وہ بات یہی ہے جس کا آخری دفتر آپ کے پیش نظر ہے اور جسے مرحوم کی ناپائدار زندگی کے بعد بقائے دوام کا فخر حاصل رہے گا -

اب میں اس بیان کو طول دینا نہیں چاہتا - اس لیے مختصراً اس مجموعے کے جمع کرنے اور شائع کرنے کی کیفیت بیان کرکے رخصت ہوتا ہوں -

خوش قسمتی سے انیسویں صدی عیسوی کے آخری دور میں خاکسار احسن مارہروی حیدر آباد دکن پہنچ کر استاد مرحوم کے شرفِ حضوری سے مشرف ہوا اور خدمتِ معمور میں حاضر رہ کر فصیح اللغات کی تالیف کا سلسلہ شروع کیا - اول اول تو حضرت مبرور کو اس کتاب سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوئی مگر رفتہ رفتہ جب میرے شوق اور خلوص عقیدت کا اندازہ فرمایا تو اس کتاب کی

طرف متوجہ ہوئے اور ایسی توجہ فرمائی کہ اُٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے سوتے جاگتے احسن ہے اور فصیح اللغات ہے یح اللغات ہے اور اس کی تالیف ۔ افسوس ہے کہ جس خوشی اور شوق و اہتمام سے یہ کام شروع ہوا تھا اس کا انجام اُن کے سامنے نہ ہونے پایا ۔ اور میں اس بات سے بہت ہی دل گرفتہ ہوں کہ مرحوم صرف فصیح اللغات کے مکمل نہ ہو جانے سے ناخوش گئے ۔ مگر مجھے امید اور قوی امید ہے کہ عالمِ ارواح میں آن کو میرے سچے اور بے ریا دائمی خلوص کا ضرور یقین ہوگا اور انشاءاللہ یہی میری عقیدت میرے جرائم کی معافی کے لیے محرّک ہوگی ۔

"فصیح اللغات" کی تالیف کے زمانے میں حضرت مرحوم کا موجودہ دیوان بہت کم حصے میں تھا ۔ کچھ تو بسبب کثرتِ مشاغلِ اصلاح وغیرہ اور زیادہ تر عوارضِ لاحقہ و ضعفِ پیری کی وجہ سے شعر کہنے پر زیادہ متوجہ نہ ہوتے تھے ۔ تاہم اپنے عقیدت مندوں کے حاؤ اور آن کے اصرار سے مجبور ہوکر دوسرے تیسرے یا ہفتے میں دو ایک غزلیں فرما لیا کرتے تھے ۔ میں ۱۹۰۳ع تک خدمتِ مرحوم میں حاضر رہا ۔ اس وقت تک دیوان کے حجم کی یہی حالت تھی جو اس وقت آپ کے سامنے موجود ہے ۔ ممکن ہے کہ میری عدم حاضری کے زمانے میں ردیف وار غزلیں فرمائی ہوں ، مجھے اس کا علم نہیں ۔ اس دیوان کی اکثر غزلیں فصیح اللغات کے لیے باجازت حضرت مغفور نقل کی گئی تھیں اور ایسا اس لیے کیا گیا تھا کہ میں نے سفر میں بھی اس کام کے جاری رکھنے کا وعدہ کیا تھا ۔ اگرچہ "یادگار داغ" کے اصل مسودے بالکل میرے اختیار میں تھے اور جس وقت جس طرح چاہتا اُن کو اُلٹتا پلٹتا ـــــ حتیٰ کہ ہفتوں اور مہینوں ایک مسودہ میرے اس مکان میں رہا جو حضرت مرحوم کے

مکان کے متصل تھا ــــ با ایں ہمہ یہ محال نہ تھی کہ بغیر حکم اُستاد ایک صفحہ بھی نقل کیا جاتا ۔ اور چوں کہ مجھے یہ علم نہ تھا کہ اس طرح دائمی مفارقت ہوجائے گی ، اور نہ میرا یہ خیال تھا کہ اس مرتبہ وطن آ کر پھر حیدر آباد جانا نصیب نہ ہوگا ، اسی سبب سے اصل مسودے کی چند غزلیں اور اکثر قطعات تاریخی نقل نہ کرسکا جن کے لیے اب کفِ افسوس مل رہا ہوں ۔ بعدِ انتقال حضرتِ مرحوم بلکہ عین روز وفات میں لاہور میں تھا ۔ یہاں رہ کر مختلف ذریعوں سے معلوم کرنا چاہا کہ اُستاد مرحوم کا دیوان کہاں اور کس کے پاس ہے اور اب اُس کی اشاعت کے متعلق کیا خیال ہے ؟ افسوس ہے کہ اس باب میں کوئی صحیح اور معتبر خبر نہیں ملی ۔

حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ وہ نامور شاعر جس کا مصرع مصرع ، نقطہ نقطہ عوام و خواص سب کی نوک زبان ہو آج اُس کے بقیہ کلام کا پتہ بھی نہ چلے ۔ جس نے اپنی زندگی میں اِدھر غزل کہی اور اُدھر "ریاض الاخبار" یا اورکسی جگہ پہنچ گئی ، آج اُس کا کلام اس طرح پوشیدہ ہو ۔ فاعتبروا یا اولی‌الابصار ۔

میرے بہت سے احباب اور قریب قریب تمام خواجہ تاش جانتے ہیں کہ اس آخری زمانے میں کچھ دنوں مجھے بھی شرفِ حضوری حاصل رہا ہے اور محض تصحیح‌العبارت کے سبب حضرت کے دیوان کی ترتیب و تدوین سے ایک خاص تعلق رہا ہے ۔ جب سے حضرت مرحوم کے دیوان کا ایک مسودہ چوری ہوگیا تھا اُس وقت سے یہ احتیاط کی گئی تھی کہ ایک دیوان کے دو مسودے رکھے جاتے تھے ۔ چنانچہ ' یادگارِ داغ '' کے دونوں مسودے میرے ہاتھوں مدوّن و مرتّب ہوئے ہیں ۔ اکثر غزلیں میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی اُن میں موجود ہیں ۔

فصیح اللغات کے لیے جب اشعار سند فرمانے شروع کیے تو وہ بھی اصل مسودے میں لکھے جاتے تھے مگر ان شعروں کی نقل صرف ایک ہی مسودے میں ہے اور وہ بھی نہایت خراب اور کٹ کٹ۔ صاف مسودے پر نقل کرنے کی نوبت میرے سامنے نہیں آئی تھی۔ چند غزلیں اصل مسودے میں ایسی بھی ہیں جو گم شدہ مسودے میں تھیں اور وہ کسی دوست یا شاگرد کی معرفت وصول ہوئی ہیں، اور اب بھی اگر تلاش کی جائے تو چند نئی غزلیں اور بھی ملیں گی۔ چنانچہ اس مسودے میں بھی ایک غزل ایسی ہے جو اس سے قبل نہ مجھے یاد تھی نہ اصل مسودے میں دیکھی تھی۔ وہ غزل ''گلدستۂ گلچین'' میں چھپی تھی جس کا مقطع یہ ہے:

بہت جلائے گا حوروں کو داغ جنّت میں
بغل میں اس کی وہاں ہند کی پری ہوگی

مئی ۱۹۰۵ع سے جب کہ میں نے حضرت مرحوم کی یادگار میں رسالۂ ''فصیح الملک'' شائع کرنا شروع کیا، اس وقت سے اکثر احباب اور بھائیوں کے خطوط دیوان کی اشاعت کے متعلق آتے رہے۔ بعض مشتاقوں نے مختلف اخباروں میں اس دیوان کے شائع ہونے کی تمنا ظاہر کی۔ ایسی حالت میں جب کہ ملک کے شوق کا یہ حال اور حضرت استاد کے کلام کی پوسیدگی کا یہ قصہ تھا، مجھے خاص قسم کا خیال پیدا ہوا اور اسی وقت سے میں نے اس دیوان کے شائع کرنے کا ارادہ کر لیا۔ مگر افسوس ہے کہ جو مسودہ میرے پاس تھا وہ بشمار غزلیات بہت کم تھا اور جو کچھ تھا وہ حضرت مرحوم کے مکان میں بعد انتقال مقفل پڑا ہوا ہے۔ دیکھیے میری قسمت کی طرح اس کمرے کا دروازہ کب کھلتا ہے جس میں بہت ارزاں مگر میرے لیے جان سے زیادہ عزیز کتابیں بند پڑی ہیں۔ قصہ کوتاہ جتنی

غزلیں میرے پاس تھیں، پہلے انھیں صاف کیا، پھر فصیح اللغات کے لیے جو اشعار سند فرمائے گئے تھے وہ نقل کیے - ان کے مجموعے کو دیکھ کر بہت کچھ اطمینان ہوا اور پھر کوشش کر کے وہ غزلیں فراہم کیں جو مختلف گلدستوں، رسالوں اور اخباروں میں چھپی تھیں - اس باب میں چند میرے مہربان خواجہ تاش بھی شکریے کے لائق ہیں جنھوں نے خاص توجہ اور محبت سے اُن غزلوں کی نقلیں بھیجیں جو میرے پاس نہ تھیں - اُن بھائیوں کے نامِ نامی یہ ہیں :

منشی سید محمد اختر صاحب رئیس نگینہ ضلع بجنور - منشی محمد نوح صاحب نوح رئیس ناره ضلع الہ آباد - منشی سید شبیر حسین صاحب نسیم بھرت پوری - منشی وجاہت حسین صاحب وجاہت جھنجھانوی - مولوی سید نذیر احسن صاحب نسیم بلسوی - عالی جناب نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز ناظمِ عطیاتِ صرفِ خاص حیدر آباد دکن - ان احباب کے سوا "معیار الانشاء"، "محبوب الکلام"، "گلچیں" وغیرہ رسالوں اور اخباروں سے بھی بعض بعض غزلیں نقل کی گئی ہیں -

یہ مشہور ہے کہ جب تک مصنّف زندہ رہتا ہے اُس کی تصنیف میں ترمیم و اصلاح ہوتی رہتی ہے - ممکن ہے کہ میری عدم حاضری میں حضرت استادی نے اس دیوان کی غزلوں میں کمی و بیشی یا اشعار میں لفظی تغیر و تبدل کیا ہو لیکن مجھے یا کسی کو ایسی تنقید و تفحص کا حق حاصل نہیں - اسی نظر سے رطب و یابس جتنا کلام دستیاب ہوا تبرکاً لکھ دیا گیا -

اس دیوان کے بلحاظ ترتیب دو حصے کیے گئے ہیں : اول وہ غزلیں لکھی گئی ہیں جو مکمل ہیں - ان کی تعداد قریب ڈیڑھ سو کے ہے - اس کے بعد وہ غزلیں جو میرے قیام حیدرآباد تک ناتمام تھیں یا مجھے ناتمام ملیں مع اُن اشعار کے جو "فصیح اللغات"

کی غرض سے سند کیے گئے تھے، ردیف وار جمع کی ہیں۔ اس کے بعد چند قطعے اور تاریخیں جن میں بعض قطعے ناقص بھی ہیں، نقل کیے ہیں۔ میرے خیال میں چند غزلوں کے سوا اس دیوان میں اصل مسودے سے جو کمی ہے وہ اُن قطعاتِ تاریخی کی ہے جو اکثر چومصرعے ہیں مگر کم از کم سو سوا سو ہیں۔ اس کی اشاعت کے بعد میں کوشش کروں گا کہ کسی ترکیب سے وہ باقی مسودہ بھی ہاتھ آجائے اور اگر خدا کا فضل شامل ہے تو دوسرے ایڈیشن میں یہ کمی بھی پوری ہو جائے گی۔

میرے خیال میں اس وقت ہندوستان کے گوشے گوشے میں حضرت اُستاد مرحوم کے جاننے والے موجود ہیں اور اُن میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جن میں میری یہ سعی خدمت بنظر قدردانی نہ دیکھی جائے۔ کیوں کہ اگر اس کام کی ابتدا اپنے ذاتی فائدے کے لیے کی گئی ہے تو اس کی انتہا اور اختتام محض مشتاقانِ سخن کے واسطے ہے۔ للہذا:

مردِ آخر بیں مبارک بندہ ایست

خاکسار

احسن مارہروی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ردیف الف

۱

ان آنکھوں نے کیا کیا تماشا نہ دیکھا
حقیقت میں جو دیکھنا تھا ، نہ دیکھا

تجھے دیکھ کر وہ دوئی اٹھ گئی ہے
کہ اپنا بھی ثانی نہ دیکھا ، نہ دیکھا

ان آنکھوں کے قربان جاؤں جنھوں نے
ہزاروں حجابوں میں پروانہ دیکھا

نہ ہمت ، نہ قسمت ، نہ دل ہے ، نہ آنکھیں
نہ ڈھونڈا ، نہ پایا ، نہ سمجھا ، نہ دیکھا

مریضانِ اُلفت کی کیا بے کسی ہے
مسیحا کسو بھی چارہ فرما نہ دیکھا

بہت دردمندوں کو دیکھا ہے تو نے
یہ سینہ ، یہ دل ، یہ کلیجا نہ دیکھا

وہ کب دیکھ سکتا ہے اُس کی تجلی
جس انسان نے اپنا جلوا نہ دیکھا

بہت شور سنتے تھے اس انجمن کا
یہاں آکے جو کچھ سنا تھا ، نہ دیکھا

صفائی ہے باغِ محبت میں ایسی
کہ بادِ صبا نے بھی تنکا نہ دیکھا

آپ دیکھ کر اور کو بھر جو دیکھے
کوئی دیکھنے والا ایسا نہ دیکھا
وہ تھا جلوہ آرا مگر تو نے موسیٰ
نہ دیکھا ، نہ دیکھا ، نہ دیکھا ، نہ دیکھا
گیا کارواں چھوڑ کر مجھ کو تنہا
ذرا میرے آنے کا رستا نہ دیکھا
کہاں نقشِ اول ، کہاں نقشِ ثانی
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ دیکھا
تری یاد ہے یا ہے تیرا تصوّر
کبھی داغ کو ہم نے تنہا نہ دیکھا

۲

وہ جلوہ تو ایسا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا
آنکھوں کو مگر دید کا لپکا نہیں جاتا
کیا خاک کروں اُن سے تغافل کی شکایت
یہ حال ہی ایسا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا
آغوش میں لوں ، پاؤں پڑوں ، کھینچ لوں دامن
ہاتھ آئے جو تجھ سا ، آپ چھوڑا نہیں جاتا
کیا جانے کوئی اور وہ کیا ہے ، وہی جانے
سمجھا نہیں جاتا آپ ، جانا نہیں جاتا
یہ داغ مٹائے نہیں مٹتا ، نہیں مٹتا
یہ دردِ محبت نہیں جاتا ، نہیں جاتا
یہ بھی ہے نئی اُن کو نزاکت کی شکایت
کہتے ہیں ترے دل کو ستایا نہیں جاتا

وہ حال ہے میرا کہ مرے کاتبِ اعمال
لکھتے ہیں، مگر اُن سے بھی لکھا نہیں جاتا
دل بستگی اُس کوچے میں ایسی ہے بشر کی
دیوانہ بھی پھر جانبِ صحرا نہیں جاتا
کہتا ہوں تو رکتی ہے زباں سامنے اُس کے
لکھتا ہوں اگر حال تو لکھا نہیں جاتا
کیا قاصدِ نافہم کو میں باندھ کے بھیجوں
وہ تو نہیں جاتا، نہیں جاتا، نہیں جاتا
میں وضع کا پابند ہوں گو جان بھی جائے
جب کوئی بلائے نہیں آتا، نہیں جاتا
عاشق ہے کسی بات میں قائل نہیں ہوتے
معشوقوں کا ہر حال میں دعوا نہیں جاتا
دل اک نہیں چھوڑا ہے، دہائی ہے خدا کی
پھر مانگنے والوں کا تقاضا نہیں جاتا
ہم جان سے جاتے ہیں محبت میں کسی کی
اپنا ہے ضرر، کچھ بھی کسی کا نہیں جاتا
اُس کے تو نگہبان مزے لوٹ رہے ہیں
تنہا نہیں آتا کبھی، تنہا نہیں جاتا
وہ کہتے ہیں کیا جور اُٹھاؤ گے تم اے داغ
تم سے تو مرا ناز اُٹھایا نہیں جاتا

۳

سرسبز کبھی برگِ خزاں ہو نہیں سکتا
جو ہیر ہوا، پھر وہ جواں ہو نہیں سکتا

آنکھیں ہوں تو وہ جلوہ نہاں ہو نہیں سکتا
پھر عرش بھی پردے کا مکاں ہو نہیں سکتا

رونے سے نہ مر جاؤں کا میں ، آپ نہ ہنسیے
یہ اشکِ رواں ، عمرِ رواں ہو نہیں سکتا

کیونکر نہ کہوں غیرتِ جنت ہے ترا گھر
دنیا کا کوئی کام یہاں ہو نہیں سکتا

سیدھی نگہ ناز جھکے گی نہ حیا سے
یہ تیر کسی طرح کماں ہو نہیں سکتا

معشوق بدل جاتے ہیں قسمت کی طرح سے
کیا راحتِ جاں آفتِ جاں ہو نہیں سکتا

وہ کوچہ آسی فتنۂ محشر کا ہے قاصد
قابو دل مضطر پہ جہاں ہو نہیں سکتا

اب لطفِ سببِ وصل کہاں اے دلِ ناداں
ہر روز وہ ساماں ، وہ سماں ہو نہیں سکتا

افسانہ مرا تم نے سنا ، میں نے سنایا
اک حرف رہا ہے ، وہ بیاں ہو نہیں سکتا

کس وجہ سے گھبرانے لگا دل یہ نہ پوچھو
کیا بیٹھے بٹھائے خفقاں ہو نہیں سکتا

تاکیدِ وفا کیجیے محشر میں تو جانیں
جاری یہ کبھی حکم وہاں ہو نہیں سکتا

اسرار سینے میرے ہیں بہت خوارِ تمنا
یہ یاد کبھی نوکِ زباں ہو نہیں سکتا

وہ چاہتے ہیں غیر کو پھر یہ بھی یقیں ہے
معشوق پہ عاشق کا گماں ہو نہیں سکتا

دل مائل و شیدا ہے بس اب اور نہ پوچھو
کس پر ہے ، کہاں ہے ، یہ بیاں ہو نہیں سکتا
فتنے تری چتون سے کہاں اٹھ نہیں سکتے
جادو تری آنکھوں سے کہاں ہو نہیں سکتا
اس چشم سخن گو پہ تعجب ہو نہ کیونکر
جو ناز نظر ہے وہ زباں ہو نہیں سکتا
یا پرسش بیداد ہو اے داور محشر
یا کہہ دے کہ انصاف یہاں ہو نہیں سکتا
فرماتے ہیں وہ داغ کے مرقد کو مٹا کر
اس نام کا پیدا ہی نشاں ہو نہیں سکتا

۴

یہ چھوڑ ہے کیا ضبط فغاں ہو نہیں سکتا
ہاں کہہ تو دیا آپ نے ، واں ہو نہیں سکتا
مشتاق کو دیدار کہاں ہو نہیں سکتا
کیا ہو نہیں سکتا ہے ، یہاں ہو نہیں سکتا
ہم کہتے ہیں دعوے سے ترا عشق ستم گر
پنہاں کر نہیں سکتا کوئی ، پنہاں ہو نہیں سکتا
کچھ دیر نہیں لگتی ہے نیت کو بدلتے
کیا شیخ حرم پیر مغاں ہو نہیں سکتا
کیوں عرض تمنا پہ مرے ہونٹھ سیے تھے
اب نام ترا ورد زباں ہو نہیں سکتا
رگ رگ میں چھپاتا ہوں ترا درد محبت
پھر بھی تو یہ کم بخت نہاں ہو نہیں سکتا

کافی ہے مجھے ایک سبق حضرتِ ناصح
میں ہفت قلم، ہفت زباں ہو نہیں سکتا

دھوکا مجھے دیتی ہے یہ بھولی نری باتیں
بیداد کا ایسے پہ گماں ہو نہیں سکتا

کہنے کے لیے آپ ہیں، سننے کے لیے ہم
جو ہم سے سنا ہے وہ بیاں ہو نہیں سکتا

حالِ دلِ افسردہ کا کیوں اُن کو یقیں ہو
زندے پہ تو مردے کا گماں ہو نہیں سکتا

جب دل سے نکالوں تو یہی کہتی ہے حسرت
مہمان سے خالی یہ مکاں ہو نہیں سکتا

جو دل میں تمھارے ہے وہی ہے مرے دل میں
میں کہہ دوں اگر تم سے بیاں ہو نہیں سکتا

دل مالک کے شرمندہ عبث کرتے ہو مجھ کو
کیا اس کے نہ ہونے کا گماں ہو نہیں سکتا

کیوں ہاتھ پہ تم ہاتھ دھرے بیٹھے ہو خاموش
کیا تھک گئے اب قتلِ جہاں ہو نہیں سکتا

کیا جانیے کس شے کی محبت میں کمی ہے
پورا اثرِ آہ و فغاں ہو نہیں سکتا

جیسے تم پہ یقیں ہے وہ یہیں ہٹ نہیں سکتا
جو تم پہ گماں ہے وہ گماں ہو نہیں سکتا

گو دفترِ غم روز ہمارا ہوتے اُنھیں میں
پھر بھی یہ کہوں گا کہ بیاں ہو نہیں سکتا

اے داغ تمھیں وصل کی تدبیر بتادی
تقدیر کا ذمّہ تو یہاں ہو نہیں سکتا

کیا دور آئے کچھ پاس دکھائی نہیں دیتا
کیوں مجھ کو خدا ساری خدائی نہیں دیتا

جس شخص کو تو دردِ جدائی نہیں دیتا
ایسا کوئی دنیا میں دکھائی نہیں دیتا

کیا پاس درِ یار دکھائی نہیں دیتا
تقدیر کو اللہ رسائی نہیں دیتا

جو معرکۂ عشق میں ہو میرے مقابل
ایسا تو کوئی مجھ کو دکھائی نہیں دیتا

صیاد کو گر رحم بھی آیا تو کروں کیا
یہ شوقِ اسیری تو رہائی نہیں دیتا

کیا غیر چھپائے گا ترا رازِ محبت
اوچھے کو خدا اتنی سمائی نہیں دیتا

فریاد مری سن کے یہ کہتا ہے وہ کافر
اللہ کے گھر جا کے دہائی نہیں دیتا

وہ غیر کے پھندے میں ہیں میں دام میں اُن کے
ایک ایک کو دونوں میں رہائی نہیں دیتا

میں پاؤں پر اُن کے جو گرا ڈر کے وہ بولے
اندھا ہے ارے تجھ کو دکھائی نہیں دیتا؟

دل لے کے کسے دینے لگے مجھ سے تو پوچھو
خیرات کوئی چیز پرائی نہیں دیتا

کس طرح سنوں عذرِ ستم اُس کی زباں سے
کچھ شورِ قیامت میں سنائی نہیں دیتا

آتا تو نہ ہو وصل کا پیغام اُدھر سے
کچھ آج مزا دردِ جدائی نہیں دیتا

سمجھ ہی میں زاہد کے ہیں دن رات کے فائے
کیا پیرِ مغاں روزہ کشائی نہیں دیتا

بخشے گئے محشر میں کس گبرِ محبت
زاہد تجھے کیا دل کو دکھائی نہیں دیتا

گر آج قیامت ہے تو میں داد طلب ہوں
دھوکا تو مجھے روزِ جدائی نہیں دیتا

تعریفِ عدو کر کے عبث داد طلب ہو
کوئی صلۂ بیہودہ درائی نہیں دیتا

جب جوش بھرا پھوٹ بہا آبلۂ دل
لیکن یہ ترے چشم نمائی نہیں دیتا

کہتا ہے زمانے سے برا مجھ کو وہ ظالم
کس کس کو مری لکھ کے برائی نہیں دیتا

چبھتی ہوئی کہتا ہوں تو ہو جاتے ہو خاموش
معلوم ہوا تم کو سنائی نہیں دیتا

میں آتشِ دل عشق میں کیا خاک بجھاؤں
فرصت ہی ترا دستِ حنائی نہیں دیتا

کس طرح سے ہو مور سلیماں کے برابر
چھوٹوں کو خدا اتنی بڑائی نہیں دیتا

تم اس سے طلب کرتے ہو اے داغ دل اپنا
جو لے کے کبھی چیز پرائی نہیں دیتا

۶

لے کے دل وہ چھیڑ سے کچھ کہہ گیا
دیکھتے کا دیکھتا میں رہ گیا

میں یہ کہتا تھا کہ دل لے لو مرا
عاقبت وہ خون ہو کر بہہ گیا

چاند سے چہرے پہ کیوں ڈالی نقاب
چاند یہ کیسا گہن میں گہہ گیا

اس قدر گردش میں تھا میرا غبار
ساتھ پھر کر آسماں رہ رہ گیا

گالیاں بھی جھڑکیاں بھی تم نے دیں
اور دینے کے لیے کیا رہ گیا

مجھ کو جو سنا تھا میں نے سن لیا
اس کو جو کہنا تھا منہ پر کہہ گیا

ہائے میری خستگی و ماندگی
چل دیا سب قافلہ میں رہ گیا

اور ناصح کو کڑی میں نے کہی
ایک جب چبھتی ہوئی وہ سہہ گیا

جب سے وہ رہنے لگے ہیں بے نقاب
روز و شب کا نورِ مہر و مہ گیا

عاشقوں سے عشق چھپتا ہے کہیں
پھوٹ کر جب روئے ، دریا بہہ گیا

داغ سے اٹھتا نہ اک رشکِ رقیب
جو ستم سہنے کے تھے وہ سہہ گیا

۷

محفل سے تیری خوش نہ گیا آکے جو گیا
ہر نامراد اپنے نصیبوں کو رو گیا

صبر و قرار و ہوش گئے دل بھی کھو گیا
جو کچھ مرے نصیب کا ہونا تھا ہو گیا

دل نامراد یاس سے ویرانہ ہو گیا
اب ولولہ جو شوق کا تھا وہ بھی سو گیا

تڑپا اگرچہ شوق کا طوفان ہو گیا
افسوس ہے کہ داغِ محبت نہ دھو گیا

کمبخت یہ بھی دے نہ سکا رات بھر کا ساتھ
میں جاگتا رہا سببِ غم، بخت سو گیا

کی گفتگوئے یار بڑی آب و تاب سے
قاصد تو بات بات میں موتی پرو گیا

عاشق کا درد پوچھیے معشوق سے ذرا
جب مل گئے تو دونوں کا دل ایک ہو گیا

ایسا گناہ گار ہے اشائے عشق میں
آنسو نکل کے دامنِ مژگاں بھگو گیا

اس انجمن کی سیر سے بھرتا ہے دل کہیں
حسرت نصیب وہ ہے یہاں آکے جو گیا

دردِ غمِ فراق سے رہتی تھی دل لگی
کتنا بڑا رفیق جدا مجھ سے ہو گیا

دل کو محیطِ عشق سے چاہا نکالنا
ہم کو بھی ساتھ ڈوبنے والا ڈبو گیا

صبح سے ہوا تمام نہ افسانہ عشق کا
وہ جاگتے رہے، مجھے نیند آئی، سو گیا

آ کر شب فراق مری موت ہو گئی
روز وصال جا کے گیا وقت ہو گیا

آنا تھا کوئی نشہء صہبا میں ڈوب کر
ملتے ہی آنکھ رنگ میں اپنے ڈبو گیا

ہم مٹ گئے مگر خلش دل نہ مٹ سکی
کانٹے ہمارے حق میں ترا عشق بو گیا

اس رخ کے پاس حسن کی دولت کہاں رہی
اتنے دیے ہیں بوسے کہ محتاج ہو گیا

کن حسرتوں کا کشتہ ہوں اللہ رے بےکسی
آ کر مرے جنازے پہ دشمن بھی رو گیا

یہ بھی نزول رحمت باری کی شان ہے
وہ دشمن وفا مری میت پہ رو گیا

اے اہل بزم اتنی مدد چاہتا ہوں میں
جب وہ خفا ہو مجھ کو چھپا کر کہو، گیا

جب یہ سنا کہ ہو گیا اچھا مریض عشق
بولے وہ ہاتھ مار کے زانو پہ ہو گیا

سودا و میر و ذوق ہوں یا سوز و درد ہوں
اس کا کہاں جواب ہے ان میں سے جو گیا

اے داغ عشق آفت جاں ہے ذرا سنبھل
دو دن میں کیا سے کیا یہ ترا حال ہو گیا

۸

لب عاشقِ بیمار پہ کھولا نہیں جاتا
دم بند مسیحا کا ہے بتولا نہیں جاتا

تدبیر اگر لاکھ کرے عقدہ کشائی
تقدیر کا عقدہ کبھی کھولا نہیں جاتا

مقدار میں ہے کوہِ گراں بارِ محبت
یہ بوجھ کسی طرح سے تولا نہیں جاتا

پھولوں میں کبھی تُلتے تھے وہ اُف ری نزاکت
اب اُن کو نگاہوں میں بھی تولا نہیں جاتا

دروازے کی زنجیر تو کھلتی نہیں تم سے
کیا روزنِ دیوار بھی کھولا نہیں جاتا

یوسف کی بھی تصویر ہے، اُس بت کی بھی تصویر
سچ یہ ہے کہ ایمان سے بولا نہیں جاتا

اُس شوخِ دغاباز کا کھلتا نہیں کچھ بھید
جب تک اُسے باتوں میں ٹٹولا نہیں جاتا

گھل مل کے پلاتے ہو رقیبوں کو تو ساغر
کیا میرے لیے زہر بھی گھولا نہیں جاتا

مے خانے سے نکلا ہے خمِ دخترِ رز کیوں
زاہد کے تو گھر آج یہ ڈولا نہیں جاتا

جب دیکھیے دل کوچہء قاتل میں ہے موجود
کس روز یہ نادان یہ بھولا نہیں جاتا

رکھ دے مرے سینے پہ کوئی دستِ حنائی
مرہم سے تو اس دل کا پھپھولا نہیں جاتا

ساقی لے مرے دل کو چلا آتش تر سے
شورے میں صراحی کو جھکولا نہیں جاتا

اس زور سے اس شور سے قاصد تو چلا ہے
یوں جلد کبھی توپ کا گولا نہیں جاتا

گرتے ہیں جو اے داغ زمیں پر گہر اشک
ان موتیوں کو خاک میں رولا نہیں جاتا

۹

کر گیا تاثیر نالہ بلبل ناشاد کا
ہاتھ لیا ، پاؤں اب جمتا نہیں صیّاد کا

سب نے دیکھا کچھ اثر اس آخری فریاد کا
وہ ذرا سا منہ نکل آیا مرے جلاد کا

سنتے ہیں کلچیں سے جھگڑا ہو گیا صیّاد
ہم صفیرو آج موقع ہے مبارک باد کا

یہ کہا نقشہ جو دیکھا عاشق ناشاد کا
درد کا یہ دل نہیں ، یہ منہ نہیں فریاد کا

پاس اپنے کا ہے اپنے کو ریاض دہر میں
سرو کو ہے سرو کا ، شمشاد کو شمشاد کا

اشک لے تحت الثریٰ کو نالہ پہنچے عرش تک
کیا زمیں تانبے کی ہے ، کیا آسماں فولاد کا

کیوں اجازت کے لیے دیکھا اُدھر ہنگام قتل
بس چلے تو خون پی جاؤں ابھی جلاد کا

چرخ ہے یا وہ ستم گر اور کس کا نام لوں
اس ستم ایجاد کا یا اس ستم ایجاد کا

ہم کو وحشت میں چلے دیوارِ زنداں پھاند کر
جس کو رہنا ہو رہے وہ منتظر میعاد کا

کارِ تیشہ بے ستوں کے واسطے اک کھیل تھا
کام وہ تھا کام آخر کر دیا فرہاد کا

چلتے چلتے یہ خزاں سے کہہ گئی بادِ بہار
خاک میں ملنا نہ دیکھا جائے گا اولاد کا

رحم کے قابل ہوئی ایسی مری دیوانگی
موم کی زنجیر ہو کہتا ہے دل حدّاد کا

گر پڑا میں حشر میں اس فتنہ گر کے پاؤں پر
یہ عجب افتاد ہے، قائل ہوں اس افتاد کا

بھول کر پوچھا اگر مجھ کو تو وہ پھر بھول تھی
یاد سے پوچھو تو پھر کیا پوچھنا اس یاد کا

چوکتا ہے دل کوئی جب بے تعلق ہو گیا
لاکھ میں منہ بند ہوتا ہے کہیں آزاد کا

بادِ صرصر نے بچایا آشیانِ عندلیب
ایک جھونکے میں اُدھر منہ پھر گیا صیّاد کا

عاشقوں کی خانہ ویرانی سے تھی اس کو غرض
پہلے پتھر جس نے رکھا عشق کی بنیاد کا

دل اگر چاہے کہ روکوں کب رکے طفلِ سرشک
آج کل کرتے ہیں لڑکے سامنا استاد کا

داورِ محشر کے آگے اس نے گھبرا کر کہا
داغؔ کوتاہی نہ کر یہ وقت ہے امداد کا

۱۰

پر نہ باندھے، پاؤں باندھا بلبلِ ناشاد کا
کھیل کے دن ہیں، لڑکپن ہے ابھی صیّاد کا

خاتمہ ہو آج کے دن تھا سری بیداد کا
شورِ محشر کو بھی غل سمجھا مبارک باد کا

بس ٹھہر اے بے قراری دم نہیں فریاد کا
درد بھی آرام کرتا ہے دلِ ناشاد کا

غیر کے مرنے سے یہی اندیشہ مجھ کو ہو گیا
فیصلہ کر دے نہ یہ فتنہ عدم آباد کا

یا سروہی دستِ قاتل میں نہیں یا سر نہیں
یا ہمارا دم گیا یا جوہرِ فولاد کا

خونِ ناحق رنگ لایا ہے دمِ مشقِ ستم
ہاتھ چھوٹا پڑ گیا آخر مرے جلاد کا

جیتے جی اہلِ سخن سے داد لی اشعار کی
زندگی میں میں نے سب حق دے دیا اولاد کا

تم کو میری جان کی، ایمان کی ایسی قسم
حوصلہ باقی نہ رہ جائے کسی بیداد کا

مجھ کو دیوانہ سمجھ کر ڈالتا تھا بیڑیاں
ہاتھ میں میرے گریباں آ گیا حداد کا

بے بلائے جا کے اس محفل میں نہ پوچھیں گے ہم
وہ کہاں ہے بھولنے والا ہماری یاد کا

ہو گیا تھا کس قدر بے آب جوئے شیر سے
خون میں فرہاد کے تیشہ بجھا فرہاد کا

اہلِ زنداں کو بھی رحم آتا ہے میرے حال پر
روز اک اک روز گنتے ہیں مری میعاد کا

کیا تغافل کیا جفا یہ بھی سہی وہ بھی سہی
پڑ گیا دل کو مزا ظالم تری بیداد کا

اس سے بڑھ کر اور ہوگی خانہ ویرانی بھی کیا
ہے ہوا پر سایہ میرے خانۂ برباد کا

برگِ گل کی قدر کچھ عاشق کی نظروں میں نہیں
اس سے پر ملتا کہاں ہے بلبلِ ناشاد کا

پرورش اتنے اسیروں کی کوئی آساں ہے
ایک دن جی چھوٹ جانے کا مرے صیاد کا

سنگِ مقناطیس بھی ہرچند ہے آہن ربا
جذبِ دل سے دیکھ کھچنا خنجرِ فولاد کا

ہاتھ دل پر، آہ لب پر، آنکھ سے آنسو رواں
اب تو یہ نقشہ ہے تیرے عاشقِ ناشاد کا

ذبح کر ڈالا ہے اک اک سخت جاں کو ڈھونڈ کر
آج کل ہے تیز لوہا خنجرِ فولاد ہے

خار خارِ ناامیدی نے دکھایا ہے مجھے
دھجیاں ہو ہو کے اڑنا دامنِ فولاد کا

خود مصوّر لوٹ جائے شوخ صورت ہے وہی
اس کی شوخی کھینچ لے یہ منہ نہیں بہزاد کا

شاہ آصف جاہ نے کی داغ اک عالم کی قدر
حیدر آباد اب نمونہ ہے جہاں آباد کا

١١

ہو اثر اتنا تو سوزِ نالۂ فریاد کا
ہم تماشا دیکھ لیں گھر پھونک کر صیاد کا

اس کے قامت سے ہوا ہے سامنا شمشاد کا
یہ نیا ہے معرکہ آراد سے آزاد کا

کون سا صدمہ بتاؤں اس دلِ ناشاد کا
درد کا ، ارمان کا ، آزار کا ، بیداد کا

کوہ میں جب شور ہو تو گونج اٹھتا ہے پہاڑ
یہ اثر باقی ہے اب تک ماتمِ فرہاد کا

رحم آتا ہے ہجومِ اہلِ محشر پر مجھے
ایک ہی نالہ کا ہے یہ ایک ہی فریاد کا

پوچھنا جو کچھ ہو جلدی پوچھ لے روزِ حساب
مجھ کو دھڑکا ہے الٰہی اس ستم ایجاد کا

سایہ بھی میرا الٰہی کوئے قاتل میں نہیں
رشک ہے کیوں خون میرے ساتھ ہو ہمزاد کا

آدمی کے واسطے قیدِ علائق ہے ضرور
حضرتِ آدم کو لایا سلسلہ اولاد کا

اور کچھ تم سے نہیں میں چاہتا روزِ جزا
اتنا کہہ دینا یہ عاشق تھا مری بیداد کا

کوندتی ہے آشیاں پر آج بجلی بے طرح
ہم وہیں ہوتے جو ہوتا پاس گھر صیاد کا

مجھ سے نفرت کس قدر ہے اس بتِ بے مہر کو
مصحفے میں بھی ورق رکھا نہ میری یاد کا

زہر کھا کر سو رہوں یا وصل کا طالب رہوں
حکم کیا ہوتا ہے ، میں ہوں منتظر ارشاد کا

گلِ رحوں کا عشق بعد مرگ بھی چھپتا نہیں
روح عاسق میں ہے عالم نکہت ِ دربادِ کا

مجھ سے ظالم نے کہا انگلی اٹھا کر سوے چرخ
اس سے کہیے سننے والا ہے وہی فریاد کا

نوحہ گر ہے آنکھ پر دل ، آنکھ دل پر اشکبار
پڑ گیا ہے پیٹنا ناشاد کو ناشاد کا

آسماں بے مہر ، وہ بت سنگ دل ، تو بے نیاز
کون پرساں ہے الٰہی عاشقِ ناشاد کا

جب کبھی ناصح نے بات اگلے ہی وقتوں کی کہی
آدمی دیکھا نہیں اس عمر میں اس یاد کا

ایک شیریں اور دو عاشق پھر الٹا ان میں فرق
جبر کیا خسرو کا تھا ، کیا صبر تھا فرہاد کا

وقتِ نظارہ ہوئے ہیں پار سب تیرِ نگاہ
دیکھ چھلنی ہوگیا ہے آئنہ فولاد کا

ذکر میرا اس بہانے سے نہ ظالم نے سنا
بزم میں ہے بدشگونی تذکرہ ناشاد کا

بات پیدا کر نئی ، انداز پیدا کر نیا
اے ستم ایجاد اس میں لطف ہے ایجاد کا

اب اثر آئے دعا میں غیر کی ممکن نہیں
کچھ مرے نالے کا حصہ کچھ مری فریاد کا

وعدہ جھوٹا کرلیا ، چلیے تسلی ہوگئی
ہے ذرا سی بات خوش کرنا دلِ ناشاد کا

دونوں لب دو کام دہن جب عاشقی کا لطف ہے
ایک خاموشی کا حصہ ، ایک ہو فریاد کا

کہہ گئے وہ پھر ملیں گے، کب ملیں گے کیا خبر
اس کی کیا میعاد ہے ، وعدہ ہے کس میعاد کا

دفن سے پہلے ہی مٹی دہن مسمرا میرے عزیز
بے مروت دل سے کل اندیشہ ہے فرہاد کا

یہ بہارِ داغ ہے گلزارِ ابراہیم کی
ذوق کہتے ہیں جسے ہے فیض اس استاد کا

۱۲

عاشق ہوا ہوں ایک بتِ رشک ماہ کا
اللہ تو ہے بخشنے والا گناہ کا

ڈنکا بجا ہے چار طرف واہ واہ کا
ملک سخن ہے آصف عالم پناہ کا

یہ طور دل چرا کے ہوا اس نگاہ کا
جیسے قسم کے وقت ہو جھوٹے گواہ کا

دونوں طرف لگی ہو مزہ جب ہے آہ کا
دونوں طرف ہو لاگ مزہ جب ہے چاہ کا

کیا کرسکے کوئی ستم و لطف کی تمیز
بجلی کا کوندنا ہے وہ پھرنا نگاہ کا

سرتاج بانک پن کی اداؤں کا ہو گیا
تھوڑی کجی کے ساتھ وہ گوشہ کلاہ کا

دو دن ہی میں مزاج تمھارا بدل گیا
کیوں جی ! یہی قرار ہوا تھا نباہ کا ؟

دل مضطرب ہے پھیر دے سفّاک تو چھری
چین ِ جبیں کا واسطہ، صدقہ نگاہ کا

کوچے میں تیرے عرصۂ محشر کو ڈھونڈتا
بہتا پھرا ہے خون کسی بے گناہ کا

وہ تم کہ بھاگتے تھے لڑائی کے نام سے
کس طرح آگیا یہ لڑانا نگاہ کا

یہ چال بھی نئی ہے کہ خود ہیں کے با وفا
اقرار نامہ لیتے ہیں مجھ سے نباہ کا

کہتے ہیں جس کو تخم ِ محبت جہاں میں
اک دانہ میرے دل کی ہے کشت ِ تباہ کا

سوتا نہیں یہ دیدۂ بیدار رات بھر
اے کاش پاسباں ہو تری خواب گاہ کا

بے درد کو نصیب ہے سوز و گداز کب
بے درد کو مزا ہی نہیں دل کی چاہ کا

آتا ہے اب تو ضعف میں آنسو بھی اس طرح
جیسے مسافر آئے تھکا ماندہ راہ کا

لے لوں بلائیں اپنے بھی بخت ِ سیاہ کی
سایہ پڑے اگر تری زلف ِ سیاہ کا

یہ بات تیر لگتی ہے اُن کو اگر کبھی
کرتا ہے کوئی ذکر مری آہ آہ کا

تار ِ نگاہ و سوزن ِ مژگاں سے حشر میں
منہ سی دیا نہ تم نے کسی دادخواہ کا

دل دیں گے ہم تو حضرت ناصح ہزار بار
دینا نہیں ہے آپ کے کچھ قبلہ گاہ کا

جو راہ اختیار کرو ، دل ہے راہ بر
معلوم اس کو حال ہے سب راہ راہ کا

اتنا مزا تو شعر میں ہو جس سے ہم سیں
یا شور آہ آہ کا ، یا واہ واہ کا

اے داغ داغِ عشق کی تعریف کیا لکھوں
یہ آفتاب ہے مرے روزِ سیاہ کا

۱۳

ہمارا دل ہے جیسا ناصبور ایسا نہیں ہوتا
کوئی نزدیک ایسا ہو کے دور ایسا نہیں ہوتا

جھکی پڑتی ہیں آنکھیں رات بھر جاگے ہو تم بے شک
ہوائی کے نشے کا سرور ایسا نہیں ہوتا

پری ہو، حور ہو، یوسف ہو، آخر کیا کہیں تم کو
کسی کو حسن پر اپنے غرور ایسا نہیں ہوتا

حسینوں میں وہ اپنے حسن پر دعوے سے کہتے ہیں
نہیں ہوتا ، نہیں ہوتا ، ضرور ایسا نہیں ہوتا

کیا شکرِ خدا پر قتل مجھ کو اس ستم گر نے
مرا ایسی نہیں ہوتی ، قصور ایسا نہیں ہوتا

کیا تھا ہم نے بھی جرمِ محبت بخشوانے کو
زمانے میں کسی سے کیا قصور ایسا نہیں ہوتا؟

جھلکتی ہے خطِ عارض پہ اس کے روشنی کیسی
نرالا حسن ہے سائے میں نور ایسا نہیں ہوتا

تمھیں اے ناصحِ مشفق فرشتہ ہم تو جانیں گے
کسی انساں کا فہم و شعور ایسا نہیں ہوتا

سوالِ وصل پر یوں اُس نے ٹالا مجھ کو ہنس ہنس کر
یہاں ہے پاک صحبت اب سے دور ایسا نہیں ہوتا
کسی کو اپنا کر رکھتے، کسی کا ہو رہے کوئی
کہیں دنیا میں کیا اے رشکِ حور ایسا نہیں ہوتا
تجلّی جلوہ گر لاکھوں حجابوں میں بھی ہوتی ہے
چھپائے سے چھپے رنگ ظہور ایسا نہیں ہوتا
وہ مستِ ناز پھر جوشِ شباب اُس کا کوئی دیکھے
کہ مے کش نشۂ صہبا میں چور ایسا نہیں ہوتا
جمالِ یار کے دیکھے سے جو ہوتی ہے کیفیت
کبھی دل کو سرور، آنکھوں میں نور ایسا نہیں ہوتا
یہ کس نے کہہ دیا عاشق تمھیں بدنام کرتے ہیں
کبھی ایسے غلاموں سے قصور ایسا نہیں ہوتا
بشر وہ کام کرتا ہے، فرشتے کر نہیں سکتے
کہ جو ہوتا ہے اس سے دور دور ایسا نہیں ہوتا
تری آنکھیں ہیں مستِ ناز ورنہ نشۂ مے کا
خمار ایسا نہیں ہوتا، سرور ایسا نہیں ہوتا
وہ دل میں داغ ہے جلنے بھی ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں
کوئی انسان پیدا دور دور ایسا نہیں ہوتا

۱۴

یوں تو دنیا نے زمانے کا تماشا دیکھا
منصفی شرط ہے ہم نے تمھیں کیسا دیکھا
آ گیا دیدۂ خونبار میں دل کا ٹکڑا
مردمِ چشم میں بھی خالِ سویدا دیکھا

غیر کی شکل دکھائی نہ خدا نے مجھ کو
شکر ہے آج اسے خواب میں تنہا دیکھا

کمرِ یار کو دیکھا تو عدم دیکھ لیا
نظر آیا دہنِ یار تو عنقا دیکھا

سیکڑوں لوٹ گئے ایک اشارے میں ترے
آج ہم نے تری شوخی کا تماشا دیکھا

الاماں قہرِ الٰہی تھا وہ اس کا غصہ
آج قاتل نے نہ اپنا نہ پرایا دیکھا

طور پر جاؤں جو میں آئیں صدائیں پیہم
ہم نے ایسا نہ کوئی دیکھنے والا دیکھا

ایسے بیمارِ محبت کی نہ پوچھو حالت
پھر دکھائے نہ خدا حال کچھ ایسا دیکھا

آسماں یہ بھی ہے گویا ترے عاشق کے لیے
بخت واژوں کو نہ اس کے کبھی سیدھا دیکھا

دلِ بے تاب! کلیجے سے لگا لوں تجھ کو
دیر تک اس نے تڑپنے کا تماشا دیکھا

کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا یہ طلسمِ دنیا
جو سنا ہم نے سنا اور جو دیکھا دیکھا

داغ نے جب یہ کہا داغِ جگر دیکھا بھی
جل کے وہ کہنے لگے تیرا کلیجا دیکھا

۱۵

عذر ان کی زبان سے نکلا
تیر گویا کمان سے نکلا

وہ چھلاوا اِس آن سے نکلا
الاماں ہر زباں سے نکلا

خارِ حسرت بیاں سے نکلا
دل کا کانٹا زباں سے نکلا

فتنہ گر کیا مکاں سے نکلا
آسماں آسماں سے نکلا

آ گیا عش نگہ دیکھتے ہی
مدعا کب زباں سے نکلا

کھا گئے تھے وفا کا دھوکا ہم
جھوٹ سچ امتحاں سے نکلا

دل میں رہنے نہ دوں ترا شکوہ
دل میں آیا زباں سے نکلا

اک جہاں ہم نے دیکھ ڈالا ہے
تو نرالا جہاں سے نکلا

ہے تو یوں عاشقی کا نام بُرا
سر مٹوں کے نشاں سے نکلا

وہم آتے ہیں دیکھیے کیا ہو
وہ اکیلا مکاں سے نکلا

تم برستے رہے سرِ محفل
کچھ بھی میری زباں سے نکلا؟

سچ تو یہ ہے معاملہ دل کا
باہر اپنے گماں سے نکلا

اس کو آیت حدیث کیا سمجھیں
جو تمہاری زباں سے نکلا

پڑ گیا جو زباں سے تیری حرف
پھر نہ اپنے مکاں سے نکلا
دیکھ کر روے یار ، صلِّ علیٰ
بے تحاشا زباں سے نکلا
لو قیامت اب آئی ، وہ کافر
بن بنا کر مکاں سے نکلا
مر گئے ہم مگر ترا ارمان
دل سے نکلا نہ جان سے نکلا
رہ روِ راہِ عشق تھے لاکھوں
آگے میں کارواں سے نکلا
سمجھو پتھر کی تم لکیر اسے
جو ہماری زباں سے نکلا
بزم سے تم کو لے کے جائیں گے
کام کب پھول پاں سے نکلا
کیا مروّت ہے ناوکِ دل دوز
پھلے ہرگز نہ جاں سے نکلا
تیرے دیوانوں کا بھی لشکر آج
کس تجمّل سے ، شان سے نکلا
مڑ کے دیکھا تو میں نے کب دیکھا
دور جب پاسباں سے نکلا
وہ ہلے لب تمھارے وعدے پر
وہ تمھاری زباں سے نکلا
اس کی بانکی ادا نے جب مارا
دم مرا آن تان سے نکلا

میرے آنسو کی اس نے کی تعریف
خوب موتی یہ کان سے نکلا

ہم کھڑے تم سے باتیں کرتے ہوئے
غیر کیوں درمیان سے نکلا

ذکر اہلِ وفا کا جب آیا
داغ اُن کی زبان سے نکلا

١٦

میرے بخت سیہ نے کام کیا
صبحِ محشر کو بھی جو شام کیا

بے گنہ تو نے قتلِ عام کیا
واہ! شاباش! خوب کام کیا

قبر پر اس نے جب خرام کیا
بے نشانی نے میرا نام کیا

ہو کے مایوس شادکام ہے دل
اس نکمّے نے خوب کام کیا

حور کے نام سے ہے رشک تمہیں
ہم نے جب ہی کو سلام کیا

پھر وہی ذکرِ غیر ہوتا ہے
پھر وہی آپ نے کلام کیا

دل پریشان ہو کے نکلا تھا
کیا خبر کس جگہ قیام کیا

میرے شکووں میں گزری وصل کی شب
اس نے باتوں میں دن تمام کیا

آتے آتے یہاں نزاکت سے
کہیے کس کس جگہ مقام کیا
کوئی عاشق نہ ہو کہ سنتے ہیں
اس نے آزاد اک غلام کیا
رات دن تیری پردہ داری نے
تجھ کو رسوائے خاص و عام کیا
پائمالوں کے دل سے پوچھ ذرا
تو نے کیا کیا دمِ خرام کیا
یہ بھی اعجاز ہے کہ اس بت نے
دہنِ تنگ سے کلام کیا
پینے والوں سے قرض کب اترا
کب ادا ہم نے دام دام کیا
مے کدے میں وظیفہ پڑھ پڑھ کر
ختم ہم نے مہِ صیام کیا
رہنے بھی دے یقین ہے مجھ کو
تو نے قاصد ادا پیام کیا
آج کیوں باغ باغ ہے صیّاد
کس کو اس نے اسیرِ دام کیا
ہم نہ کہتے تھے سب کہیں گے حال
نہ کیا ہم نے یا تمام کیا
مسکراہٹ لبوں کی کہتی ہے
غیر سے آپ نے کلام کیا
آنے پاتا نہیں کوئی عاشق
خوب محفل کا انتظام کیا

یاد تھی اُس کے مصحفِ رخ کی
ہم نے قرآن یوں تمام کیا

حق تعالیٰ کی یہ عنایت ہے
داغؔ کو خادمِ نظام کیا

۱۷

زلف نے دل اسیرِ دام کیا
بال باندھا مجھے غلام کیا

عشق بازی میں دل نے کام کیا
لاکھوں کاموں کا ایک کام کیا

ابھی حجّت تمام بھی نہ ہوئی
تو نے قصّہ مرا تمام کیا

ہوش آتے ہی بن گیا سفّاک
یہی اُس نے شروع کام کیا

زلف موئے کمر میں اُلجھی ہے
خوب عنقا اسیرِ دام کیا

بندہ پرور ہی جب نہ تو ٹھہرا
بندگی کو تری سلام کیا

بخشیے بخشیے کہ میں بے قصور
جو نہ کرنا تھا، لا کلام کیا

سب نے جانا کہ ہم سے کہتا ہے
اُس نے جب ایک سے کلام کیا

اس سے کیا فائدہ دکھا کے جھلک
حشر برپا جو زیرِ بام کیا

مٹتے مٹتے مٹانے والوں میں
تیرے نقشِ قدم نے نام کیا

تیری تصویر تھی تصور میں
آج آنکھوں کا دل نے کام کیا

جور نے، ظلم نے، تغافل نے
تم کو کس کس نے نیک نام کیا

رات تجھ سے کرے تو ہم حالیں
جس نے اللہ سے کلام کیا

کسی بے درد کا مقام ہے یہ
درد نے دل میں کیوں مقام کیا

آ گئے اور بھی حسین دل میں
تم نے گھر کا نہ انتظام کیا

بھیج کر خط یہ مجھ کو آیا رشک
اس نے قاصد سے کیوں کلام کیا

تو نے صیاد غم کھلا کے مجھے
آب و دانہ مرا حرام کیا

داغ نے تم سے کی وفاداری
اور دشمن کا تم نے نام کیا

۱۸

بد مستیِ شباب میں فکرِ مآل کیا
ایسے میں سوجھتا ہے حرام و حلال کیا

مل جائے مفت، ہے یہ تمھارا خیال کیا
دل کو سمجھ لیا کسی مردے کا مال کیا؟

آتا نہیں زبان پہ حرفِ سوال کیا
اتنی سی بات کا تمھیں اتنا ملال کیا

سکتہ نہ حسن کو دیکھ کے ہو وہ حال کیا
آئینے کو تو دیکھیے ہے اُس کا حال کیا

آ کر یہاں بندھا ہے تمھیں یہ خیال کیا
ہوگا غمِ فراق میں دشمن کا حال کیا

بعد فنا بھی چین مجھے دوگے یا نہیں
تم نے بنا لیا مرے ماتم میں حال کیا

وہ چپکے چپکے کہتے ہیں وقتِ خرامِ ناز
آ جائے گی ہر ایک کو یہ چال ڈھال کیا

یہ بھی ہے کوئی بات کہ محشر اٹھائیے
آیا ہے تم کو بیٹھے بٹھائے خیال کیا

دشنام دے رہے ہیں وہ عرضِ وصال پر
اُن کا جواب کیا ہے، ہمارا سوال کیا

گو ہاتھ ٹوٹ جائیں، زباں قطع ہو، مگر
ہوگی ادا نہ آنکھ سے طرزِ سوال کیا

پیرِ مغاں سے آپ ملے تھے جناب شیخ
فرمائیے تو ہے مرے مرشد کا حال کیا؟

ہو آئیے تو حضرتِ واعظ یہ جانیے
جنت کا حال کیا ہے، جہنم کا حال کیا

مدت کے بعد آئے تو دو چار دن رہو
جاتا رہے گا چار گھڑی میں ملال کیا

کچھ ہوائیاں ہمیں نظر آتی ہیں خیر ہے
رکھتا تھا تم نے غیر کے رانو پہ گال کیا؟

دو چار سوچ لیجیے پہلو جواب کے
کچھ آپ سہل سمجھے ہیں میرا سوال کیا

دل مانگتے نہیں مجھے محتاج جان کر
سچ ہے کرے فقیر سے کوئی سوال کیا

دیکھیں، مہِ صیام میں یہ چاند عید کا
ساقی کے ناخنوں میں نہیں ہے ہلال کیا

آ کھڑا ہے دم مرا تو یہ حکمت ہے چارہ گر
دل پر سے اڑ نہ جائے گی گردِ ملال کیا

اک آن میں بدلتی ہے اس کا رہے خیال
کیا چاہیں آپ، ہے مری نیت کا حال کیا

انساں آرزو ترے ملنے کی کیا کرے
امکان میں نہ ہو تو نہیں ہے محال کیا

کچھ کچھ نگاہ شرم میں تیزی بھی چاہیے
دل ہوگا ایسی کند چھری سے حلال کیا

یہ کیا کہا کہ تجھ کو تو ناحق کا رشک ہے
میرے رقیب کر گئے سب انتقال کیا

تھم تھم کے چلیے تیزیِ رفتار ہے بری
کوئی ہوا کی چال سے ہو پائمال کیا

پتھر کے بت کو لاکھ بنائے کوئی حسیں
جب جان ہی نہیں تو وہ حسن و جمال کیا

کھولا جو خط مرا تو سیاہی چھپک گئی
گھبرا کے لکھ دیا انہیں حرفِ وصال کیا

کھٹکا ہوا ہوں روز کا برتاؤ دیکھ کر
یہ ڈھنگ ہیں تمھارے تو لطفِ وصال کیا

مدت کے بعد ہم سے ملے ہو، کہو تو کچھ
پیدا کیا ہے اتنے دنوں میں کمال کیا
انساں کیا فرشتہ تو پہچان لے مجھے
باقی رہے گی حشر میں تغییر حال کیا
کہنے لگے وہ داغ کی وحشت کو دیکھ کر
دیکھے تو کوئی اس نے بنایا ہے حال کیا

۱۹

اشارہ اس نگہ کا روح افزا ہو نہیں سکتا
کہ جادوگر سے اعجازِ مسیحا ہو نہیں سکتا
وہ دنیا تھی کہ ہم کو دیکھ کر تم منہ چھپاتے تھے
یہ محشر ہے یہاں عاشق سے پردا ہو نہیں سکتا
عوض دل کے وہی دینا پڑے گا ان کو جو مانگوں
وہ جھگڑا کر نہیں سکتے، یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا
شکایت دوست کر سکتے ہیں تیری، کر نہیں سکتے
کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے، ایسا ہو نہیں سکتا
الٰہی کیا قیامت میں ہے کی دادخواہوں پھر
وہ فرماتے ہیں کیا دعوے پہ دعوا ہو نہیں سکتا
جوانی کے ہیں دن کر لو وفا لے لو دعا ہم سے
موافق ہر زمانے میں زمانا ہو نہیں سکتا
زہے قسمت کہ اس نے وصل کی شب مہرباں ہو کر
کیا احساں ایسا جس کا بدلا ہو نہیں سکتا
پڑا تھا غیر کی گردن میں کیا کچھ ہم سے تو کہیے
یہ کیسا درد ہے، کیوں ہاتھ سیدھا ہو نہیں سکتا

بگڑ جاتی ہے عادت ، بےوفائی آ ہی جاتی ہے
تمہارا ہو کے پھر یہ دل ہمارا ہو نہیں سکتا

گئے وہ اٹھ کے پہلو سے تو یہ کہتے گئے مجھ سے
ذرا سا صبر کر لو ، تم سے اتنا ہو نہیں سکتا

ہمیں بھی نامہ بر کے ساتھ جانا تھا بہت چوکے
نہ سمجھے ہم کہ ایسا کام تنہا ہو نہیں سکتا

محبت آدمی سے آدمی کو ہو ہی جاتی ہے
جو کر رکھے تو کیا کوئی کسی کا ہو نہیں سکتا

عجب حیرت میں ہوں کیوں کر بتاؤں میں زمانے میں
کہ ہو سکتا ہے تجھ سا اور تجھ سا ہو نہیں سکتا

الٰہی کیوں غمِ فرقت میں ہم مر مر کے جیتے ہیں
کہ دنیا میں تو کوئی مر کے زندا ہو نہیں سکتا

لیا تھا دیکھنے کو دل انھوں نے ، اب نہیں دیتے
مرا یہ حال ہے مجھ سے تقاضا ہو نہیں سکتا

مرے پاسِ وفا کی کاش تم مقدار ٹھہرالو
کہ اتنا مجھ سے ہو سکتا ہے ، اتنا ہو نہیں سکتا

بگاڑے سے تو بن جاتے ہیں سب اپنے بھی بیگانے
بنا لینے سے کیا بیگانہ اپنا ہو نہیں سکتا

ہوئے ناآشنا ایسے کہ تم سے اب مرے حق میں
بُرا بھی ہو نہیں سکتا جو اچھا ہو نہیں سکتا

ادا تیری ادا کیا کر سکے گا حرف رو کوئی
ستم بھی تو زمانے سے نرالا ہو نہیں سکتا

محبت میں پڑے ہیں ایسے ایسے پیچ آ آ کر
کہ اپنی زندگی میں طے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

ہم اُن کی آتشِ فرقت میں جل جائیں کہ مر جائیں
کسی صورت کلیجا آپ کا ٹھنڈا ہو نہیں سکتا
سوالِ وصل پر آئے داغ دل کی رہ گئی دل میں
کہا سن پھر کر ظالم نے "ایسا ہو نہیں سکتا"

۲۰

وصل میں جھوٹی تسلی کے سوا کیا ہوگا
بہت اچھا، بہت اچھا، بہت اچھا ہوگا
دل افسردہ کا جب حال بیاں اُن سے کیا
پھول کو مل کے کہا ہاتھ میں "یسا ہوگا"
نگہِ شوق کی خواہش کو سمجھ لو دل میں
ورنہ دوچار گھڑی بعد تقاضا ہوگا
تم کسی کے نہ ہوئے ہو، نہ کسی کے ہو گے
دل کسی کا نہ ہوا ہے، نہ کسی کا ہوگا
خوبیاں داغ کی جب اُس نے سنیں سن کے کہا
کیا غرض ہم کو، وہ اپنے لیے اچھا ہوگا

۲۱

چلے گی داورِ محشر کے آگے دوبدو کیا کیا
کہوں گا تجھ کو میں کیا کیا، کہے گا مجھ کو تو کیا کیا
ہوئے ہیں عشق میں عشاق رسوا چار سو کیا کیا
مٹی ہے آبرو والوں کی اس میں آبرو کیا کیا
یہ ہے شوقِ شہادت دیکھتے ہی شکل قاتل کی
مری رگ رگ سے دیکھو پھوٹ نکلا ہے لہو کیا کیا

کسی کے ناز نے مارا ہے مجھ کو یہ علامت ہے
رہے گی قبر پر میری بہارِ ناز ہو کیا کیا
نہ کہتے ہی بن آتی ہے نہ رکھتے ہی بن آتی ہے
ہمارے دل ہی دل میں بھر رہی ہے آرزو کیا کیا
وہ بے کس ہوں کہ چلا جب پی پلا کر بزمِ ساقی سے
مرا دامن پکڑنے کو بڑھا دستِ سبو کیا کیا
کوئی جلسہ نہیں چھٹتا ، کوئی محفل نہیں چھٹتی
کیا کرتے ہیں ہم پھر پھر کے اس کی جستجو کیا کیا
جو تو ہو مہرباں سب مہرباں ہوں یہ مثل سچ ہے
ہمارے دوست ہیں کئی دن سے عدو کیا کیا
دمِ رخصت جگایا مجھ کو دامن کی ہوا دے کر
بجھا ہے صبح ہوتے ہی چراغِ آرزو کیا کیا
جفا بھی کرتے جاتے ہیں وہ ڈر کر پوچھتے بھی ہیں
مرے شکوے کرے گا داورِ محشر سے تو کیا کیا
وہ کہتے ہیں کہ اس میں خون کی دو چار بوندیں ہیں
کھلائے گا ہمیں مہماں رکھ کر دل میں تو کیا کیا
کبھی گر مل گئی مے تشنگی میں ایک چلو بھی
بڑھا ہے چلوؤں میرے بدن میں پھر لہو کیا کیا
نمازیں عالمِ مستی میں ہم نے ساتھ زاہد کے
ادا کیں باوضو کیا کیا ، پڑھی ہیں بے وضو کیا کیا
شہیدوں کے لیے دیتا ہے اے قاتل یہی زیور
ترے شمشیر و خنجر ہوتے ہیں زیبِ گلو کیا کیا
تپش سے ، درد سے ، نالوں سے فرقت میں نہیں فرصت
مزے لیتا ہے دل کیا کیا ، جگر کیا کیا ، گلو کیا کیا

الٰہی عاشقی میں ہم بڑے تقدیر والے ہیں
مٹے ہیں خوش گلو کیا کیا، چنے ہیں خوبرو کیا کیا

دراندازوں کے کہنے پر نہ جاؤ تم، وہ کہتے ہیں
ہمارے روبرو کیا کیا، تمھارے روبرو کیا کیا

کوئی جائے تو کیا جانے کہ یہ ہیں راز کی باتیں
رہی ہے دل ہی دل میں میری اُن کی گفتگو کیا کیا

رہی ہے داغ پر کیسی عنایت شاہ آصف کی
نکالی آرزو کیا کیا، بڑھائی آبرو کیا کیا

ردیف بائے فارسی

۲۲

سرورِ ہر دوسرا ہے بخدا کون؟ کہ آپ
شافعِ روزِ جزا ہے بخدا کون؟ کہ آپ

ہادیٔ راہ خدا ہے بخدا کون؟ کہ آپ
کعبے کا قبلہ نما ہے بخدا کون؟ کہ آپ

یا نبیؐ آپ پہ اللہ نے بھیجی ہے درود
لائقِ صلّ علیٰ ہے بخدا کون؟ کہ آپ

انبیاؑ جتنے ہوئے صاحبِ رتبہ ہی ہوئے
سب سے رتبے میں سوا ہے بخدا کون؟ کہ آپ

آپ کے نام کا لینا ہے شفا کا باعث
دردمندوں کی دوا ہے بخدا کون؟ کہ آپ

صبرِ ایوبؑ بھی تھا گریۂ یعقوبؑ بھی تھا
کانِ تسلیم و رضا ہے بخدا کون؟ کہ آپ

اللہ اللہ رے کیا شان ہے محبوبی کی
اور محبوبِ خدا ہے بخدا کون؟ کہ آپ

آپ کے دم ہی سے تھی بات قمِ عیسیٰ کی
خضر کا راہ نما ہے بخدا کون ؟ کہ آپ
یا محمدؐ مری کشتی کو لگا دیجیے پار
ناخدا بہرِ خدا ہے بخدا کون ؟ کہ آپ
سببِ کن فیکون آپ ہی کی ذات ہوئی
باعثِ ارض و سما ہے بخدا کون ؟ کہ آپ
آپ کے ہاتھ میں ہے عقدہ کشائی اس کی
داغ کا عقدہ کشا ہے بخدا کون ؟ کہ آپ

ردیف تائے قرشت

۲۳

نظر میں چھ گئی اس گل عذار کی صورت
یہ پھول بھی تو کھٹکتا ہے خار کی صورت
دکھائی حشر کو اس پردہ دار کی صورت
یہ تو نے کیا مرے پروردگار کی صورت
یونہی جو سینے پہ ہوگی ابھار کی صورت
یہ سیب پھٹ نہ پڑیں گے انار کی صورت
طبیعت ان کی لڑکپن سے تھی جفا کی طرف
الف بھی لکھتے تھے مکتب میں دار کی صورت
خوشی سے کہتے ہیں یہ بھی مرا ہی عاشق تھا
وہ دیکھتے ہیں نئی جس مزار کی صورت
وہ آنکھ غیرتِ نرگس، وہ پھول سے رخسار
وہ کس بہار کا نقشہ بہار کی صورت
کیے ہیں حضرتِ زاہد نے خم کے خم خالی
بنا کے آئے ہیں اب روزہ دار کی صورت

اشارہ ہے مری جانب سے اب تو (کذا)
بنا کے بھیجی ہے خط میں مزار کی صورت
ستم سریک ہوا کون ایک لطف کے ساتھ
بدل گئی ستمِ روزگار کی صورت
تمھارے حسن کی لینی ہے داد آئنے سے
کہ اس نے دیکھی ہے اچھی ہزار کی صورت
وہ میں ہوں سوختہ قسمت کہ میرے گلشن میں
چلی نسیم دمِ شعلہ بار کی صورت
کہا جو میں نے انھیں بدگماں تو کہتے ہیں
نکالیے آپ مرے اعتبار کی صورت
جھٹک جھٹک کے وہ دامن کو اپنے دیکھتے ہیں
مٹی مٹی مرے مُشتِ غبار کی صورت
پسند کیوں نہ ہو بجلی کا کوندنا آپ کو
تڑپ رہی ہے دلِ بے قرار کی صورت
ہمارے ساتھ تم آئینہ دیکھو خلوت میں
جو چاہتے ہو نظر آئے چار کی صورت
نکل رہے ہیں مرے دل کے شعلے مرقد سے
مزار بھی ہے چراغِ مزار کی صورت
یہ کس قدر مرے صیّاد کو ہے استغنا
شکار کر کے نہ دیکھی شکار کی صورت
مجھے نہ حشر میں پہچانتا، جو برسوں تک
نہ بھولے دیکھی ہوئی ایک بار کی صورت
جنابِ داغ کی توبہ کا پھر ٹھکانا کیا
نظر جب آئے بتِ بادہ خوار کی صورت

ردیف رائے مہملہ

۲۴

بیان کس سے کروں ماجرائے دردِ جگر
جگر کو تھام کے کہتا ہوں ہائے دردِ جگر

وہ بیٹھیں کاش کبھی میرے دہنے پہلو میں
اسی علاج سے تسکین پائے دردِ جگر

مرے طبیب کو مشکل پہ سخت مشکل ہے
دوائے سوزشِ دل ، پھر دوائے دردِ جگر

کسے دماغ کے احسان چارہ گر کے اُٹھائے
یہی تو موت ہے بس انتہائے دردِ جگر

تمھارے دستِ تسلی سے دردِ دل جو مٹے
تمھارے قدموں پہ مجھ کو لٹائے دردِ جگر

اس انجمن میں اگر جم کے بیٹھ بھی جاؤں
ہزار مرتبہ اُٹھ کر اُٹھائے دردِ جگر

جو دردِ دل میں گرفتار تھا ترا بیمار
وہ رفتہ رفتہ ہوا مبتلائے دردِ جگر

ہمارے منہ کو کلیجا اسی دم آتا ہے
اُسے سناتے ہیں جب ماجرائے دردِ جگر

کسے نصیب ہو ایسا مقام رہنے کو
مرے جگر پہ نہ کیوں لوٹ جائے دردِ جگر

زمیں غزل کی یہ ہے داغ ! یا شفاخانہ
سنا نہ کان سے ہم نے سوائے دردِ جگر

۲۵

مضطرب ہوں کبھی گھر میں کبھی مضطر باہر
اندر اندر کبھی پھرتا کبھی باہر باہر

فتنہ گر سینے میں دل اور وہ دلبر باہر
یہ قیامت ہے مری جاں پہ اندر باہر

دل بے تاب پہ تم دستِ تسلی رکھ دو
مجھ کو ڈر ہے نہ نکل جائے تڑپ کر باہر

بھر گیا اُن کا مکاں روز کی تحریروں سے
بے پڑھے پھینک دیا شوق کا دفتر باہر

داغِ دل، زخمِ جگر دیکھ لیں وہ ساتھ کے ساتھ
کاش دونوں ہی نکل آئیں برابر باہر

بے قراری کے ہیں مضمون بہت اے قاصد
خط لفافے سے نہ اُڑ جائے نکل کر باہر

اہلِ جنّت پہ کرے عشق قیامت برپا
آئے دوزخ سے جو اک دن کو وہ کافر باہر

جلوہ بے باک جو ہوتا ہے تو کب چھپتا ہے
بجلیاں کوندتی ہیں پردے کے اندر باہر

غیر نے اس کا یہاں بھی نہیں پیچھا چھوڑا
کردے محشر سے اسے داورِ محشر! باہر

خون سینے کا مرے دل پہ جھلک آتا ہے
عشق کی چوٹ اُبھر آتی ہے اکثر باہر

صدمۂ ہجر قیامت ہے الٰہی توبہ!
روح پھرتی ہے مری قبر سے باہر باہر

۲۵

صبح سے شام اس امّید میں ہو جاتی ہے
منہ نکالیں گے وہ غرفے سے مقرّر باہر

مدّعا یہ ہے کہ مشتاق سر اپنا پھوڑیں
گھر سے وہ پھینک دیا کرتے ہیں پتھر باہر

گل کو کیا رتبہ ہے نازک بدنی سے اُس کی
جو کبھی اوس میں بیٹھے نہ گھڑی بھر باہر

شکوۂ غیر پر اُس نے جو کیے عذر بہت
نہ ہوا جیبِ خجالت سے مرا سر باہر

دیکھتے ہی مجھے محفل میں اُنھیں تاب کہاں
خود کھڑے ہو گئے کہتے ہوئے باہر باہر

سرۂ یار سے حیرت نہ ہو کیوں کر مجھ کو
کہ یہی دل میں مرے ہے یہی خنجر باہر

دل لگی ہو تو کہیں داغ کا دل بھی بہلے
اُس کو یکساں ہے جدائی میں تری گھر باہر

۲۶

بے قراری سے کہاں تک پھروں اندر باہر
تو ہی پہلو سے نکل جا دلِ مضطر باہر

پھرتے بیٹھے ہیں وہاں غیروں کے اندر باہر
روز ہم پھر کے چلے آتے ہیں باہر باہر

دل تو کیا مال ہے سر دینے کو حاضر ہو جائے
حکم سے تیرے نہیں عاشقِ مضطر باہر

عشق کا حکم ہے دل ہی میں رہے فوجِ الم
چھاؤنی چھائے نہ اس طرح کا لشکر باہر

آج دیکھا جو صنم خانے کو زاہد نے کہا
نہ گیا ہند سے اس کا کوئی پتھر باہر

نہیں ملتا مرے پہلو میں ٹھکانا دل کا
ڈھونڈ مارا نگہ یار نے اندر باہر

ہم اسیروں کو حرم کیا ہے کدھر آئی بہار
نکہت گل بھی پھرا کرتی ہے باہر باہر

اب تو در تک بھی نہیں ضعف سے ہم جاسکتے
وہ گئے دن جو لگا آتے تھے چکر باہر

اعتبار آپ کو نہیں اپنے بھی دربانوں کا
خود ٹہلتے ہوئے دیکھا انہیں اکثر باہر

اس نے ٹھکرا کے مری قبر کو جھنجلا کے کہا
حشر کے روز نکل آئے گا کیونکر باہر

آئینہ رویوں کو دیکھے ترے کوچے میں اگر
نہ ہو اس آئنہ خانے سے سکندر باہر

نشۂ آب شہادت مجھے دو رکھتا ہے
اپنے دم سے ہے نہ تلوار، نہ خنجر باہر

غیر پر غصہ دلانا نہیں اس وجہ سے میں
اپنے جامے سے نہ ہو جائے وہ دلبر باہر

آج کیا ہے جو نکلوائے گئے گھر سے رقیب
اور دربانوں سے پھکوادیے بستر باہر

میں سراپا ہوں خجالت پس مردن یارو
پاؤں باہر ہوں کفن سے، نہ مرا سر باہر

آخر انسان ہیں گھبرا گئے مشتاقوں سے
اب رہا کرتے ہیں وہ شہر سے اکثر باہر

تاک کر خط وہ لیے تیر و کماں بیٹھے ہیں
مارا مارا مرا پھرتا ہے کبوتر باہر

بے وفا سارے حسینانِ وطن ہیں اے داغ
آزمائیں گے کہیں اپنا مقدّر باہر

۲۷

پھر شبِ غم نے مجھے شکل دکھائی کیوں کر
یہ بلا گھر سے نکالی ہوئی آئی کیوں کر

کٹ سکے سختی ایامِ جدائی کیوں کر
غیر کو آئے الٰہی مری آئی کیوں کر

تو نے کی غیر سے کل میری برائی کیوں کر
گر نہ تھی دل میں تو لب پر ترے آئی کیوں کر

نہ کہوں گا، نہ کہوں گا، نہ کہوں گا ہرگز
جا کے اُس بزم میں شامت مری آئی کیوں کر

کھل گئی بات جب اُن کی تو وہ یہ پوچھتے ہیں
منہ سے نکلی ہوئی ہوتی ہے پرائی کیوں کر

دادخواہوں سے وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تو سنیں
ہو گے تم حشر میں سب مل کے دہائی کیوں کر

تم دل آزار و ستم گر نہیں میں نے مانا
مان جائے گی اسے ساری خدائی کیوں کر

ناگہاں شکوۂ بیداد تو کر بیٹھے ہم
اب یہ ہے فکر کریں اُن سے صفائی کیوں کر

آب میں بھی تو رہی آتشِ تر کی تیزی
آگ پانی میں یہ ساقی نے لگائی کیوں کر

اللہ اللہ بتوں کو ہے یہ دستِ قدرت
اُن کی مٹھی میں رہی ساری خدائی کیوں کر

وہ یہاں آئیں ، وہاں غیر کا گھر ہو برباد
اس طرح سے ہو صفائی میں صفائی کیوں کر

مجلسِ وعظ کو دیکھا تو کہا رندوں نے
ہوگی اس بھیڑ کی حت میں سمائی کیوں کر

آئنہ دیکھ کے وہ کہنے لگے آپ ہی آپ
ایسے اچھے کی کرے کوئی برائی کیوں کر

کثرتِ رنج و الم سب کے یہ الزام ملا
اتنے سے دل میں ہے اتنوں کی سمائی کیوں کر

اس نے صدقے میں کیے آج ہزاروں آزاد
دیکھیے ہوتی ہے عاشق کی رہائی کیوں کر

داغ کو مہر کہا اشک کو دریا ہم نے
اور پھر کرتے ہیں چھوٹوں کی بڑائی کیوں کر

داغ کل تک تو دعا آپ کی مقبول نہ تھی
آج منہ مانگی مراد آپ نے پائی کیوں کر

۷۸

سکتہ ہے مجھ کو کوچۂ دل دار دیکھ کر
دیوار بن گیا در و دیوار دیکھ کر

دیکھا نہ اور کچھ رخِ دلدار دیکھ کر
آنکھیں سفید ہو گئیں رخسار دیکھ کر

لگتی ہے آگ جوشِ خریدار دیکھ کر
جلتا ہوں تیری گرمیِ بازار دیکھ کر

آنکھیں چرا رہے ہیں وہ ہر بار دیکھ کر
ہشیار ہوگئے مجھے ہشیار دیکھ کر

ٹھوکر بڑی راہِ عشق میں کھانی ضرور ہے
چلتا نہیں ہوں راہ کو ہموار دیکھ کر

آئیں نہ کاش میری عیادت کے واسطے
ڈر جائیں گے وہ صورتِ بیمار دیکھ کر
آئندہ حسنِ یار خدا جانے کیا کرے
دو چار سن کے مر گئے ، دو چار دیکھ کر
تم بھی دکھا کے تابشِ رخسار خوش ہوئے
یا میں ہی غش ہوں جلوۂ دیدار دیکھ کر
ہر دل عزیز ہونے کی کھائیں یہی تو ہیں
دیکھا مجھے بھی جانبِ اغیار دیکھ کر
مجھ بادہ کش کے واسطے کوثر میں کیا بچا
جی بجھ گیا ہے مجمع مے خوار دیکھ کر
جی چاہتا ہے جس کو کہوں خاک چارہ گر
دیتا ہے کون خواہشِ بیمار دیکھ کر
جب ہاتھ کو ہو مشق تو سر تاکتا ہے کون
مشّاق کب لگاتے ہیں تلوار دیکھ کر
دم کھچ کے آگیا ہے مری چشمِ شوق میں
قاتل کھچی ہوئی تری تلوار دیکھ کر
کس بانکپن سے کوئے حسیناں میں ہے گزر
چل نکلے ہم بھی آپ کی رفتار دیکھ کر
افسوس جنسِ دل کی نہ کچھ ہم نے قدر کی
کرنا تھا مول چشمِ خریدار دیکھ کر
ہوگی ہماری کثرتِ عصیاں ہی سے نجات
آئے گا اس کو رحم گنہ گار دیکھ کر
دے دو فلک کو رکھ لو قیامت کے واسطے
تقسیم کردو فتنۂ رفتار دیکھ کر

دل میں نہیں ہے کینہ الٰہی تو وجہ کیا
کیوں دیکھتے ہیں مجھ کو وہ تلوار دیکھ کر
اب تاک جھانک کا بھی مرا ضعف سے گیا
آنسو بھر آئے روزنِ دیوار دیکھ کر
اب گردشِ فلک کا طریقہ ہی اور ہے
آنکھیں کھلیں رسالے کی رفتار دیکھ کر
کٹتی ہے بحرِ یار میں اوقات اس طرح
کوئی کتاب یا کوئی اخبار دیکھ کر
معشوق کا اگرچہ ہے شیوہ ستم گری
لیکن ڈرے بھلے کو مرے یار دیکھ کر
احباب کوسے یار سے کیا لائیے داغ کو
وہ تو پھسل پڑا در و دیوار دیکھ کر

۲۹

ہمہ تن داغ ہیں عشاقِ پُر ارمان دو چار
ان کی محفل میں یہ ہیں سرو چراغاں دو چار
نظر آتے نہیں دس بیس میں انسان دو چار
تو دکھا دے ہمیں اے گردشِ دوراں دوچار
ایک دل، اس میں کھٹکتے ہوئے ارماں دو چار
لاکھ تیروں کے برابر ہیں یہ پیکاں دو چار
جانے پائے گا نہ کوئی تمھیں ہوگا یہ ثواب
تم بٹھانا درِ دوزخ نہ بھی دربان دو چار
سخت حال کیسے وہ عاشق تھے الٰہی توبہ
کہ گزاری ہیں جنھوں نے شبِ ہجراں دوچار

عشق کھلنے ہی لگا ، دیکھیے کیا ہوتا ہے
اشک آنے ہی لگے تا سرِ مژگاں دو چار

بد نصیبوں کی جراحت کے یہ کام آئیں گے
شور بختی ہے مری بھر لو نمک داں دو چار

دشتِ وحشت سے ہے اک معرکہ ہونے والا
باندھ لوں گوشۂ دامن میں گریباں دو چار

خوب رویوں کے دہن خضر نے کب دیکھے ہیں
روز ملتے ہیں ہمیں چشمۂ حیواں دو چار

دل لگے گا ترے دیوانوں کا جنت میں کہاں
مول لے لیں جو ملیں اُن کو بیاباں دوچار

اس سے کیا بڑھ کے نتیجہ ہے وفاداری کا
میرے دس بیس ہیں خواہاں ترے خواہاں دوچار

چشم کو ناز ہوا گل یہ کھلائے میں نے
اشکِ پُرخوں جو ہوئے زیبِ گریباں دو چار

ایک عاشق کو وہ الزام اگر دیتے ہیں
خود بخود ہوتے ہیں سن سن کے پشیماں دو چار

دلِ آشفتہ کا مذکور ہے یا قصّۂ زلف
جمع ہو جاتے ہیں جس وقت پریشاں دو چار

آتے آتے وہ رقیبوں سے نہ اُلجھے ہوں کہیں
کہ لیے آتے ہیں مٹھی میں گریباں دو چار

آپ کے گھر میں فرشتے تو نہیں نازل تھے
ہمیں بدلے ہوئے بیٹھے تھے جو مہماں دوچار

ذرے ذرے سے عیاں ایک پریشانی ہے
کیا تری راہ سے گزرے ہیں پریشاں دو چار

سینکڑوں طالبِ دیدار وہاں جائیں تو کیا
روک لیتے ہیں ہزاروں کو بھی درباں دو چار

اُن کو اندیشہ ہے پھر جی نہ اٹھیں میرے شہید
پھیرے کر لیتے ہیں تا گورِ غریباں دو چار

لڑ ہی جاتی ہے کہیں آنکھ، برا لپکا ہے
ساتھ میرے بھی رہیں اُن کے نگہباں دو چار

ہوگئی دیکھیے کیسی مری میت ہلکی
دل سے نکلے ہیں دمِ مرگ جو ارماں دو چار

حضرتِ داغ سے چھٹتا ہی نہیں بت خانہ
چل کے سمجھائیں انہیں آج مسلماں دو چار

۳۰

وہ ہوئے مہربان دشمن پر
ٹوٹ پڑے آسمان دشمن پر

جان اُس بے وفا کو ہم نے دی
جس کی جاتی ہے جان دشمن پر

اپنی پہچان کو قیامت میں
کیجیے کچھ نشان دشمن پر

بہت اچھی ہے آپ کی تلوار
کیجیے امتحان دشمن پر

لوگ کہتے ہیں کیا؟ سنو تو سہی
جھک پڑا اک جہان دشمن پر

کس کی محفل میں یہ ہوئی عزت
کیا برستی ہے شان دشمن پر

تم نے بھی کچھ سنا ؟ کہ ہے چرچا
غش ہے اک نوجوان دشمن پر

اب برسنے لگے وہ ہم پر بھی
کھل گئی ہے زبان دشمن ، ؟

داغ تم دل کو دوست سمجھے ہو
دوستی کا گمان دشمن پر ؟

۳۱

ہر بات شب ِ سحر رہی ذہن نشین اور
وہم اور ، خیال اور ، گمان اور ، یقین اور

میت بھی ہماری نہ رہی کوچے میں ان کے
وہ کہتے ہیں رکھو اسے لے جا کے کہیں اور

ہم ایک کے پابند ِ محبت نہیں ہوتے
ہے رنگ طبیعت کا کہیں اور ، کہیں اور

تلوار تھا دل کے لیے ابرو کا اشارہ
ہے نوز چھری اس پہ تری چین ِ جبین اور

آرام تہ ِ خاک مجھے خاک نہ ہوگا
پیدا جو نہ ہوگی مرے مدفن کی زمین اور

دنیا کو کیے دیتے ہیں دونوں تہ و بالا
اللہ ! بنا ایک فلک ، ایک زمین اور

وہ کون سی خوبی ہے جو دنیا میں نہیں ہے
کیا کون و مکاں کے ہے سوا خلد ِ برین اور ؟

وحشت نہ ہو جا کر کہیں جنت میں الٰہی
ہے آب و ہوا اور ، مکاں اور ، مکین او

مشکل ہے کہ میں منزلِ مقصود کو پہنچوں
بڑھ جاتی ہے تاثیر سے قلموں کی زمیں اور

انسان نہ فرشتہ نہ بنے گا کبھی واعظ
یہ فرش نشیں اور ہے، وہ عرش نشیں اور

قبضہ کیے بیٹھے ہیں مرے گھر پہ یہ کہہ کر
مل جانے کی بدلے میں زمیں تجھ کو کہیں اور

کچھ حسرتِ دیدار پہ موقوف نہیں تھا
ارمان رہا مجھ کو دمِ بازپسیں اور

دل دوسرا دینے کے لیے لاؤں کہاں سے
اے داغ وہ کہتے ہیں یہ درکار نہیں، اور

۳۲

یارب ہوں بہت تنگ، بدل چرخ و زمیں اور
یا پھینک دے دنیا سے نکلوا کے کہیں اور

صورت کو تری دیکھ کے یاد آتی ہے اس کی
آنکھوں میں مری پھرتی ہے اک شکلِ حسیں اور

مسجد سے ہیں بت خانے کے انداز نرالے
در اور ہے، سر اور ہے، سنگ اور، جبیں اور

زخمِ دلِ مجروح میں زلفوں نے بھرا مشک
چھڑکے گا نمک اس پہ وہ حسنِ نمکیں اور

اللہ کا گھر کعبے کو سب کہتے ہیں لیکن
دیتا ہے پتا اور، وہ ملتا ہے کہیں اور

حوروں کی تمنا نہیں اے حضرتِ واعظ
ہم تاک میں جس کی ہیں وہ ہے پردہ نشیں اور

امید شفاعت ہے مجھے روزِ قیامت
ارمان نہیں اس کے سوا اے شہِ دیں اور

یہ در ہے یہ سر لے یہیں ہم جان بھی دیں گے
کیا جائیں گے مرنے کے لیے اٹھ کے کہیں اور

وہ آج بدلتے ہیں لیا سنگِ در اپنا
سجدے کے لیے چاہیے مجھ کو بھی جبیں اور

ہوتے ہیں بہت دفن گرانبارِ محبت
اک شاخ نکالیے کی نئی گورِ زمیں اور

غصّہ ہے بری چیز ، برا کہنے سے اُس کو
روکا اگر اک بات پہ ، سو اُس نے کہیں اور

مجھ کو نہیں ملتا ، نہیں ملتا ، نہیں ملتا
بہتر ہے تمہیں ڈھونڈ دو اپنا سا حسیں اور

خوش ہیں کہ وہاں خاک میں ملنے کے نہیں ہم
دنیا کی زمیں اور ہے ، محشر کی زمیں اور

اس وہم سے وہ داغ کو مرنے نہیں دیتے
معشوق نہ مل جائے اسے زیرِ زمیں اور

٣٣

نازکی سے قدم اپنا وہ اُٹھائیں کیوں کر
میرے دل میں اگر آئیں بھی تو آئیں کیوں کر

دیکھ کر مجمعِ عشاق وہ بولے ڈر کر
مجھ کو چھوڑیں گی الٰہی یہ بلائیں کیونکر

نہ ہیں ناوک نہ ہیں برچھی نہ کٹاری نہ چھری
دل میں چبھتی ہیں وہ نظریں ، یہ ادائیں [illegible]

ہم کو آتے ہیں جو اندازِ وفا ، کیا حاصل
وہ نہیں سیکھتے ہم اُن کو سکھائیں کیوں کر

مست کے ہاتھ لگے چیز تو کب چھٹتی ہے
دل کو چھوڑیں تری مستانہ ادائیں کیوں کر

دل ہی پہلو میں نہیں بوسے کی قیمت کیا دیں
مال جب پاس نہ ہو ، مول لگائیں کیوں کر

غیر بھی ساتھ ہی سائے کی طرح رہتے ہیں
اپنی آنکھیں ترے قدموں میں بچھائیں کیوں کر

جور کے واسطے ہے تاب و تواں بھی درکار
ہو کے نازک وہ مرے دل کو ستائیں کیوں کر

شام سے فکر ہمیں صبحِ شبِ وصل کی ہے
وہ اگر جائیں تو ہم آپ میں آئیں کیوں کر

عمر کا اپنی گھٹانا تو بہت آسان ہے
غصہ بڑھ جائے تمھارا تو گھٹائیں کیوں کر

کچھ ٹھکانا بھی ہے اس بے سر و ساماں کا
کس طرح کون سے دن اُن کو بلائیں کیوں کر

چھیڑ سے وہ تو خفا ہو گئے اب فکر یہ ہے
کہ منا کر انھیں ہم عید منائیں کیوں کر

وعدہ سچا ہی سہی یہ تو بتا دو ہم کو
ہم تمھیں حشر کے دن ڈھونڈ کے پائیں کیوں کر

تجھ کو دنیا کی نہیں فکر ، سمجھ اے واعظ
دل لگی کی ہے جگہ دل نہ لگائیں کیوں کر

کیفیت خوابِ پریشاں کی نہ پوچھو ہم سے
کس کو دیکھا ہے کہاں ، نام بتائیں کیوں کر

بعد میرے وہ رقیبوں میں بہل جائیں گے
یاد آئیں گی انھیں میری وفائیں کیوں کر

مہربانی تو کرو، پھر یہ تماشا دیکھو
جو وفادار ہیں کرتے ہیں وفائیں کیوں کر

رازِ دل گر نہ کہیں اپنی زباں سے نہ کہیں
مُہرِ ہم چشمِ سخن گو پہ لگائیں کیوں کر

مہرباں ہو کے ستمگر وہ ہوئے جاتے ہیں
پھیر لیں عرش سے ہم اپنی دعائیں کیوں کر

اک نظر دیکھتے ہی آن کو گئے ہوش و حواس
کھوئے جاتے ہوں جو ایسے انھیں پائیں کیونکر

توبہ کرتے ہیں کہیں ایسی طبیعت والے
حضرتِ داغ قسم عشق کی کھائیں کیوں کر

ردیف فا

۳۴

ذرا سی دیر دو امتحان کی تکلیف
اٹھاؤ میرے لیے ایک آن کی تکلیف

بیان کیسے کریں اپنی جان کی تکلیف
ہماری جان پہ ہے اک جہان کی تکلیف

تمھاری بزم میں بھولے سے میں چلا آیا
کرو نہ میرے لیے بھول پان کی تکلیف

وہ ماجرائے شبِ ہجر سن کے روئے بہت
ذرا سی میں نے جو اپنی بیان کی تکلیف

تری نگہ نے دل تنگ میں جگہ کی ہے
دیکھی جائے گی اِس میہمان کی تکلیف

تمام رات آسے کس لیے جگاتے ہو
تمھیں ہے مدِّ نظر پاسبان کی تکلیف
حضور دیں گے تمھیں چند روز میں اے داغ
اٹھاؤ اور کوئی دن مکان کی تکلیف

ردیف لام

۳۵

جب ترے دل سے اتر جاتا ہے دل
جیتے جی کم بخت مر جاتا ہے دل
یاس ہوتی ہے تو مر جاتا ہے دل
میں سمجھتا ہوں ٹھہر جاتا ہے دل
کون سا آرام پایا آج تک
کیا کروں ، جانے اگر جاتا ہے دل
ان پری رویوں کی صورت دیکھ کر
آدمیّت سے گزر جاتا ہے دل
جب سماتا ہے ترا اس میں غرور
اپنے آپ سے گزر جاتا ہے دل
راہ میں کعبہ بھی ہے ، بت خانہ بھی
دیکھیے لے کر کدھر جاتا ہے دل
غیر پر پڑنے لگی آنکھ آپ کی
لیجیے جلدی خبر ، جاتا ہے دل
کیا بتاؤں جستجوے یار میں
چھوڑ کر مجھ کو کدھر جاتا ہے دل
برچھیاں کھا کر ادا و ناز کی
سینکڑوں میں نام کر جاتا ہے دل

کھینچتے ہیں وہ تو چشمِ یاس سے
دیکھتا مجھ کو اُدھر جاتا ہے دل
کس کی نبھتی ہے ہمیشہ رسم و راہ
چار دن میں داغ بھر جاتا ہے دل

۳۶

گلگشت میں جو دیکھے ہیں گل پیرہن کے پھول
پھولے نہیں سماتے خوشی سے چمن کے پھول
گل چیں کے ہاتھ آئے عروسِ چمن کے پھول
یارب کسے نصیب ہوئے اس دلھن کے پھول
کھل جائیں آنکھیں دیکھتے ہی اس چمن کے پھول
رضواں کو ہم دکھائیں جو باغِ دکن کے پھول
وہ خوش ہوئے جو کانوں میں اپنے پہن کے پھول
اترا رہے ہیں یاسمن و نسترن کے پھول
جھڑتے ہیں پھول منہ سے تری بات بات میں
ان کو سخن کے پھول کہوں یا چمن کے پھول
کہسار میں بہار جو ہے لالہ زار کی
یہ بن گئے ہیں خونِ سرِ کوہ کن کے پھول
حسرت ہے یہ نہ کیوں دلِ افسردہ جا ملا
دیکھے جو اِسی ہار میں اُس گل بدن کے پھول
اُس گل بدن کی یاد دلانے کے واسطے
شب کو ستارے بن گئے چرخِ کہن کے پھول
جھوکا تھا ہائے بادِ خزاں کا کہ قہر تھا
نکہت کے ساتھ اُڑ گئے سارے چمن کے پھول

حوروں کو میں سنگھاؤں کا باغِ بہشت میں
رکھنا مرے کفن میں کچھ اس انجمن کے پھول

نظروں میں تولتے ہیں اسی وجہ سے آنھیں
ہوتے ہیں عضو ہر بتِ نازک بدن کے پھول

کیا گل کھلائے ہیں تری تیغِ نگاہ نے
زخمِ جگر بہار دکھاتے ہیں بن کے پھول

تلوے فگار دیکھ کے کانٹوں سے بارہا
غربت میں یاد آئے ہیں باغِ وطن کے پھول

گل گشت کو جو باغ میں جائے وہ رشکِ گل
بلبل بھی اس پہ صدقے کرے سب چمن کے پھول

انسان خودرو ہوں تو حوروں سے کم نہیں
یہ اِس چمن کے پھول ہیں وہ اُس چمن کے پھول

دامن بھریں گے آن سے فرشتے بھی واعظو
طوبیٰ کے کیا کریں جو ہوے لاکھ من کے پھول

اے عندلیب گل یہ خوشی ہے، نہ یہ بہار
غافل نہ آج رنگ یہ رنگینیِ چمن کے پھول

سیبِ ذقن حسینوں کے، پھر اُس پہ گل سے گال
کس روپ کے ثمر ہیں یہ، کیسی پھبن کے پھول

دنیا سے لے گیا ہوں یہ داغِ آرزو
بڑھ کر ہیں میری قبر سے اندر کفن کے پھول

گل ہائے نخلِ طور کی نہ ریف اس قدر
ہاں ہوں گے جیسے ہوتے ہیں نخل کہن کے پھول

میرے مرشکِ خوں کی نہ کیوں کر بہار ہو
یہ دل کی لاگ کے ہیں، یہ دل کی لگن کے پھول

۹۱

کیسی سدا بہار حسینوں کی ہے بہار
کس داغ کے بہال ہیں یہ کس چمن کے پھول

گلبن بنا دیا تن مجروح کو مرے
سوفار لال لال ہیں ناوک فگن کے پھول

وہ رند پاک مشرب و صاف نہاد ہوں
آتی ہے دُرد بھی مرے ساغر میں بن کے پھول

اُس رشک گل کو دیکھ کے ایسا اُڑا ہے رنگ
گویا ہوئے ہیں لالہ و گل یاسمن کے پھول

روشن ستارے چادرِ شب میں ہیں نقرئی
تیرے دوپٹے میں یہ سنہری کرن کے پھول

مسجد میں آرہی ہے یہ خوشبو جو دل فریب
لایا ہے کوئی بت کدۂ برہمن کے پھول

اے داغ روشنی ہے خدا داد طبع میں
بجھتے نہیں ہیں میرے چراغِ سخن کے پھول

۳۷

وہ ہم نہیں تو رہا کون سے حساب میں دل
کہاں سے لائیں جو تھا عالمِ شباب میں دل

ازل کے روز سے کم بخت ہے عذاب میں دل
خدا نے مجھ کو دیا تھا بڑے عتاب میں دل

پڑا ہے بے خبرِ تسلی سے اضطراب میں دل
قصور آنکھ کا تھا، آگیا عذاب میں دل

ہمارے شوقِ شہادت کی یوں کھچے تصویر
اِدھر جواب میں خنجر اُدھر جواب میں دل

اُلھے جو صبح کو سینے پہ ہات رکھتے تم
تڑپتا لوٹتا دیکھا ہے کوئی خواب میں دل

یکایک آتے ہی آنے جو رک گئے آنسو
نہ آگیا ہو کہیں دیدۂ پُر آب میں دل

وہ دل لگی بھی کوئی دل لگی ہے جس میں رہے
نہ اضطراب میں دلبر، نہ اضطراب میں دل

پلادی مل کے کسی چشمِ مست نے ایسی
ہمیشہ چور رہا نشۂ شراب میں دل

کہا مرا دلِ پُر داغ دیکھ کر اُس نے
یہ آفتاب ہے دل میں کہ آفتاب میں دل

ہزار وہم بندھے ایک ان کے وعدے سے
عجیب طرح کا ہے آج پیچ و تاب میں دل

وہ آنکھ چور ہے ایسی، چرا کے لے جائے
چھپا ہوا ہو اگر سیکڑوں حجاب میں دل

مزا تو جب ہے کہ یوں سامنے کی چوٹیں ہوں
نہ ہو حجاب میں دلبر، نہ ہو حجاب میں دل

تجھے خبر نہیں دل چیز کیا ہے اے ناصح
ترے فرشتوں نے دیکھا نہ ہوگا خواب میں دل

ستم اُٹھائے، مصیبت اُٹھائی، غم کھائے
خراب حال رہا ہستیِ خراب میں دل

خدا کے واسطے پہلو میں میرے آ بیٹھو
نکل نہ جائے کہیں جوشِ اضطراب میں دل

کسی کی شوخ طبیعت جو یاد آتی ہے
تو دیکھ لیتے ہیں ہم فرطِ اضطراب میں دل

لگی ہوئی ہے کچھ ایسی کہ بجھ نہیں سکتی
نہیں عذابِ جہنم سے کم عذاب میں دل

آئے وہیں وہ دل آزار چاک کرتا ہے
جو دیکھ لیتا ہے رکھا کسی کتاب میں دل

گھرا ہے دودِ جگر یا ہے ابر روزِ فراق
تڑپ رہی ہے یہ بجلی کہ ہے سحاب میں دل

وہ بزم ناز ہے، جانا وہاں سنبھل کر داغ
وگرنہ بات سے جائے گا اضطراب میں دل

ردیف م

۳۸

غم سے کہیں نجات ملے چین پائیں ہم
دل خوں میں نہائے تو گنگا نہائیں ہم

جنت میں جائیں ہم کہ جہنم میں جائیں ہم
مل جائے تو کہیں نہ کہیں تجھ کو پائیں ہم

جورِ فلک میں خاک بھی لذت نہیں رہی
جی چاہتا ہے تیری جفائیں اٹھائیں ہم

ڈر ہے نہ بھول جائے وہ سفاک روزِ حشر
دنیا میں لکھتے جاتے ہیں اپنی خطائیں ہم

ممکن ہے یہ کہ وعدے پر اپنے وہ آ بھی جائے
مشکل یہ ہے کہ آپ میں اس وقت آئیں ہم

ناراض ہو خدا تو کریں بندگی سے خوش
معشوق روٹھ جائے تو کیوں کر منائیں ہم

سر دوستوں کے کاٹ کے رکھتے ہیں سامنے
غیروں سے پوچھتے ہیں قسم کس کی کھائیں ہم

کتنا ترا مزاج خوشامد پسند ہے
کب تک کریں خدا کے لیے التجائیں ہم

یہ اور کوئے یار کا چکر زہے نصیب
لیتے ہیں اپنے پاؤں کی اکثر بلائیں ہم

لالچ عبث ہے دل کا تمھیں وقت واپسیں
یہ مال وہ نہیں کہ جسے چھوڑ جائیں ہم

تاثیر کو سلام کریں دونوں ہاتھ سے
جس وقت اپنے ہاتھ دعا کو اٹھائیں ہم

سونپا تمھیں خدا کو چلے ہم تو نامراد
کچھ پڑھ کے بخشنا جو کبھی یاد آئیں ہم

سوزِ دروں سے اپنے شرر بن گئے ہیں اشک
کیوں آہِ سرد کو نہ پتنگے لگائیں ہم

یہ جان تم نہ لو گے اگر آپ جائے گی
اس بے وفا کی خیر کہاں تک منائیں ہم

ہمسائے جاگتے رہے نالوں سے رات بھر
سوئے ہوئے نصیب کو کیوں کر جگائیں ہم

جلوہ دکھا رہا ہے وہ آئینۂ جمال
آتی ہے ہم کو شرم کہ کیا منہ دکھائیں ہم

مانو کہا جفا نہ کرو تم وفا کے بعد
ایسا نہ ہو کہ پھیر لیں الٹی دعائیں ہم

دشمن سے ملتے جلتے ہیں خاطر سے دوست کی
کیا فائدہ جو دوست کو دشمن بنائیں ہم

تو بھولنے کی چیز نہیں خوب یاد رکھ
اے داغ کس طرح تجھے دل سے بھلائیں ہم

۳۹

جس وقت آئے ہوش میں کچھ بے خودی سے ہم
کرتے رہے خیال میں باتیں اسی سے ہم
ناچار تم ہو دل سے تو مجبور جی سے ہم
رکھتے ہو تم کسی سے محبت، کسی سے ہم
پوچھے نہ کوئی ہم کو نہ بولیں کسی سے ہم
کنجِ لحد میں جاتے ہیں کس بے کسی سے ہم
نقشِ قدم پہ آنکھیں ملیں مل کے چل دیے
کیا اور خاک لے گئے تیری گلی سے ہم
یوسف کہا جو اُن کو تو ناراض ہو گئے
تشبیہ اب نہ دیں گے کسی کو کسی سے ہم
ہوتا ہے پھر ضرور خوشی کا مآل رنج
رونے لگے اخیر زیادہ خوشی سے ہم
سنتے ہیں آنسوؤں سے بجھائیں گے ہم تجھے
یہ دل لگی بھی کرتے ہیں دل کی لگی سے ہم
کے دن ہوئے ہیں ہاتھ میں ساغر لیے ہوئے
کس طرح توبہ کر لیں الٰہی ابھی سے ہم
ہم سے چھپے کا عشق یہ کہنے کی بات ہے
کیا کچھ بری بھلی نہ کہیں گے کسی سے ہم
معشوق کی خطا نہیں عاشق کا ہے قصور
جب غور کر کے دیکھتے ہیں منصفی سے ہم
دشمن کی دوستی سے کیا قتل دوست نے
دعویٰ کریں گے خون کا اب مدعی سے ہم

واعظ خطا معاف کہ انسان ہم تو ہیں
بن جائیں گے فرشتہ نہ کچھ آدمی سے ہم

جس کو نہیں نصیب، بڑا بد نصیب ہے
کھاتے ہیں تیرے عشق کا غم کس خوشی سے ہم

خلوت گزیں رہے ہیں تصور میں اس قدر
معلوم ہوں گے حشر میں بھی اجنبی سے ہم

اس کا گواہ کون ہے یارب ترے سوا
مرتے ہیں ہجرِ یار میں کس بے کسی سے ہم

غیروں سے التفات پہ ٹوکا تو یہ کہا
دنیا میں بات بھی نہ کریں کیا کسی سے ہم

مانوس ہو نشاط و سرور و خوشی سے تم
حسرت سے ہم، ملال سے ہم، بے کسی سے ہم

کرتے ہیں ایسی بات کہ کہہ دے وہ دل کی بات
یوں مدعا نکالتے ہیں مدعی سے ہم

دل کچھ اچاٹ سا ہے ترے طور دیکھ کر
وہ بات کر کہ پیار کریں تجھ کو جی سے ہم

عادت بری بلا ہے یہ چھٹتی نہیں کبھی
دنیا کے غم اٹھاتے ہیں کس کس خوشی سے ہم

وعدہ کیا ہے اس نے قیامت میں وصل کا
اپنا وصال چاہتے ہیں تو ابھی سے ہم

کرتے ہیں اک غرض کے لیے اس کی بندگی
بن جائیں گے غلام نہ کچھ بندگی سے ہم

ان تک ہوئی ہو غیر سے اس کی خدا کرے
سنتے ہیں لاگ ڈانٹ کسی کی کسی سے ہم

دل گیر اِس قدر ہیں کہ جا جا کے باغ میں
دل کو ملا کے دیکھتے ہیں ہر کلی سے ہم
کہتے ہیں وہ ستم میں ہمارے ہے خاص لطف
یہ دشمنی بھی کرتے ہیں اک دوستی سے ہم
واقف رموزِ عشق و محبت سے داغ ہے
ملتا اگر تو پوچھتے کچھ اُس ولی سے ہم
کم بخت دل نے داغ کیا ہے ہمیں تباہ
عاشق مزاج ہو گئے آخر اسی سے ہم

۴۰

ملے شباب میں ہر ایک گُل بہار سے ہم
لٹے بہار کے موسم میں کس بہار سے ہم
کہا جو تم نے ملیں گے وفا شعار سے ہم
وفا شعار فقط ہیں اس اعتبار سے ہم
نہ چھیڑو ہم کو نہیں آج کل قرار سے ہم
کہ باہر آپ ہیں اپنے بھی اختیار سے ہم
بہت ہیں دل پہ گُلِ داغ عشق دنیا کے
خدا کے سامنے جائیں گے اس بہار سے ہم
خدا کرے کہ نہ آئیں وہ فاتحہ پڑھنے
تڑپ تڑپ کے نکل آئیں گے مزار سے ہم
وہ جاں نثار ہیں محشر میں بھی تمہارے لیے
لڑیں ہزار سے کیا بلکہ سو ہزار سے ہم
ہزار حشر ہوں برپا تو کیا کہ قصد یہ ہے
نہ آئیں وہ تو نہ اٹھیں کبھی مزار سے ہم

فرشتے داغ کہ پر ہنسیں گے روزِ جزا
نہ دھوئیں گے جو یہاں چشمِ اشکبار سے ہم
وہ یاد ہم کو ہے اب تک شراب کی تعریف
کبھی ملے تھے کسی رندِ بادہ خوار سے ہم
وہ بات ہے کہ نہ ہو جس میں کوئی مجبوری
وہ کام ہے جو کریں اپنے اختیار سے ہم
کیے جو ضبط تھے آنسو، بجھی نہ دل کی لگی
جلے ہوئے ہیں بہت چشمِ اشک بار سے ہم
لگا کے ماتھے پہ چمکائیں گے نصیب اپنا
چنیں گے ذرے بہت خاکِ کوئے یار سے ہم
وفا اور وفادار پھر یقین اس کا
مٹے ہوئے ہیں ترے رنگِ اعتبار سے ہم
وہ بدگمان ہے کہ ہوتا ہے ناگوار اسے
شبیہ اس کی بھی گر دیکھتے ہیں پیار سے ہم
کچھ اور وجہ نہیں ترکِ عشق کی اے داغ
کریں گے توبہ مگر شرمِ روزگار سے ہم

۴۱

دماغ کیوں نہ کریں نکہت بہار سے ہم
بسے ہوئے ہیں کسی زلفِ مشک بار سے ہم
یہ نازِ عشق ہے، کہتے ہیں افتخار سے ہم
جو تم ہزار سے اچھے تو سو ہزار سے ہم
نہ ہو جو قدرِ وفا پھر کہاں کا استقلال
ملے تو لے لیں تلون مزاج یار سے ہم

کسی کا صدمہ دل اپنا اُٹھا نہیں سکتا
لپٹ کے روتے ہیں دشمن کے بھی مزار سے ہم

زباں کھلے جو شکایت پہ ایک تم کیا ہو
ہزار میں بھی نہ چوکیں کبھی ہزار سے ہم

تمھارے لطف کا کیا لطف جب ستم ہو شریک
یہی ہے پیار تو باز آئے ایسے پیار سے ہم

یہ بات بزمِ عدو میں ہمیں ہوئی حاصل
کہ دور بیٹھے رہے چپ گناہ گار سے ہم

خدا کے قہر سے اتنا کوئی نہیں ڈرتا
ہوئے ہیں خوف زدہ جتنے تیرے پیار سے ہم

نہیں ہے ہوشِ نظر حب سے شعلہ رو کوئی
تو آنکھیں سینکتے ہیں آہِ شعلہ بار سے ہم

گیا بھی اُڑ کے تو کوچے رقیب کی جانب
غبار رکھتے تھے اُس راہ کے غبار سے ہم

چمن کو بلبلِ بے تاب نے نہ یوں چھوڑا
وطن کو چھوڑ کے آئے جس اضطرار سے ہم

ہمیں تھے وہ کہ بٹھاتے تھے لوگ آنکھوں پر
گرے ہیں عشق میں اب چشمِ اشک بار سے ہم

گھرا ہوا تھا حسینوں کی بزم میں شب کو
بچا کے لائے ہیں دل سخت لوٹ مار سے ہم

رقیب تم کو مبارک رہے ، حبیب ہمیں
اُدھر قرار سے تم ہو ، اِدھر قرار سے ہم

عجب ترنگ میں تھا ، ہائے رے لٹک اُس کی
ملے تھے راہ میں کل داغِ بادہ خوار سے ہم

ردیف نون

۴۲

دھمکیاں وہ تو ہمیں روزِ جزا دیتے ہیں
ہم دہائی تری یا یارِ خدا دیتے ہیں

لب سے دشنام تو وہ دل سے دعا دیتے ہیں
گھول کر زہر مجھے آبِ بقا دیتے ہیں

وہ یہ عشّاق پہ الزام لگا دیتے ہیں
دل ہمیں دے کے یہ کس دل سے دعا دیتے ہیں

دیکھیے بعدِ فنا یاد رہوں یا نہ رہوں
فاتحہ میری وہ دلواتے ہیں یا دیتے ہیں

قصد کرتے ہیں جو وہ غیر کے گھر جانے کا
بڑھ کے کچھ پاؤں کو ہم ہاتھ لگا دیتے ہیں

مجھ سیہ کار کو لے جاتے ہیں کیوں دوزخ میں
کس خطا پر یہ جہنم کو سزا دیتے ہیں

دیکھ اے چشمِ گہربار ذرا اپنی طرف
دینے والے کہیں کیا گھر کو لٹا دیتے ہیں

دل لگانے میں ذرا لاگ کسی سے تو رہے
ہم تو دشمن کو بھی جینے کی دعا دیتے ہیں

مر گیا غیر مگر آن نو گمان ہے غش کا
نفسِ سرد سے اپنے وہ ہوا دیتے ہیں

طول دینا نہ شبِ وصلِ عدو میں مل کر
تجھ کو اے عمرِ رواں ہم یہ جتا دیتے ہیں

نا گوار اتنی جدائی ہے کہ دل کے دو حرف
لکھ کے ہم خطِ شکستہ میں ملا دیتے

ایسے پامالوں کے مر مٹنے پہ رشک آتا ہے
جن کو مٹی مرے نقشِ کفِ پا دیتے ہیں

دم چراتے ہیں کہیں جان کے دینے والے
آنکھ لڑتے ہی یہاں جان لڑا دیتے ہیں

بات کرتے ہیں خوشی کی بھی تو اک رنج کے ساتھ
وہ ہنساتے بھی ہیں ایسا کہ رلا دیتے ہیں

میں نے مانگا جو کبھی دور سے دل ڈر ڈر کر
اس نے دھمکا کے کہا "پاس تو آ، دیتے ہیں"

آ کے بازارِ محبت میں ذرا سیر کرو
لوگ کیا کرتے ہیں کیا لیتے ہیں کیا دیتے ہیں

لے چلے مجھ کو وہ یہ کہہ کے سوئے گورستاں
چل تجھے آج ٹھکانے سے لگا دیتے ہیں

نامہ‌ٔ شوق کا اس پیچ سے دیتے ہیں جواب
خط وہ میرے خطِ قسمت میں ملا دیتے ہیں

ہم پشیمان ہوں جا کر تو یہ قسمت اپنی
وہ وہیں ملتے ہیں جس گھر کا پتا دیتے ہیں

پاسبانوں کو مرے طالعِ خفتہ دے دوں
جانتا ہوں کہ وہ سوتوں کو جگا دیتے ہیں

اس کو کہتے ہیں یہی باد ہوائی ہے جواب
خط کے پرزے مری جانب وہ اڑا دیتے ہیں

پھول سے گال عبث رکھتے ہو تم زیرِ نقاب
تازگی کے لیے پھولوں کو ہوا دیتے ہیں

یہ تبرک کا بہانہ ہے کہ لے لے کے رقیب
چٹکیوں ہی میں مری خاک اڑا دیتے ہیں

کعبے والوں نے تو اے داغ دیا صاف جواب
اہلِ بت خانہ ہمیں دیکھیے کیا دیتے ہیں

۴۳

آدم سے دڑھ کے رتبۂ کرّوبیاں نہیں
مغرور اس سے ہے کہ زمیں آسماں نہیں

تم شہرتِ جہاں سے کس جا کہاں نہیں
میں اضطرابِ دل سے جہاں ہوں وہاں نہیں

نکلا نہ حوصلا ہے تو لطفِ فغاں نہیں
افسوس ایک وقت میں سو آسماں نہیں

دنیا میں آدمی کو مصیبت کہاں نہیں
وہ کون سی زمیں ہے جہاں آسماں نہیں

کس طرح جان دینے کے اقرار سے پھروں
میری زبان ہے یہ تمھاری زباں نہیں

اے موت تو نے دیر لگائی ہے کس لیے
عاشق کا امتحاں ہے ترا امتحاں نہیں

ہاں شکوۂ فراق کا موقع ہے وصل میں
اس وقت پر رکی تو ہماری زباں نہیں

گستاخ اس کی چشم سخنگو ہے کس طرح
نازک کسی کی آنکھ کے اندر زباں نہیں

مرقد میں مجھ کو خانۂ تاریک قبر ہے
منکر نکیر آئیں اگر قصہ خواں نہیں

تنہا بھی جب رہے تو وہ رہتے ہیں ہوشیار
خود اپنے پاسباں ہیں اگر پاسباں نہیں

محشر میں ہوگا داورِ محشر سا دادگر
اندھیر جو یہاں ہے وہ ہرگز وہاں نہیں

ایسا خط اُن کو راہ میں ملتا ہے روز ایک
جس میں کسی کا نام کسی کا نشاں نہیں

دل کو جو دیکھیے گا نظر آہی جائے گا
چاہِ ذقن کچھ آپ کا اندھا کنواں نہیں

غیروں کا اختراع و تصرّف غلط ہے داغ
اُردو ہی وہ نہیں جو ہماری زباں نہیں

۴۴

موت زندہ چھوڑنے والی نہیں
اس بلا سے کوئی گھر خالی نہیں

رنج سے کوئی گھڑی خالی نہیں
دل کو حاصل فارغ البالی نہیں

بات تیری پیچ سے خالی نہیں
عمر بھر ہم نے مگر ٹالی نہیں

ہم نے دیکھی چشمِ نرگس بھی مگر
یوں نشیلی ، ایسی متوالی نہیں

دل کی تھی فریاد ضربِ عشق سے
کیا جرس نے گھڑیال گھڑیالی نہیں

چلتے ہو محوت سے تم پھولوں کے بل
یہ تو پوری طرزِ پامالی نہیں

کیوں شبِ غم میں نہ میں دیکھوں عذاب
اُس کی زلفوں کی طرح کالی نہیں

کیوں خفا ہوتے ہو پوری سن تو لو
عرضِ حاجت ہے کوئی گالی نہیں

جاؤ دل دے کر بھی دیتا ہوں دعا
پست میری ہمتِ عالی نہیں

زلف کیوں رخ پر رہے بن کر نقاب
مہرباں یہ حال ہے، حالی نہیں

لے گیا ہے دل وہی دُزدِ نگاہ
کیا ہوا گر چور اقبالی نہیں

اے دعائے صبح گاہی المدد
عرش ایسی منزلِ عالی نہیں

بعد مجنوں بھی رہا آزارِ عشق
کوئی حشمت جور سے خالی نہیں

تم ستا کر اس کو خوش ہوتے رہے
کیا یہ عاشق کی خوش اقبالی نہیں

کیا سمجھتے ہو تم اپنے آپ کو
خوب رویوں سے جہاں خالی نہیں

ہو گیا خود بیں ہر اک آئینہ گر
یہ ہنر بھی عیب سے خالی نہیں

دے کے دل اس سنگ دل بے مہر کو
ہم نے آفت جان پر کیا لی نہیں

سکتۂ حالی سے ہے لطفِ دہن
گر نہیں حالی تو خوش حالی نہیں

سیدھے سادے ہیں ابھی پیغامِ شوق
وصل کی ہم نے بِنا ڈالی نہیں

جب کہوں پیتا ہوں میں خونِ جگر
وہ کہیں لب پر ترے لالی نہیں

تم نے جادوگر اسے کیوں کہہ دیا
دہلوی ہے داغ ، بنگالی نہیں

۴۵

لوگ دکھ درد بھرتے جاتے ہیں
اپنی کرنی وہ کرتے جاتے ہیں

عمر کے دن گزرتے جاتے ہیں
جیتے جی ہم تو مرتے جاتے ہیں

وہم اُن کو گھورتے جاتے ہیں
ہٹتے جاتے ہیں ڈرتے جاتے ہیں

لڑتی جاتی ہے غیر سے بھی آنکھ
مجھ سے بھی بات کرتے جاتے ہیں

مشک بھر دے خیالِ زلف اے کاش
دل کے کچھ زخم بھرتے جاتے ہیں

کیسا ڈھٹائی ہے وہ شکایت پر
اُلٹے الزام دھرتے جاتے ہیں

تم سلامت رہو تمھیں غم کیا
مرنے عاشق جو مرتے جاتے ہیں

کام بگڑے ہوئے تھے سب اپنے
ہارے اب کچھ سنورتے جاتے ہیں

عشق یہاں کا اب خدا حافظ
اشک آنکھوں میں بھرتے جاتے ہیں

ہوتی جاتی ہے حسن کی تعریف
عشق کا نام دھرتے جاتے ہیں

مجھ سے ہے بزم میں تغافل بھی
کچھ اشارہ بھی کرتے جاتے ہیں

کہتے جاتے ہیں آپ سب کو برا
اور کہہ کر مکرتے جاتے ہیں

کرتے جاتے ہیں مے کشی بھی داغ
پھر خدا سے بھی ڈرتے جاتے ہیں

۴۶

دل ربا جانتے دل لینے کے فن لاکھوں ہیں
ان کے انداز ہزاروں ہیں، چلن لاکھوں ہیں

تازہ زخموں کی ہے گنتی، نہ کہن داغوں کی
عاشقی میں انھیں پھولوں کے چمن لاکھوں ہیں

عشق کا کام ہے مشکل، نہ ہوا ہے نہ ہے
گرچہ مصروف ہمیشہ ہمہ تن لاکھوں ہیں

چار آنسو مری میت پہ کسی کے نہ گرے
مسکرانے کے لیے غنچہ دہن لاکھوں ہیں

بات وہ بات ہے جو دل میں اتر کر جائے
یوں تو کہنے کے لیے اہلِ سخن لاکھوں ہیں

سرخ رو دیکھیے کس کس کو کرے گا قاتل
سر سے باندھے ہوئے مقتل میں کفن لاکھوں ہیں

کیا حیرانی ہے ترے کوچے میں ان کشتوں کی
جو پڑے خاک میں بے گور و کفن لاکھوں ہیں

یہ سب آثار مری دل شکنی کے قاصد
نامۂ یار کے کاغذ میں شکن لاکھوں ہیں

ناوکِ ناز سے کس کس کو نشانہ نہ کیا
تیرے مارے ہوئے اے تیر فگن لاکھوں ہیں

ایک بھی بات کا پورا نہیں دیکھا معشوق
دل شکن سینکڑوں ہیں، عہد شکن لاکھوں ہیں

خواہشِ وصل کا انجام بُرا ہوتا ہے
اس میں ہے ایک خوشی، رنج و محن لاکھوں ہیں

کیا دکھاتا ہے فلک! چاند کو دو چمکا کر
اس سے بہتر تو یہاں سیم بدن لاکھوں ہیں

داغ دلی سے نکل کر رہے سب کے دل میں
اس غریب الوطنی میں بھی وطن لاکھوں ہیں

۴۷

گزریں نظروں سے ہزاروں گوری کالی صورتیں
اس مرقع کی ہیں اکثر دیکھی بھالی صورتیں

دیکھا دیکھی مری آنکھوں سے کوئی حسن کا
اچھی اچھی دیکھ ڈالیں حسن والی صورتیں

ناز ہو، انداز ہو، خوش خو ہو، خوش اخلاق ہو
کیا کریں ہم لے کے معشوقوں کی خالی صورتیں

ہائے اک اک خوب صورت عالمِ تصویر تھا
پھر نہ پیدا ہوں گی ایسی مٹنے والی صورتیں

بدگمانی کیا بری شے ہے کہ وعدے پر ترے
رات بھر پھرتی ہیں آنکھوں میں خیالی صورتیں

کیا کرے کیا ہو سکے کیوں آدمی گھبرا نہ جائے
پیش آتی ہیں محبت میں نرالی صورتیں

یہ یقیں ہم کو نہیں ، ہوگی وہاں تیری مثال
عالمِ برزخ میں سنتے ہیں مثالی صورتیں

ہم نے پھر کر سیر دیکھی خوب رویوں کی بہت
وہ جنوبی ہیں کہاں جو ہیں شمالی صورتیں

کیا یہ تصویریں بنی ہیں قتلِ عالم کے لیے
تیرے رخ پر کیوں بنائیں دو ہلالی صورتیں

گردشِ افلاک سے اہلِ زمیں کی ہے یہ شکل
ہوتی ہیں دن رات وقفِ پائمالی صورتیں

ان حسینوں کی جدا ہے اپنی اپنی شانِ حسن
کچھ جمالی صورتیں ہیں ، کچھ جلالی صورتیں

ایک دن کیا کیا دکھائیں گی یہ اپنا بانک پن
کم سنی میں جن کی اب ہیں بھولی بھالی صورتیں

عالمِ ہستی نہیں ہے دل لگانے کی جگہ
آنے والی ہوتی ہیں سب جانے والی صورتیں

دیکھتے ہی دیکھتے گزرا طلسمات جہاں
دیکھیے ہیں اور کیا پیش آنے والی صورتیں

عشق بازی میں نئے حاصل ہوئے ہیں تجربے
داغ نے دیکھی ہیں دنیا سے نرالی صورتیں

۴۸

جائے گا عذر آپ کا کہ نہیں
اس نہیں کی بھی ہے دوا کہ نہیں

تو نے مجھ کو برا کہا کہ نہیں
اور کہہ کر مکر گیا کہ نہیں

غیر یوں میرے سامنے بیٹھے
پاس تھا مجھ کو آپ کا کہ نہیں

جب غضب ناک تم کو دیکھیں ہم
ہے قیامت کا سامنا کہ نہیں

کیسی پیاری ہیں وصل کی راتیں
ایسی راتوں میں ہے مزا کہ نہیں

غیر آنے نہ پائے در پہ مرے
تم نے درباں سے کہہ دیا کہ نہیں

بول کر جھوٹ مجھ سے پوچھتے ہیں
جھوٹ میں بھی ہے کچھ مزا کہ نہیں

منتظر ہے ہماری خاک یہاں
اس طرف کی چلی ہوا کہ نہیں

دم نکلتا ہے جان جاتی ہے
بخش دو گے کہا سنا کہ نہیں

نہ گیا جیتے جی ترا عاشق
تیرے قدموں میں دم دیا کہ نہیں

عشق تاثیر کر ہی جاتا ہے
آنکھ ملتے ہی دل ملا کہ نہیں

عالمِ بےخودی میں کیا معلوم
کچھ کہا اس سے مدعا کہ نہیں

غیر کو تم نے جب کیا رخصت
ہاتھ سے ہاتھ بھی ملا کہ نہیں

کہ خدائی کو تم نے گویر لیا
وہ ہمارا بھی ہے خدا کہ نہیں

یا خدا غم اٹھاؤں میں کب تک
رنج کی بھی ہے انتہا کہ نہیں

حشر کے دن ہم ان سے پوچھیں گے
آ گیا سامنے کیا کہ نہیں

داغ کو دیکھ کر وہ کہتے ہیں
یہ مرے گا بھی بے حیا کہ نہیں

۴۹

پھر اسے کوئی لانے گا کہ نہیں
یہ گیا وقت آئے گا کہ نہیں

گر نہ جائے گا وہ بتِ کافر
کوئی جنت میں جائے گا کہ نہیں

منتظر روزِ حشر کے ہیں بہت
کبھی وہ دن بھی آئے گا کہ نہیں

میں جو ڈرتا ہوں کہتی ہے تقدیر
تو غمِ عشق کھائے گا کہ نہیں

بزمِ اعدا میں دیکھیے کوئی
آنکھ ہم سے ملائے گا کہ نہیں

جام پر جام بھر کے اے ساقی
آج لگا لگائے گا کہ نہیں

فرق عشق و ہوس میں ہوتا ہے
جھوٹ سے آزمائے گا کہ نہیں

اے غمِ عشق ہو کے تو مہماں
تین دن بعد جائے گا کہ نہیں

میں جو بیٹھوں گا اُس کی محفل میں
درد اُٹھ کر اُٹھوائے گا کہ نہیں

دم کے جانے پہ حسرت آتی ہے
پھر بھی جا کر یہ آئے گا کہ نہیں

جیتے جی یہ بتا دلِ ناکام
تو کسی کام آئے گا کہ نہیں

اُس تغافل شعار سے پوچھو
میری میت پر آئے گا کہ نہیں

رشک دشمن کا کیا گلہ اے داغ
جلنے والا جلائے گا کہ نہیں

۵۰

عجب عشق دونوں کے پیارے ہوئے ہیں
کہ شہرے ہمارے تمہارے ہوئے ہیں

کہیں آج گھر سے تمہارے ہوئے ہیں
ہوئے ہیں بڑے وارے نیارے ہوئے ہیں

خفا ہو کہ راضی مگر ہم تو عاشق
تمہارے ہوئے ہیں، تمہارے ہوئے ہیں

پیا خونِ دل یا غمِ عشق کھایا
یونہی عاشقوں کے گزارے ہوئے ہیں

کہے دیتی ہے تیری آنکھوں کی شوخی
کسی چلبلے سے اشارے ہوئے ہیں

کہاں کے رہے وہ محبت میں یا رب
سہارے سے جو بے سہارے ہوئے ہیں
نہیں قتلِ عشّاق سے فائدہ کچھ
وہ آپ مصیبت کے مارے ہوئے ہیں
دن اچھے تھے جب تک مرے آشنا تھے
برے وقت میں سب کنارے ہوئے ہیں
مری بات جمتی نہیں اُن کے دل میں
وہ بے شک کسی کے اُبھارے ہوئے ہیں
خبر ہے ہمیں جس سے محفل میں شب کو
نگاہیں لڑی ہیں اشارے ہوئے ہیں
بگاڑے بگڑتے نہیں حسن والے
یہ بندے خدا کے سنوارے ہوئے ہیں
دل اپنا تجھے دے کے دیندار و کافر
پشیمان سارے کے سارے ہوئے ہیں
کہا مجھ سے درباں نے اُن کی خبر لو
بڑی دیر سے وہ سدھارے ہوئے ہیں
یقیں ہے وہ آخر کو کچھ لے رہیں گے
ترے ہاتھ پر دل جو ہارے ہوئے ہیں
کہا داغ سے آنکھ اُس نے ملا کر
ابھی آپ عاشق ہمارے ہوئے ہیں

۵۱

ایسے ہی ہاتھ سے سر اپنا قلم کرتے ہیں
تم سے جو ہو نہیں سکتا ہے وہ ہم کرتے ہیں

سیکڑوں گرچہ ستم ہر وہ ستم کرتے ہیں
لذت جور یہی کہتی ہے کم کرتے ہیں

کیا ہمیں شکوۂ بیداد و ستم کرتے ہیں
جو زمانے نے کیا ہے وہی ہم کرتے ہیں

گر نہ سائل ہوں تو کیونکر ہو سخاوت مشہور
تم پر احسان وہ اے اہل کرم کرتے ہیں

خوب صورت وہ مسیحا ہے ہمارا ایسا
جس پہ ہم صلّ علیٰ پیار سے دم کرتے ہیں

کوچۂ غیر میں بھی مجھ کو دکھا کر آنکھیں
شوخیاں مجھ سے ترے نقش قدم کرتے ہیں

یا صنم بھی کوئی چپکے سے وہاں کہتا ہے
شور لبیک جہاں اہل حرم کرتے ہیں

شکوۂ رنجش معشوق بھی کرتے ہیں کبھی
اپنے ہی دل میں پھر انصاف بھی ہم کرتے ہیں

مجھ کو دھڑکا ہے کہیں قطع تعلق نہ کریں
اب جو ہر بات پہ تکرار وہ کم کرتے ہیں

جب سے لکھّا ہے ترا عشق مری قسمت میں
ناز لکھنے پہ مرے لوح و قلم کرتے ہیں

کیا کہوں کس کو دکھاؤں یہ ادائیں اُن کی
عذر کس شکل سے وہ وقت قسم کرتے ہیں

خوش ہوں میں جب سے سنا ہے وہ ہوئے ہرجائی
میرے گھر دیکھیے کس روز کرم کرتے ہیں

بدگمانی ہے یہاں تک کہ مرے قاصد کا
سر قلم کر کے بھی وہ پاؤں قلم کرتے ہیں

یاد آتے ہیں وہ دن رات کے جلسے ہم کو
اب اسی عیش کا بیٹھے ہوئے غم کرتے ہیں
حضرتِ داغ کی بھی بات ہے دنیا سے نئی
آپ ہی دیتے ہیں دل، آپ ہی غم کرتے ہیں

۵۲

روز کرتے ہو بہانے تمھیں ہم جانتے ہیں
کوئی جانے کہ نہ جانے، تمھیں ہم جانتے ہیں
جھوٹی قسموں کے کہاں تک کوئی دھوکے کھائے
نہیں ایمان ٹھکانے، تمھیں ہم جانتے ہیں
بھولی باتوں میں بھی کرتے ہو ہزاروں گھاتیں
کم سنی میں ہو سیانے، تمھیں ہم جانتے ہیں
کر کے انکار جلایا ہے ہمارے دل کو
آئے تھے آگ لگانے، تمھیں ہم جانتے ہیں
حسن وہ حور و ملک کا ہے نہ یوسف کا جمال
جو بنایا ہے خدا نے تمھیں ہم جانتے ہیں
طالبِ وصل ہوں کیا جان کا اندیشہ ہے
تیغ رکھتی ہے سرہانے تمھیں ہم جانتے ہیں
کرتے ہو بیٹھے اٹھائے بھی قیامت برپا
آتے ہیں فتنے اٹھانے، تمھیں ہم جانتے ہیں
پہلے تو دل کو چرایا ہے بھری محفل میں
پھر لگے آنکھ چرانے، تمھیں ہم جانتے ہیں
عشق حصہ ہے ہمارا اسے تم جانتے ہو
حسن بخشا ہے خدا نے تمھیں ہم جانتے ہیں

کہیں آنکھوں میں بسے ہو، کہیں دل کے اندر
کر لیے خوب ٹھکانے، تمھیں ہم جانتے ہیں
داغ کا قصۂ غم سن کے یہ ظالم نے کہا
یاد ہیں جھوٹے فسانے، تمھیں ہم جانتے ہیں

۵۳

دوسرے کی جو تم کو تاب نہیں
آئنے میں بھی کیا جواب نہیں

تجھ سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں
اے محبت ترا جواب نہیں

ساقیا! تشنگی کی تاب نہیں
زہر دے دے اگر شراب نہیں

کب تری بات انتخاب نہیں
اس نہیں کا مگر جواب نہیں

ہے طبیعت سے آدمی مجبور
دل لگانا کوئی ثواب نہیں

کوئی مرشد وہاں نہ پہنچے ہوں
آج مے خانے میں شراب نہیں

بیٹھے منہ پھیر کر وہ محفل میں
اس سے بڑھ کر کوئی حجاب نہیں

تم ذرا جان کر ہی مجھ کو کس
ہاں تو کہہ دو ذرا جواب نہیں

روز مرتا ہوں روز جیتا ہوں
زندگی کا کوئی حساب نہیں

ہو گیا صبر کیا رقیبوں کا
آج کیوں دل کو اضطراب نہیں

غیر کے گھر وہ کیوں ہوئے ہیں مقیم
کیا جہنم میں بھی عذاب نہیں

آئنہ دیکھ کر کہا اُس نے
آ کے جائے یہ وہ شباب نہیں

روئے کیوں پھوٹ کر فقط اک بار
آبلہ دیدۂ پُر آب نہیں

آ کے مہماں رہو بسو برسوں
تین دن کا کوئی حساب نہیں

کیوں یہ چندھیائی جاتی ہیں آنکھیں
آئینہ ہے کچھ آفتاب نہیں

بات کرنے کا مجھ کو لپکا ہے
بات سننے کی اُن کو تاب نہیں

اپنے دامن کو کیوں بچا کے چلے
ایسی مٹی مری خراب نہیں

مجھ کو ہے طفلِ اشک کا رونا
اُس کی تقدیر میں شباب نہیں

جزو میں کل کو دیکھتے ہیں ہم
کون سا ذرہ آفتاب نہیں

ہو کے تو لاجواب ایسا ہے
واہ قاصد! ترا جواب نہیں

بزمِ دشمن میں داغ کیوں نہ ہوا
آج وہ خانماں خراب نہیں

۵۴

یہ ہوگا روزِ جدائی تمام بھی کہ نہیں
دکھائی دے گی کبھی اس کی شام بھی کہ نہیں

مری طرح سے کرے گا کلام بھی کہ نہیں
پیام بر انہیں دے گا پیام بھی کہ نہیں

طریقِ عشق میں رہ بر کی ہے تلاش مجھے
چلیں گے خضر علیہ السلام بھی کہ نہیں

جواب ہم نہیں سنتے، بتا یہ اے قاصد
ہوا قبول ہمارا سلام بھی کہ نہیں

چلے تو آئے ہیں بھولے سے دیکھیے کیا ہو
وہ تھوڑی دیر کریں گے قیام بھی کہ نہیں

یہ کہہ کے مجھ کو کیا قائل اُن کے درباں نے
وہ اپنے گھر کا کریں انتظام بھی کہ نہیں

مرا نشان زمانہ مٹائے دیتا ہے
جہان میں دیکھیے رہتا ہے نام بھی کہ نہیں

برار خم تو بلا آج مجھ کو پیرِ مغان
کوئی وصول کرے اپنے دام بھی کہ نہیں

جیے جو لاکھ برس بھی کوئی تو کیا حاصل
مریں گے خضر علیہ السلام بھی کہ نہیں

ہمارے صبر پہ کیوں آپ طعنے دیتے ہیں
ہم اپنے دل کی کریں روک تھام بھی کہ نہیں

وہ روزِ ہجر میں تکلیف کیوں نہ دیں مجھ کو
شبِ وصال کا لیں انتقام بھی کہ نہیں

بیان کرو نہ لیاقت رقیب کی ہم سے
لیا ہے اس سے کوئی تم نے کام بھی کہ نہیں

یگانہ ہو کے نہ بیگانہ مجھ سے ہو اے دل
کسی دن آئے گا تو میرے کام بھی کہ نہیں

فسانہ کہنے کو بیٹھا ہوں آپ سے ڈرتا ہوں
تمام رات میں ہوگا تمام بھی کہ نہیں

نہیں ہے کھیل زمانے کی پائمالی کچھ
بڑھائی آپ نے مشقِ خرام بھی کہ نہیں

چلا ہوں اب کے برس بت کدے سے کعبے کو
سنے گا میری کوئی رام رام بھی کہ نہیں

رہے گی تیغ کہاں تک ہماری گردن پر
یہ ہوگی قتل کی حسرت تمام بھی کہ نہیں

یہ داغ قیصر و خاقاں کی کیوں کرے پروا
ہر شاعر ہے شاہِ نظام بھی کہ نہیں

۵۵

طبیعت کو عاشق کہیں روکتے ہیں
مگر کیا کروں ہم نشیں روکتے ہیں

بساز نہ غیروں کو یہ رفتہ رفتہ
تمہاری گلی کی زمیں روکتے ہیں

تری سن کے آمد مریضِ محبت
دم اپنا دمِ واپسیں روکتے ہیں

جو ہوتا ہوں میں جبہہ سا اُن کے در پر
وہ ہو ہو کے چیں بر جبیں روکتے ہیں

ذرا آنکھ ملتے ہی کس کس ادا سے
نظر اپنی یہ نازنیں روکتے ہیں

نہیں کچھ گنہ کافرِ عشق ہونا
مجھے اس سے کیوں اہلِ دیں روکتے ہیں

ترا گھر رقیبوں کا گھر ہو گیا ہے
انھیں تیرے درباں نہیں روکتے ہیں

جنوں سے مرے کیا ہے یاروں کو سودا
پکڑ کر مری آستیں روکتے ہیں

نہیں بات سنتے وہ لگتی لگاتی
بگڑ کر وہیں کی وہیں روکتے ہیں

جو آنسو نہ رکتے تو آتا ہی طوفاں
یہ ندی یہ نالے ہمیں روکتے ہیں

سپر کرکے سینوں کو اے چرخ کیا کیا
ترے وار اہلِ زمیں روکتے ہیں

تمھیں داغ غیروں سے کیوں ملنے دیتا
تری بات سے کیا ہمیں روکتے ہیں؟

۵۶

اس کے عاشق یہی کہہ کہہ کے فدا ہوتے ہیں
ایسے انسان بھی یا ربّ خدا ہوتے ہیں

ہائے دو دل جو کبھی مل کے جدا ہوتے ہیں
نہیں معلوم وہ کیا کرتے ہیں کیا ہوتے ہیں

شبِ غم کچھ نہ ہو تاثیر یہ ممکن ہی نہیں
کہ مصیبت میں تو نالے بھی دعا ہوتے ہیں

اس کی تصویر کی شوخی یہ کہے دیتی ہے
کہیں بے باک بھی پابندِ حیا ہوتے ہیں

کس طرح جائیں گے یہ درد و الم یااللہ
جس قدر ان کو گھٹاتا ہوں سوا ہوتے ہیں

جی میں آئے تو کبھی فاتحہ دلوا دینا
آخری وقت ہے ہم تم سے جدا ہوتے ہیں

قتلِ عاشق سے جہاں عید منا کرتی تھی
اب وہاں ماتمِ اربابِ وفا ہوتے ہیں

غیر کے نقشِ قدم بھی تو ترے کوچے میں
دور سے دیکھتے ہی مجھ کو ہوا ہوتے ہیں

عاجزی کو بھی مری جانتے ہیں دامِ فریب
التجا کرنے سے وہ اور خفا ہوتے ہیں

دیکھیں مسجد ہو کہ مے خانہ ہو پہلے آباد
دونوں دیوار بہ دیوار بنا ہوتے ہیں

یہی تقدیر جو ٹھہری تو چلے کیا تدبیر
ہم بھی لو آج سے راضی بہ رضا ہوتے ہیں

دوست دشمن ہیں سبھی بزم میں دیکھیں کیا ہو
کس سے خوش ہوتے ہیں وہ کس سے خفا ہوتے ہیں

آشناؤں کا ترے حال ہے مانندِ حباب
بحرِ ہستی میں ابھرتے ہی فنا ہوتے ہیں

یہی ہوتے ہیں دل آزار و ستم گر معشوق
یہی بیمارِ محبت کی دوا ہوتے ہیں

پار ہوتی ہیں کلیجے سے نگاہیں ان کی
قدر انداز کے کب تیر خطا ہوتے ہیں

حضرتِ داغ کا یہ حال ہے معشوقوں پر
مال کرتے ہیں فدا جی سے فدا ہوتے ہیں

۵۷

مجھ کو ندائیں آتی ہیں کچھ مانگتا نہیں
اللہ کا ہے گھر ، کسی محتاج کا نہیں

بے وصلِ یار لطف کسی ذات کا نہیں
دنیا میں سب مرے ہیں ہمارا مزا نہیں

حالی شراریوں سے یہ طرزِ حیا نہیں
کیا جانے کوئی دل میں ترے کیا ہے کیا نہیں

ہے آشکار راز تمھارا جہان میں
اس پر نہ جاؤ تم کہ کوئی جانتا نہیں

ناصح نے اونچ نیچ تو سمجھائی ہے بہت
میں اس کو کیا کروں کہ یہ دل مانتا نہیں

کوئی امیدوارِ کرم ہم سا ہو تو لے
مقبول جو نہ ہو وہ ہماری دعا نہیں

آئی تھی گو بہار کھلائے تھے گل ہزار
ہم جس ہوا کو دیکھتے ہیں وہ ہوا نہیں

کیوں جی یہ کیا فراق ہے کیسا وصال ہے
تم مجھ سے ہو جدا مرے دل سے جدا نہیں

کرتے ہو بات بات میں تعریف غیر کی
کہتے ہو مجھ سے تجھ کو مزا بات کا نہیں

کیا مجھ سے پوچھتے ہو مرے دل کا حال تم
اللہ جانتا ہے کہ میں جانتا نہیں

پہلے تو پوچھتا تھا زمانہ ہماری بات
اب ہے یہ حال کوئی ہمیں پوچھتا نہیں

پائے ثبات توڑ کے بیٹھے ہیں اس لیے
اس کا پتہ بتا کہ ہمارا پتا نہیں

آنکھیں مری سفید ہوئیں انتظار میں
ان کو نصیب سایۂ زلفِ رسا نہیں

ہے گرچہ سب کی آنکھ ترے حسن کی طرف
جلوہ یہ کہہ رہا ہے کوئی دیکھتا نہیں

خلوت میں غیر کا ہے تصور مجھے تمھیں
کیوں کر یہ ہو یقیں کوئی دوسرا نہیں

کیا رشکِ قصرِ خلد نہیں ہے ترا مکاں
کیا مثلِ چشمِ حور ترا نقشِ پا نہیں

قرباں اس ادا کے خطائیں نہ کیوں کروں
دھمکا کے پھر کہو مجھے تو جانتا نہیں

مٹ جائے راہِ دوست میں کس طرح داغِ دل
تمغاے عشقِ یار ہے یہ نقشِ پا نہیں

قاتل سے کہہ رہا ہے مرا ہر دہانِ زخم
اے بندۂ خدا تجھے خوفِ خدا نہیں ؟

تم لاکھ امتحان کرو اس سے فائدہ
ہاں ہاں تمھارے ہاتھ سے میری قضا نہیں

کیا الٹے پاؤں آپ گئے کوئے غیر میں
دیکھا تو اس طرف کا کوئی نقشِ پا نہیں

اک داغ رہ گیا ہے سو وہ بھی مٹا سا
دل میں بہار عشق کی اب وہ فضا نہیں

تاثیر سے یہ دست و گریباں ہو کس طرح
دستِ جنوں کی مثل تو دستِ دعا نہیں

چاہا جو تجھ کو داغ نے ایسا ہے کیا قصور
انصاف کر یہ کوئی خطا میں خطا نہیں

۵۸

وہ دور بھی ہیں جب بھی تصور میں قریں ہیں
ہم بے خود و وارفتہ جو ہیں بھی تو نہیں ہیں

اب شرم سے نظریں دری ملنے کی نہیں ہیں
یہ خانہ نشیں، گوشہ نشیں، پردہ نشیں ہیں

آئے بھی ہیں بیٹھے بھی ہیں جاتے بھی نہیں ہیں
مجھ پر یہ کرم آپ کے دمِ بازپسیں ہیں

کیوں کیجیے تحقیق کہ وہ در سرِ کیں ہیں
گر ہیں تو بلا سے ہیں، نہیں ہیں تو نہیں ہیں

محفل کو تری دیکھ کے کھوئے گئے کب کے
ڈھونڈے تو کوئی ہم کو یہاں ہم بھی کہیں ہیں

اچھا ہے اگر آپ کی صفائی تمھیں کر دو
کچھ وہم کی باتیں جو مرے ذہن نشیں ہیں

پہلے تو سمجھتا ہوں کہ ہیں درپۓ آزار
پھر دل میں یہ آتا ہے وہ ایسے تو نہیں ہیں

تم ہم سے کھٹکتے ہو تو ہم تم سے خطرناک
آرام سے آلفت میں تمھیں ہو نہ ہمیں ہیں

ایسا ہے ترے مصحفِ رخسار کا اعجاز
ایمان وہ لاتے ہیں جو غارت گر دیں ہیں

دنیا میں نشیب اور فراز اپنے لیے ہیں
ہم فرشِ زمیں ہیں تو کبھی عرشِ بریں ہیں

دربان کو ملا کر جو پکارا انھیں میں نے
خود کہنے لگے کون ہے ، وہ گھر میں نہیں ہیں

رضواں سے یہ پوچھیں گے درِ خلد میں جا کر
ہم جن کے لیے آئے یہاں وہ بھی کہیں ہیں؟

صیاد نئے بیٹھے ہیں محفل میں وہ گویا
جو خوف سے چھپتے ہیں وہی زیرِ کمیں ہیں

اوروں کو مرے دل میں وہ رہنے نہیں دیتے
آباد وہی گھر ہے جہاں چار مکیں ہیں

سجدے سے درِ یار کے چمکی ہے یہ قسمت
کچھ خاک کے ذرے جو سرِ زیبِ جبیں ہیں

ہم شکل ترا کوئی بھی دیکھا نہیں جانا
ہم تو تری تصویر سے بھی چیں بہ جبیں ہیں

اب فکر میں آن کی وہ ستم گر ہے الٰہی
آسودہ جو کچھ اہلِ عدم زیرِ زمیں ہیں

غیروں کا وہ مذکور اڑاتے ہیں یہ کہہ کر
کیا پوچھتے ہو ان کو ابھی وہ تو یونہیں ہیں

ہم پر نہ گماں کیجیے غیروں کی دعا کا
وہ اور ہی مخلوق ہے ، ہم ان میں نہیں ہیں

اے بے خودیِ شوق ہماری ہے یہ ہستی
دنیا میں ہیں اس طرح کہ دنیا میں نہیں ہیں

تکلیف محبت کی چھپائے نہیں چھپتی
صدمے ترے دل پر بہت اے داغِ حزیں ہیں

۵۹

دیکھوں نکلتے ہیں کہ نکلوائے جاتے ہیں
ارمان میرے سینے میں گھبرائے جاتے ہیں

شرما کے ذکر غیر پہ گھبرائے جاتے ہیں
پھر آپ میرے سر کی قسم کھائے جاتے ہیں

ہم کو شکایتوں کے مزے آئے جاتے ہیں
سن سن کے دل ہی دل میں وہ شرمائے جاتے ہیں

وقت دعا یہ حال ہے خوفِ گناہ سے
دل کانپتا ہے ، ہاتھ بھی تھرّائے جاتے ہیں

باتیں بنا کے صبح کو وہ اس طرح گئے
جانا یہ میں نے جا کے ابھی آئے جاتے ہیں

بعدِ فنا بھی آتشِ فرقت کا ہے اثر
سب پھول میری قبر کے مرجھائے جاتے ہیں

قیمت کا فیصلہ نہیں ہوتا کسی طرح
وہ دل کو دیکھ دیکھ کے للچائے جاتے ہیں

جانے نہیں خطا کے مزے اس کو کیا کریں
ہرچند ہم سزا پہ سزا پائے جاتے ہیں

مجھ میں شبِ فراق سحر تک رہے گا کیا
یہ درد و رنج و غم تو مجھے کھائے جاتے ہیں

شوخی کا بھی لگاؤ ہے شرم و حیا کے ساتھ
آنکھیں ملا ملا کے وہ شرمائے جاتے ہیں

جن میں ہوا ہے وصل کسی کا کسی کے ساتھ
اب ان کے حکم سے وہ مکاں ڈھائے جاتے ہیں

بیٹھے ہیں نام پر بھی تو چلمن کو چھوڑ کر
ترسانے والے دور سے ترسائے جاتے ہیں

دل کا لگاؤ غیر سے کچھ دل لگی نہیں
دم لو تمہیں بھی اس کے مزے آئے جاتے ہیں

سنتا ہے کون آپ کی بھلا شوقِ وصل میں
آتا ہے جو زبان پہ فرمائے جاتے ہیں

دیں گے جواب ہم تو نہ سن کر برا بھلا
فرمائے جائیں آپ جو فرمائے جاتے ہیں

سمجھے نہ وہ بلا سے ہمیں اس پہ ناز ہے
عاشق برائے نام تو کہلائے جاتے ہیں

اے داغ تھی پسند ہمیں جب کی سادگی
زیور اب آپ کے واسطے بنوائے جاتے ہیں

۶۰

قیامت کی مری آہیں، غضب کے میرے نالے ہیں
کلیجا دیکھیے اُن کا جو ان کے سننے والے ہیں

وفاداروں میں غیروں کے حوالے پر حوالے ہیں
ہمارے جانے بوجھے ہیں ہمارے دیکھے بھالے ہیں

نہ اُن کے لب پہ آہیں ہیں نہ اُن کے لب نالے ہیں
جنھیں سمجھے ہو تم عاشق وہ دنیا سے نرالے ہیں

وہ ظالم پھوٹ کر رویا ہے کب عاشق کی میت پر
بڑی مشکل سے آنکھیں مل کے چار آنسو نکالے ہیں

وہاں ہے آنکھ میں سرمہ یہاں ہے خاک میں ملنا
وہاں لاکھا لبوں پر ہے، یہاں جینے کے لالے ہیں

یہ عقدے ناخنِ تدبیر سے کھولے نہ جائیں گے
نکالے گا وہی قسمت میں جس نے پیچ ڈالے ہیں

خبر عاشق کی سن کر یہ کہا اُس نے رقیبوں سے
تعجب کیا ہے اس کا ایک دن سب مرنے والے ہیں

بلا نوشِ محبت سیر ہوتے ہیں کہیں اُن سے
غمِ دنیا و دیں اُن کے لیے اس دو نوالے ہیں

اُڑا کر ساتھ غیروں کے بلایا مجھ کو محفل میں
اِدھر ہیں بوتلیں خالی، اُدھر چھوٹے پیالے ہیں

جتاتے ہو عبث احسان اپنے، میں تو قائل ہوں
مرے ارمان سب تم نے نکلنے ہیں نکالے ہیں

شریکِ لطف ہوتی ہیں جفائیں واہ کیا کہنا
ستم گر جور بھی تیرے زمانے سے نرالے ہیں

اثر میری سیہ بختی کا ایسا ہے شبِ فرقت
شرارے آہِ سوزاں کے بھی مثلِ خال کالے ہیں

سرشکِ گرم نے ایسا اثر اپنا دکھایا ہے
پھوٹے میری آنکھوں کے نہیں اُبھرے یہ چھالے ہیں

محبت میں کرے جو صبر اُس کو داد ملتی ہے
جسے عادت ہے خاموشی کی اُس کے بول بالے ہیں

کہاں دل کا سا ویرانہ کہاں دل کی سی ہے وحشت
ہزاروں ہم نے جنگل دیکھ ڈالے چھان ڈالے ہیں

یہاں برسات کا رہتا ہے موسم ہجرِ جاناں میں
برستے ہیں مرے آنسو گرجتے میرے نالے ہیں

مزارِ اولیا سے فیض حاصل کر کہ اے غافل
ہمیشہ زندہ رہتے ہیں کہیں یہ مرنے والے ہیں

یہ تنہا ہجر میں خونِ جگر کھاتا ہی رہتا ہے
میسّر عاشقِ مہجور کو بھی تر نوالے ہیں

چلی آتی ہے بھینی بھینی خوش بُو زیرِ مرقد بھی
ہماری قبر پر کس نازنیں نے پھول ڈالے ہیں

تری چشمِ فسوں گر نے کیا کیا جانے کیا جادو
ترا کلمہ وہی پڑھتے ہیں جو اللہ والے ہیں

کراماً کاتبیں کے اشک ٹپکے اُن کی حالت پر
عمل نامے سیہ کاروں کے اس صورت سے کالے ہیں

چلا ہے نامہ بر کے ساتھ دل بھی جانبِ دلبر
یہ بےچارے مسافر یا خدا تیرے حوالے ہیں

یہ عیّاری بھی ہے چلنے کی طرز دل ربائی میں
حسابِ داغ کو تم جانتے ہو دلّی والے ہیں

٦١

یہ طرفہ تماشا ہے نہیں چین سے گھر میں
اٹھتے ہوئے پھرتے ہو زمانے کی نظر میں

جو تجھ میں ہے وہ روپ کہاں ہے گلِ تر میں
جوبن بھی وہ جوبن ہے جو کھب جائے نظر میں

اللہ ری نزاکت کہ بل آتے ہیں کمر میں
گر تولیے آپ کو دیکھی میزان نظر میں

وہ بھی تو بڑی دیر میں آتی ہے یہاں تک
ہے تیری نزاکت کا اثر تیری خبر میں

دنیا میں کہیں آپ نے ٹھکانا جو نہ پایا
آباد ہوئی خانہ خرابی مرے گھر میں

گو خضر جہاں گرد سہی مجھ کو یقیں ہے
جم جائیں قدم اُن کے بھی اُس راہ گزر میں
اے آہِ رسا جا کے مسافر کی خبر لے
نالے نے بہت دیر لگائی ہے اثر میں
آزاد رہا جب تو رہی خانہ بدوشی
میں ہوں وہ مسافر مری منزل ہے سفر میں
فریاد سنے کون جہاں ہو یہ نزاکت
آواز سے اپنی بھی دھمک ہوتی ہے سر میں
یہ شوخیِ رفتار نہیں بیٹھنے دیتی
فتنے بھی ہیں بے چین تری راہ گزر میں
کس جلوے کی مشتاق ہیں یہ مردمکِ چشم
کرتی ہیں جو اشکوں سے وضو دیدۂ تر میں
میں جلوے سے بے ہوش وہ فرماتے ہیں ڈر کر
لایا کوئی جادو کا یہ پتلا مرے گھر میں
عاشق کو نہ اچھے سے غرض ہے نہ برے سے
جو آنکھ میں کھب جائے سما جائے نظر میں
دل چاک کرے کیوں نہ تری نیم نگاہی
یہ نیمچہ وہ ہے کہ اتر جائے سپر میں
تم جانتے ہو داغ نظرباز ہے کیسا
کیا تاڑ لیا اُس نے تمھیں ایک نظر میں

٦٢

بے پردہ اگر جلوہ نما وہ نہیں گھر میں
بجلی سی چمک جاتی ہے کیوں روزنِ در میں

قدرت ہے یہ اس کی قدر انداز نظر میں
ہر تیر مرے دل میں ہے ہر تیر جگر میں

اڑتی سی خبر آج مرے کان میں آئی
تم آج کے پہنچے ہو کسی غیر کے گھر میں

گردش میں شب وعدہ ہیں مانند نفس ہم
یہ حال ہے اپنا کبھی باہر کبھی گھر میں

شیریں کے لیے تیشہ زنی اس نے نہیں کی
فرماتے ہیں وہ درد تھا فرہاد کے سر میں

ٹھہرا ہوں گنہگار جو دو اشک بہا کر
کیا دامن تر کا ہے اثر دیدۂ تر میں

کہیے تو کہاں رات کو مہمان رہے تھے
کل تک تو نہ تھا آج ہے تعویذ کمر میں

آتے ہیں عیادت کے لیے دوست ہزاروں
بازار لگا ہے ترے بیمار کے گھر میں

ہم جانتے ہیں خوب دوا اور دعا کو
نہ دل ترے دل میں ہے نظر تیری نظر میں

ابرو کا اشارہ تھا جنھیں بار دیگر اک
تلوار وہ باندھے ہوئے پھرتے ہیں کمر میں

کہتے ہیں مجھے دیکھ کے وہ بے سر و ساماں
اللہ نہ لائے کسی محتاج کے گھر میں

گریہ ہے کہ طوفان ہے، آنسو ہیں کہ دریا
کیا پتلیوں پانی ہے مرے دیدۂ تر میں

وہ سیر کو نکلیں گے یہ اندیشہ ہے مجھ کو
دل بیچنے والے ہیں بہت راہ گزر میں

اتنا تو بتادے ہمیں اے گردشِ گردوں
کوئی بھی گھڑی چین کی ہے آٹھ پہر میں
نازک تو ہیں دونوں ہی مگر فرق ہے اتنا
جو بات دہن میں ہے، نہیں تیری کمر میں
اب داغ کا یہ حال ہے دم جیسے ہو باقی
خورشیدِ لبِ بام میں یا شمعِ سحر میں

٦٣

کیا ہوگی شکل بعدِ فنا ہجرِ یار میں
آئینہ رکھ دے کوئی ہمارے مزار میں
غصّے کے طور میں، نگہِ شرمسار میں
کیا جانے کچھ دیا انھیں کیا ہم نے پیار میں
ہل چل میں ہو مکاں تو مکیں کس طرح رہے
کیونکر بٹھاؤں اس کو دلِ بےقرار میں
داغِ جگر کہ اشکِ رواں سب ہیں بے اثر
یہ کس شمار میں ہیں، وہ ہیں کس قطار میں
پھر حشر تک خلاف یہ گردش نہ کر سکے
دو دن بھی گر فلک ہو مرے اختیار میں
دل کی رگیں لہو سے بجھاتی ہیں آگ کیا
سرخی کی ہے جھلک نفسِ شعلہ بار میں
وحشت یہ ہے کہ دامنِ محشر کے واسطے
کرتا ہوں امتحانِ جنوں خارزار میں
بعدِ فنا بھی ہے دلِ گم گشتہ کی تلاش
میں اس مزار میں ہوں کبھی اس مزار میں

ساقی پڑے ہیں حلق میں کانٹے یہ خوف ہے
اُلجھے نفس کا تار نہ اس خارزار میں
گو قتل کا ارادہ ہو مجھ کو یہ ناز ہے
بیٹھے رہے وہ آج مرے انتظار میں
پاؤں نہ آسمان سے کبھی شاہدِ مراد
گزریں ہزار سال اگر انتظار میں
مے خوار کی نگاہ نے ہنگامِ مے کشی
نشتر چبھو دیا رگِ ابرِ بہار میں
بے کار میرے اشک جنوں میں نہ جا سکے
موتی پرو رہا ہوں گریباں کے تار میں
گو مے کشی گناہ ہے طبیعت کو کیا کروں
توبہ کسی نے کی بھی ہے فصلِ بہار میں؟
اے داغ بذل و عدل و شجاعت سخا و زہد
تھے وصف کس قدر شہِ دلدل سوار میں

٦۴

عاشق کی قدر کیا چمنِ روزگار میں
گل نے ہزار عیب نکالے ہزار میں
رکھ دوں کا داغ دار جگر لالہ زار میں
اب کے نیا شگوفہ کھلے گا بہار میں
یہ کیا کہا کہ داغ ہے تو کس شمار میں
یکتا ہوں میں ہزار میں کیا سو ہزار میں
قابو میں تم نہیں ہو تو قابو میں دل نہیں
تم اختیار میں تو جہاں اختیار میں

پھر آئی فصلِ گل وہی گلزار ہے چمن
یارب کھلے گی دل کی کلی کس بہار میں

اے زندگی اجل بھی تو امیدوار ہے
گزری ہے ایک عمر اسے انتظار میں

میں یاد کرسکوں نہ فرشتے ہی لکھ سکیں
وہ کیوں کمی کرے ستمِ بے شمار میں

آخر تھکی زبان ، گھسیں اپنی انگلیاں
اک اک گھڑی گنی جو ترے انتظار میں

برپا قیامت اس کی جو ٹھوکر سے ہوگئی
کیا فتنہ سو رہا تھا ہمارے مزار میں

دوزخ ہوا نصیب پسِ مرگ غیر کو
چنگاریاں سی اڑتی ہیں اس کے غبار میں

سفّاک غمزہ ، چور نگہ ، آنکھ راہ زن
پھر آپ بھی شریک ہیں اس لوٹ مار میں

وعدے پر آدھی رات کو وہ آئے ، ساری رات
باتوں میں کچھ گزر گئی کچھ انتظار میں

پہنا تھا کیا رقیب کے ہاتھوں سے رات کو
بوباس غیر ہے ترے پھولوں کے ہار میں

احسان کیا وہ جبر جو دل بر نہ کرسکے
بے اختیار یار ہیں مرے اختیار میں

اے داغ جبر و صبر کا دعویٰ غلط غلط
عاشق کا دل رہا ہے کہیں اختیار میں

٦۵

خبر صعیموں کی شاہ نظام لیے ہیں
سنبھال لیتے ہیں گرتوں کو تھام لیتے ہیں

بدل بدل کے رقیبوں کے نام لیتے ہیں
وہ اپنے آپ ہی لطفِ کلام لیتے ہیں

رہاں کا وہ نگاہوں سے کام لیتے ہیں
انھیں سلام ہے جو یوں سلام لیتے ہیں

جو بانکپن کی یہ محشر حرام لیتے ہیں
تو فتنے اٹھ کے بلائیں مدام لیتے ہیں

وہ چھیڑ چھاڑ کی مجھ سے مدام لیتے ہیں
کہ دونوں ہاتھوں سے میرا سلام لیتے ہیں

پہنچ نہ جائے کہیں صدمہ دستِ نازک کو
وہ آتے جاتے ہزاروں سلام لیتے ہیں

یہ پوچھتا ہے زمانے سے وہ بتِ کافر
خدا کے بندے خدا کا بھی نام لیتے ہیں

طریق عشق میں رہروکی پیروی کے لیے
سراغ حضر علیہ السّلام لیتے ہیں

مجال کیا جو کہیں ان سے بات مطلب کی
ہم آہ کرکے کلیجے کو تھام لیتے ہیں

خدا ہو دوست تو دشمن بھی دوست ہوتا ہے
رقیب ان سے مرا انتقام لیتے ہیں

قدم قدم تر ے کوچے میں ضعف سے ہے یہ حال
جگہ جگہ در و دیوار تھام لیتے ہیں

غرض تو یہ ہے کہ جیتے ہیں کسے مر مر کر
وہ اہلِ عشق کی گتی مدام لیتے ہیں

تمہاری نیم نگہ پر نہ دیں گے ہم دل کو
کہ لینے والے تو پورے ہی دام لیتے ہیں

ہماری قیمتِ دل دیجیے کہ ہم تو کبھی
آدھار لیتے ہیں سو دانہ وام لیتے ہیں

وہ گھر کہ خانہ حرابی کی ہے بنا جس سے
حسابِ عشق ہمارے ہی نام لیتے ہیں

تلاش رہتی ہے صبحِ امید کی شبِ غم
چراغ ہاتھ میں ہم وقتِ شام لیتے ہیں

شہید پیاسوں کو قاتل مرا نہیں کرتا
وہ بدگماں ہے کہ حوروں سے جام لیتے ہیں

کروں جفا پہ وفا او جفر پر میں صبر
وہ مجھ سے بس یہی دو چار کام لیتے ہیں

دیا ہے ناک میں دم واعظوں نے کیا کیجے
عجب ہے دل کا دنیا میں کام لیتے ہیں

دل اب آچاٹ ہے کچھ ہم سے ہو نہیں سکتا
نہ کام کرتے ہیں کوئی نہ کام لیتے ہیں

فروغ و منصب و جاگیر و مال دے دے کر
دعائیں داغ سے شاہِ نظام لیتے ہیں

٦٦

سیرِ فصلِ بہار کرتے ہیں
جھجھے سادہ خوار کرتے ہیں

ہم انھیں جی سے پیار کرتے ہیں
وہ کہاں اعتبار کرتے ہیں

دل ہمارا نہ لیت بُت کافر
نذرِ پروردگار کرتے ہیں

منتظر ہیں مرے جنازے کے
وہ مرا انتظار کرتے ہیں

غیر کی بات اور جھوٹی بات
آپ ہی اعتبار کرتے ہیں

دلربا بھی ہے دل بھی ہے معشوق
ہم تو دونوں کو پیار کرتے ہیں

کر گزرتے ہیں عاشقِ جان باز
کام جو اختیار کرتے ہیں

ہیں ساقی تو بادہ کس جل کر
طِ مے کا شکار کرتے ہیں

کیا مٹائیں گے وہ نشان میرا
کیوں تلاشِ مزار کرتے ہیں

جان چھٹی، کسی کا دل لوٹا
وہ یوں ہی لوٹ مار کرتے ہیں

ہے یہی بات اپنی آن کے ساتھ
شکوے دو تین چار کرتے ہیں

آن سے وہ حسد تک نہیں ملتے
جن کو امیدوار کرتے ہیں

دل کی بالیدگی سے دل خوش ہے
ایک کو ہم ہزار کرتے ہیں

ناوکِ ناز سے سرِ بازار
وہ دلوں کا شکار کرتے ہیں
پہلے مجھ کو انھوں نے قتل کیا
اب طوافِ مزار کرتے ہیں
حال جب پوچھتا ہے ہم سے کوئی
نالہ بے اختیار کرتے ہیں
میرے مطلب ہی کی نہیں کہتے
یوں وہ باتیں ہزار کرتے ہیں
چھینٹے دے کر نشیلی آنکھ پہ وہ
مست کو ہوشیار کرتے ہیں
داغ ہے خوش نصیب جس کی قدر
آصفِ نامدار کرتے ہیں

۶۷

عشق میں دل کہیں حواس کہیں
ایسے رہتے ہیں اپنے پاس کہیں
چھپ کے بیٹھا ہے کیا کوئی مے کش
بھر کے جاتا ہے کیوں گلاس کہیں
مجھ کو اس سے ہے احتمالِ وفا
نہ غلط ہو مرا قیاس کہیں
زہر کھاتے ہیں تنگ آ کر ہم
یہ دوا آئے دل کو راس کہیں
کعبے جاتے تو ہیں، یہ دھڑکا ہے
ہم نہ پہنچیں خدا کے پاس کہیں

متیاز اس محتسب کا ہو
شیشہ پھیکا کہیں، گلاس کہیں

دل کے گوشوں میں دونوں مہماں ہیں
آرزو ہے کہیں تو یاس کہیں

آئیں گے پاس دن میں کہتے ہو
پاس دن کے نہ ہوں مجاز کہیں

دل کی مردانگی پہ بھولا ہوں
عاشقی میں نہ ہو ہراس کہیں

اس کو کہتے ہیں لوگ عہد شکن
ٹوٹ جائے نہ اپنی آس کہیں

جو نہ کہنی تھیں مجھ کو وہ باتیں
غیر سے ہو کے بدحواس کہیں

شہر در شہر ہیں ترے عاشق
کہیں دس بیس، سو پچاس کہیں

جامہ عاشقی ملا ہے مجھے
تنگ در ہو نہ یہ لباس کہیں

قطرہ قطرہ پلا نہ اے ساقی
اوس سے بھی بجھی ہے پیاس کہیں

درد میں داغ گر نہیں، تو نہ ہو
چاہیے ہو وہ آس پاس کہیں

ردیف واؤ

٦٨

غیر کے ساتھ مرے قتل کا ساماں کیوں ہو
جو اٹھائے نہ اٹھے مجھ سے وہ احساں کیوں ہو

تجھ سے بے درد مرے درد کا درماں کیوں ہو
چاہنے والے کی مشکل کبھی آساں کیوں ہو

کچھ تو ہے بات، کسی کی تو ہے آمد آمد
ورنہ یوں گھر میں ترے عید کا ساماں کیوں ہے

آ کھڑی آ کھڑی یہ لگاوٹ ہی ستم کرتی ہے
پاس کیوں ہو کسی کم بخت کو ارماں کیوں ہو

اف ری آفت کی، سیاست کی، غضب کی چتون
پھر یہ کہتے ہو کہ مجھ پر کوئی قرباں کیوں ہو

میری بالیں سے نہ جا کہہ کے خدا حافظ تو
تیرے بیمار کا اللہ نگہباں کیوں ہو

واقعی آپ ادھر بھولے سے آ نکلے تھے
جس کو رہنا نہ ہو منظور وہ مہماں کیوں ہو

چھوڑ دے آپ کی خوشی پر تو رہے گا اچھا
کوئی ان شوخ مزاجوں کا نگہباں کیوں ہو

اس کے سمجھانے سے آئے ہو عیادت کے لیے
ہنستے جی سر پہ مرے غیر کا احساں کیوں ہو

کیا اسی کے لیے انساں ہوا ہے پیدا
نکلے جب ایک تو پھر دوسرا ارماں کیوں ہو

ہم کو اس واسطے پیارا ہے ستم بھی ان کا
اپنا معشوق جفا کر کے پشیماں کیوں ہو

یہ بھی منظور نہیں اس کو ہو چاہت میری
آرزو مجھ کو جو ہے وہ اسے ارماں کیوں ہو

داغ کو تم سے مری جان یہ امید نہ تھی
جھوٹے منہ بھی تو نہ پوچھا کہ پریشاں کیوں ہو

۶۹

ہم با وفا ہیں یہ کسی نادان سے کہو
ایمان کی جو بات ہے ایمان سے کہو

آنا اگر ہے مدِ نظر خواب میں تو آؤ
درباں سے کہو ، نہ نگہ بان سے کہو

یہ کیا کہا کہ ہم نہیں کہتے تجھے برا
کس کس سے کہہ چکے ہو تم ایمان سے کہو

رہنے دو پاس حضرتِ دل اُس کے درد کو
رخصت کے واسطے تو نہ مہمان سے کہو

تن تن کے آئنے سے کہی ہے جو تم نے بات
مجھ سے بھی اُس ادا سے اُسی شان سے کہو

کیوں اُس نے رکھ لیا یہ مزا دل سے پوچھ لو
کیوں دل میں رہ گیا ہے یہ پیکان سے کہو

کہتا ہوں حالِ دل تو وہ کہتے ہیں بار بار
کچھ ہوش سے حواس سے اوسان سے کہو

جس آرزو سے ہم نے کہا حرفِ مدّعا
تم بھی خدا کرے اُسی ارمان سے کہو

مرتا ہوں تم نے بخش دیا بھی کہا سنا
گر بندۂ خدا ہو تو ایمان سے کہو

مشرب تمہارا عشق ہے ہم جانتے ہیں داغ
کافر سے تم کہو ، نہ مسلمان سے کہو

۷۰

اسی کے ساتھ میں بھی ہوں ، یہ لے جائے جہاں مجھ کو
نہ چھوڑوں آسماں کو میں ، نہ چھوڑے آسماں مجھ کو

اِدھر جاؤں ، اُدھر جاؤں ، کدھر جاؤں ، یہ حالت تھی
جب اپنے در پہ اُس نے دیکھ پایا ناگہاں مجھ کو
کہا ہے یاد ظالم نے مجھے کب ! وائے رے قسمت
کہ وقتِ واپسیں دو چار آئیں ہچکیاں مجھ کو
بسِ توبہ اگر مڈبھیڑ ہو جاتی ہے رستے میں
سلام اک جھک کے کرتا ہے وہیں پیرِ مغاں مجھ کو
چھٹے جب ساتھ ایسے شخص کا کیوں کر نہ حیرت ہو
بہت مڑ مڑ کے دیکھا کی مری عمرِ رواں مجھ کو
گئے وہ دن کہ دریا خون کے آنکھوں سے جاری تھے
مگر دیتی ہے چھینٹے اب تو چشمِ خوں فشاں مجھ کو
کہاں مجھ سا زمانے میں مصائب جھیلنے والا
قیامت تک کرے گا یاد تو اے آسماں مجھ کو
زباں پر داغ کی کس ناز سے آتا ہے یہ مصرع
ملا ہے شاہِ آصف جاہ میرا قدرداں مجھ کو

۷۱

جہاں اُلٹا اثر ہو زندگی عاشق کی پھر کیا ہو
محبت ترک کردیں ہم تو دل میں درد پیدا ہو
کہوں کیونکر کہ دنیا میں تمھی بے مثل و یکتا ہو
زمانہ دیکھ ڈالا ہے مری آنکھوں نے تم کیا ہو
تماشا دید کے قابل ہے بسمل کا کہ اے قاتل
تعجب کیا جو چشمِ جوہرِ شمشیر بینا ہو
تمھیں ہم دوست کیا جانے تمھیں ہم دوست کیا مانے
زمانہ ہی نہیں اس کا کہ اب کوئی کسی کا ہو

کرے تو دفن اسے خورشید رو گر تفتہ جانوں کو
تو سبزے کی جگہ تارِ شعاعِ مہر پیدا ہو
کہا جب شعلہ رو تن کو ملا الزام یہ مجھ کو
عجب اس کا نہیں گر دوسری صورت سے جلتا ہو
یہ کیا کہتے ہو میرا بھید کھلنے کا نہیں تجھ پر
بتادیں حال ہم دل کا اگر بندِ قبا وا ہو
شکن تیری جبیں پر ہو کہ بل تیری طبیعت میں
ہمیں پروا نہیں اس کی مقدر اپنا سیدھا ہو
یہیں ہوجائے طے آپس میں جھگڑا کل خدا جانے
تمہارے واسطے کیا ہو، ہمارے واسطے کیا ہو
بلانے سے نہ آپ آئیں، نہ مجھ کو آپ بلوائیں
نہ ایسا ہو نہ ویسا ہو تو پھر فرمائیے کیا ہو
زمانے کو پلٹتے دیر کیا لگتی ہے یہ سمجھو
بھروسا ہم کریں تم پر جو دنیا کا بھروسا ہو
تمہاری آنکھ ہے بیمار، دل بیمار ہے اپنا
کسی کے ہم مسیحا ہیں کسی کے تم مسیحا ہو
کدورت دل کی کیوں نکلے اگر آنسو بہاتے ہیں
جو صحرا ہو تو صحرا ہو جو دریا ہو تو دریا ہو
محبت کی نہ دیں گے داد وہ خط کو مرے پڑھ کر
وہاں انصاف پھر کیا ہو جہاں اندھیر کھاتا ہو
نہ مٹ جائے قیامت کیا نہ پس جائیں فرشتے کیا
زمینِ حشر پر جب آپ کا نقشِ کفِ پا ہو
ہمارے قتل کرنے کو تری آنکھوں سے اے ظالم
نگاہیں خود یہ کہتی ہیں ذرا ہم کو اشارا ہو

ہوا ہے دشمنِ جانی وہ ظالم میری صحت کا
برا ہو اُس دعاگو کا کہا تھا جس نے اچھا ہو
عیادت کو مری آ کر وہ یہ تاکید کرتے ہیں
تجھے ہم مار ڈالیں گے نہیں تو جلد اچھا ہو
اگر عذرِ جفا کر لو زباں کچھ تھک نہ جائے گی
شکایت کس طرح مٹ جائے جب تم سے نہ اتنا ہو
برائی غیر کی کرتے ہو تم ، اچھا نہیں کرتے
برا وہ مان جائیں داغ یہ سن کر تو اچھا ہو

۷۲

تری چاہت ہے زہریلی خدا جانے اثر کیا ہو
ابھی سے زندگی ہے تلخ آگے کیا خبر کیا ہو
ہماری آہ سے اُس سنگ دل کے دل میں گھر کیا ہو
کسی نے سچ کہا ہے یہ کہ پتھر کو اثر کیا ہو
خبر بھی ہے تمہیں شوخی سے تم ہر گام پر کیا ہو
یہاں کیا ہو وہاں کیا ہو اِدھر کیا ہو اُدھر کیا ہو
تمہیں ہے دردِ سر کا شکوہ حرفِ مدّعا سن کر
بیانِ شوق اس سے بھی زیادہ مختصر کیا ہو
کسی کو بھی نہ دیکھا میں نے اپنے حال پر روتے
مجھے جو دیکھ کر خوش ہو وہ میرا نوحہ گر کیا ہو
زمانہ ہے فلک ہے مدعی ہے اُن کے شکوے ہیں
تمھی اک فتنہ گر کیا ہو ، تمھی بیداد گر کیا ہو
قیامت کا ہے کیا یہ روزِ وعدہ دن نہیں ڈھلتا
نہ ہو جب شام ہی پیدا تو آمدہ سحر کیا ہو

ہوا سے مثل گل وہ عارض کمھلائے جاتا ہے
نزاکت جس کی ایسی ہو تو اس کے دل میں گھر کیا ہو

بہت سے لکھ کے خط اپنے سرہانے رکھ لیے میں نے
سبھی کو خوف جاں ہے کوئی میرا نامہ بر کیا ہو

یہ پہلو ہو کہ وہ پہلو ہدف دونوں ہیں تیروں کے
جگر سے دل الگ کیا ہو، الگ دل سے جگر کیا ہو

ہر اک سے پوچھتے ہیں میری نسبت وہ قیامت میں
ہوا سارا جہاں اس کی طرف، تم بھی ادھر کیا ہو

عبث دیتے ہو تم الزام مجھ کو صحت حامی کا
نہ ہو جب ہاتھ میں طاقت تو خنجر کارگر کیا ہو

نہیں سود و زیاں سے کچھ غرض عاشق کو اے ناصح
نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر نفع و ضرر کیا ہو

مرض کی ہو گئی تشخیص بیمار محبت کو
مگر مشکل تو یہ ہے امتحان چارہ گر کیا ہو

فروغ حسن سے کس کو رہی ہے تاب نظارہ
ترا کیا عیب دیکھیں اور خوبی پر نظر کیا ہو

ہم اپنے حال پر روتے مگر اب کس طرح روئیں
نہ ہو جب خون کا قطرہ بھی دل میں چشم تر کیا ہو

وہ ہرجائی اگر ہے داغ، ہو تم بھی تو آوارہ
تمھیں کب صبر ہے بیٹھے ہوئے تم ایک پر کیا ہو

٧٣

ہماری قبر پر دو پھول ڈالتے جاؤ
کسی غریب کی حسرت نکالتے جاؤ

ادا ادا سے چھری پھیرتے رہو مجھ پر
ہنسی ہنسی میں مرا دم نکالتے جاؤ
ذرا بھلا وہ رقیبوں سے مجھ کو سنوائیں
پھر اس پہ یہ بھی ہو تاکید ٹالے جاؤ
متاع دل کا ہے بازار غور کے قابل
برے بھلے پہ نظر بھی تو ڈالتے جاؤ
تمھاری بزم میں یہ عاشقوں کی عزت ہے
وہ آتے جائیں، انھیں تم نکالتے جاؤ
پتے پتے کی سنو مجھ سے اب ذرا سچ سچ
تمھیں خدا کی قسم تم جھٹالتے جاؤ
عجب لطف ہے اس گفتگو کا کیا کہنا
ذرا عدو کو کہو، مجھ پہ ڈھالتے جاؤ
وہ دل کو لیتے ہیں احسان رکھ کے یہ کہ کر
بغل میں اپنی نہ دشمن کو پالتے جاؤ
برے ہیں حضرت دل چشم و خال و خط کے خیال
جو ٹل سکیں یہ بلائیں تو ٹالتے جاؤ
وہ ان کے خط میں ہیں مضمون کہ جب کبھی لکھو
ہزار طرح کے پہلو نکالتے جاؤ
اِدھر کو بھولے سے مدت میں اب تو آ نکلے
مریضِ عشق کی حالت سنبھالتے جاؤ
مجھے نکالے آئے ہو اپنے کوچے سے
نکلنے والے کو دوزخ میں ڈالتے جاؤ
کہا کرے جو کوئی تم سے دوستی کی کبھی
تم اپنے کان میں وہ بات ڈالتے جاؤ

بھرے ہوئے ہیں مرے دل میں سینکڑوں ارماں
نکلتے جائیں جہاں تک نکالتے جاؤ
دکھائی دے گا کسی دن وہ دل کے آئنے میں
مگر یہ شرط ہے اس کو اجالتے جاؤ
علاج کرتے ہو اب دردِ عشق کا اے داغ
کہا تھا کس نے کہ یہ روگ پالتے جاؤ

ردیف ہائے ہوز

۷۴

نہ ہوا یوں گنہ ثواب کے ساتھ
آبِ زمزم نہ تھا شراب کے ساتھ

دن گزرتے ہیں کس عذاب کے ساتھ
وہ زمانہ گیا شباب کے ساتھ

رہ گئی دل کی آرزو دل میں
موت ہی آ گئی جواب کے ساتھ

غیر کو دے کے جام مجھ کو دیا
خونِ دل بھی پیا شراب کے ساتھ

غیر اٹھ جائے کاش دنیا سے
سرِ محفل ترے حجاب کے ساتھ

وصل میں کشمکش سے اُن کی قبا
دھجیاں ہو گئی نقاب کے ساتھ

مہر وہ رخ ہے اور ماہ جبیں
چاند نکلا ہے آفتاب کے ساتھ

آہِ سوزاں ہے اور دردِ جگر
یہی بجلی ہے اس سحاب کے ساتھ

وعدۂ وصل پھر بھلائی ہے
خوب چھینٹا دیا شراب کے ساتھ

یاد آتی ہے جب بری شوخی
لوٹ جاتا ہوں اضطراب کے ساتھ

پہلے وہ نام اپنا لیتے ہیں
سب حسینوں میں انتخاب کے ساتھ

موت کا انتظار آٹھ پہر
زندگی اور اس عذاب کے ساتھ

صبر سے اس کو چین کب آئے
لگ گئی جس کی اضطراب کے ساتھ

نیند آچکی تو وہ حال نہ تھا
لگ گئی چشمِ شوق خواب کے ساتھ

کیا کہیں ہم جنابِ داغ کو وہ
یاد کرتے ہیں کس خطاب کے ساتھ

۷۵

دل میں رکھتا ہے تجھے اے ماہ پیکر آئنہ
ہے تری تصویر اندر اور باہر آئنہ

حسن کی دولت سے تیری ہے تونگر آئنہ
ہوگیا اپنے نصیبے کا سکندر آئنہ

یہ کشش ہے حسن کی تیرے عجب اس کا نہیں
وقتِ نظّارہ جو نکلے چھوڑ کر گھر آئنہ

ہے رخِ پرنور گویا اس کا اک دریائے نور
پانی پانی شرم سے ہوتا ہے اکثر آئنہ

خود نمائی اور خود بینی اسی سے ہوگئی
دیکھنے کے واسطے رہتا ہے گھر گھر آئنہ

عکس افگن دونوں گیسو آئنے میں ہوگئے
دیکھیے گا اڑ نہ جائے پر لگا کر آئنہ

دل کے یوں ٹکڑے ہوئے اس کے خرام ناز سے
چور ہو جس طرح کھا کر کوئی ٹھوکر آئنہ

دیکھ کر بت کو نظر آتی ہے اپنی شکل بھی
بتکدے کا صاف ہے ایک ایک پتھر آئنہ

ہم کو اس حیرت کدے میں کیوں نہ حیرانی رہے
آپ ہی آئنہ خانے میں ہے ششدر آئنہ

کام آ جائے گی اس دل کی صفائی ایک دن
یہ دکھائیں گے تمھیں ہم روز محشر آئنہ

جان نکلی ہے مری اک سادہ رو کے عشق میں
قبر میں جاؤں گا اپنے ساتھ لے کر آئنہ

بزم میں سب کی نظر بھی آج روئے صاف پر
دیجیے صدقے میں آپ اے بندہ پرور آئنہ

دیکھیں کب تک منہ چھپاتے ہو کہیں گے اب سے ہم
تم ہو آئینے سے بہتر، تم سے بہتر آئنہ

پہلے تو یہ ایک تھا اب سو مقابل ہوگئے
رشک سے ٹکڑے کیا کیوں تم نے جل کر آئنہ

اُن کے رخ کو غور سے دیکھا تو وہ کہنے لگے
دیکھتے ہیں آپ بھی اللہ اکبر آئنہ

سنبل پیچاں کو کر دیتی ہے سیدھا تیری زلف
منہ کی کھاتا ہے ترے رخ سے مقرر آئنہ

زندگی کے ساتھ ہیں اے داغ سب آرائشیں
قبر میں لے جا کے کیا کرتا سکندر آئنہ

۷۶

دیکھنا اچھا نہیں زانو پہ رکھ کر آئنہ
دونوں نازک ہیں نہ رکھو تو آئنے پر آئنہ

ہو نہیں سکتا ترے رخ کے برابر آئنہ
رشک سے اپنا کہاں پھوڑے مقدر آئنہ

جب ہوا محفل میں اس کا روئے انور آئنہ
ہوگیا حیران منہ اپنا سا لے کر آئنہ

جب نگاہِ شوخ پڑ جاتی ہے چشمِ شوخ کی
ہاتھ سے نکلا ہی جاتا ہے تڑپ کر آئنہ

شوقِ آرائش سے ایسے ہوگئے آخر وہ تنگ
ہوگیا دشوار شانہ اور دوبھر آئنہ

منہ نہ دیکھا تم نے غصے میں بہت اچھا کیا
دیکھ سکتا کیا یہ چتون کیا یہ تیور آئنہ

موت کی صورت نظر آتی ہے اپنی شکل میں
چشمِ بسمل کے لیے ہے ناب خنجر آئنہ

لی ترائی دیکھنا، کہتے ہیں وہ کس ناز سے
آج آئے تو مقابل میں چمک کر آئنہ

چاہتے ہیں وہ رہے مد مقابل سے سلوک
دیکھتے ہیں سورۂ اخلاص پڑھ کر آئنہ

وقت تزئین دیکھ کر گردش نگاہِ شوخ کی
دستِ مشاطہ میں کھا جاتا ہے چکر آئنہ

دل کٹا جاتا ہے جب میں دیکھتا ہوں اپنی شکل
بن گیا میرے لیے شیشہ و خنجر آئنہ

سرخ ڈورے نشے کی آنکھوں میں دیتے ہیں بہار
جب ہے کیفیت کہ دیکھو پی کے ساغر آئنہ

کم سنی کی یاد آتی ہے تمھاری سادگی
اب سرکتا ہی نہیں زانو سے دم بھر آئنہ

وصل میں یوں سو رہے پھر صبح کو وہ جاگ کر
میرے منہ پر اُن کا منہ تھا اُن کے منہ پر آئنہ

روشنی دیکھی نہیں جاتی کسی صورت سے بھی
گھونگھٹ کے منہ رہتا ہے تیرا اور بڑھ کر آئنہ

وقتِ دیدار اپنی صورت دیکھی ہوگی تمھیں
دیکھو اپنے پاس رکھنا روزِ محشر آئنہ

آئنہ ہی اُن کا سینہ اُس پہ کچھ کچھ سخت سخت
حسن کے اعجاز سے رکھتا ہے پتھر آئنہ

میرے مرقد پر صدائے قلب کی تاثیر سے
کیا عجب بن جائے لوحِ سنگِ مرمر آئنہ

وہ جو حوریں ہیں تو ہوں اے داغ تو جلتا ہے کیوں
سامنے اُن کے رہے نہ آئینے پر آئنہ

۷۷

عکسِ کاکل سے معنبر ہے سراسر آئنہ
روحِ اسکندر کو کرتا ہے معطر آئنہ

اُس تنِ شفاف سے کیونکر ہو ہم سر آئنہ
جس کا سایہ بھی بنے قد کے برابر آئنہ

یہ کہاں حورانِ جنت کو میسّر آئنہ
چشمۂ کوثر کو وہ دیکھیں سمجھ کر آئنہ

حسن سے جو دستِ ساقی پڑا ہے نام اُس کا اُس کے ساتھ
جام یا جمشید ساز و یا سکندر آئنہ

جب سے وہ خودبیں ہوئے ہیں قتل کرنے کو مرے
آب میں تلوار ہے جوہر میں خنجر آئنہ

ذکرِ یوسف سنتے ہی کیا جانے کیا آیا خیال
ہاتھ میں اُس نے اُٹھایا مسکرا کر آئنہ

ایک صورت سے جو بن جائے تو یہ اچھی ہے فال
آؤ دیکھیں ہم بھی تم بھی آج مل کر آئنہ

آگے اُس خورشید رو کے آئے تو قلعی کھلے
قلعیِ مہتاب سے گو ہے منوّر آئنہ

اب تو یہ ٹھہری ہے دیکھیں کون ہو حسرت زدہ
رات بھر ہم آپ کا منہ دیکھیں وہ دن بھر آئنہ

دونوں اپنے وقت پر آنکھیں دکھاتے ہیں مجھے
اہلِ جوہر تیغ اپنی اہلِ جوہر آئنہ

آج اُس کو شکل تیری دیکھ کر حیرت ہوئی
آنکھیں پھوٹیں میں نے دیکھا ہو جو دن بھر آئنہ

ذکرِ مے سے کس قدر آتی ہے سرخی رنگ پر
حضرتِ واعظ رکھیں بالائے منبر آئنہ

دیکھنا بھی ہے دکھانا بھی حسینوں کو ہے شرط
اس میں داری لے گیا اے بندہ پرور آئنہ

اس میں کیا دیکھی رقیبِ روسیہ نے اپنی شکل
آج اندھا ہوگیا، کل تھا منوّر آئنہ

پرتوِ رخسار سے چمکی تھی تجلی ایک بار
دیکھتے ہی وہ نہیں اُس در سے ڈر کر آئنہ
شکل اپنی دیکھتا ہے ناز سے ایک اک حسین
اپنے گھر میں بن گیا ہے حسن کا گھر آئنہ
لاؤ مجھ کو دو کہ خود سینے سے اپنے میں ملوں
ایسی صیقل ہوگی بن جائے گا خنجر آئنہ
یہ دل نازک گدازِ غم سے پانی ہوگیا
گھر ہی گھر میں گھل گیا اندر ہی اندر آئنہ
داغ یہ بزمِ سخن کیا عالمِ تصویر ہے
ہاتھ میں رکھتا ہے گویا ہر سخن ور آئنہ

ردیف یائے تحتانی

۷۸

نہ تھی تاب اے دل تو کیوں چاہ کی
بڑا تیر مارا اگر آہ کی

وہی ایک ہے خاکِ دیر و حرم
دل اُس راہ کی لے کہ اِس راہ کی

خدا جانے کیا بن گئی دل پر آج
صدا ہے جو اللہ اللہ کی

اڑاتے ہو بے پر کی تعریف میں
سدھی ہے ہوا کس ہواخواہ کی

وہ پیغام الفت کا منہ پھیر کر
وہ شرمیلی آنکھیں سحرگاہ کی

اجاڑے ہیں گھر تو نے کافر بہت
کہاں جائے مخلوق اللہ کی

تم آنا ہمارے جنازے کے ساتھ
یہ تکلیف کرنا خدا راہ کی

کبھی دو کبھی سو ملیں گالیاں
مقرّر ہماری نہ تنخواہ کی

فلک سا بھی ظالم کوئی اور ہے
مگر عمر اس کی نہ کوتاہ کی

اسے ہم نے دیکھا جسے دیکھ کر
نگہ نے تری سرم ناگاہ کی

گیا دل ترے پاس اک آن میں
مسافت بہت کم ہے اس راہ کی

کہا بوسۂ آستان پر نہ طنز
نہیں ہے یہ دہلیز درگاہ کی

نہیں بے سبب ان بتوں کو غرور
کچھ اس میں بھی حکمت ہے اللہ کی

نہ لیتے گئے بے وفا جان کر
اگر جان بھی ان کے ہمراہ کی

مرے دل میں برچھی چبھو کر کہا
خبردار تو نے اگر آہ کی

یکایک ڈسا تیری کاکل نے دل
اس افعی نے کیا چوٹ ناگاہ کی

یہ سمجھائے دیتے ہیں اے داغ ہم
اطاعت کیے جاؤ تم شاہ کی

۷۹

یہ کیا کہا کہ میری بلا بھی نہ آئے گی
کیا تم نہ آؤ گے تو قضا بھی نہ آئے گی

قاصد کا انتظار عبث یہ یقین ہے
مجھ تک تو اس طرف کی ہوا بھی نہ آئے گی

اے شوخ اگر یہی ہیں تلوّن مزاجیاں
پوری تجھے تو طرزِ جفا بھی نہ آئے گی

آنکھیں خدا نے دی ہیں مروّت کے واسطے
یہ کیا خبر تھی تجھ کو حیا بھی نہ آئے گی

گر یوں ہی ضعفِ قلب دکھائے گا اپنا زور
لب تک اخیر وقت دعا بھی نہ آئے گی

زاہد سے کہہ دو رنج و مصیبت کی کر دعا
اس کے بغیر یادِ خدا بھی نہ آئے گی

خوش ہوں کہ وہ خیال میں لاتے نہیں مجھے
اُن کی سمجھ میں میری خطا بھی نہ آئے گی

کہنے گئے تھے حال مگر یہ خبر نہ تھی
مطلب کی بات لب پہ ذرا بھی نہ آئے گی

تم جاؤ گے اگر نہ عیادت کے واسطے
بیمارِ غم کو راس دوا بھی نہ آئے گی

عاشق تمہیں سکھاتے ہیں انداز دلبری
گر دل نہ آئے گا تو ادا بھی نہ آئے گی

کیا جانیں کیا کریں گی تری شوخ چتونیں
تجھ کو تو شرم روزِ جزا بھی نہ آئے گی

جو مر گئے ہیں تیری محبت میں دردمند
راحت انھیں تو بعد فنا بھی نہ آئے گی
بے تابیٔ فراق گئی ہے نہ جائے گی
مجھ کو عدم میں نیند ذرا بھی نہ آئے گی
وعدے کی رات کیوں نہ بہانہ کریں گے وہ
جب تک نہ ہو بہانہ وصال بھی نہ آئے گی
تم جانتے ہو آئے گی پھر یہ شب وصال
اے داغ ساتھ جاؤ کہاں بھی نہ آئے گی

۸۰

نہیں نہیں وہ ولولۂ آہ نارسا کے مجھے
اثر اثر کے ہیں لالے دعا دعا کے مجھے
ادا سے دیکھ لیا پہلے مسکرا کے مجھے
پھر اور تیر لگایا نظر ملا کے مجھے
عدو کے غم میں ستایا لگا لگا کے مجھے
تسلیاں بھی تو کر دیں الگ بٹھا کے مجھے
قلق سبھی نے کیا دردمند پا کے مجھے
خیالِ یار بھی اب رو گیا ہے آ کے مجھے
ادھر ملامتِ احباب کی ہے اک بوچھاڑ
ادھر وہ چلتے ہوئے سیدھیاں سنا کے مجھے
اثر نہ کیوں ہو وہ ہے اپنے بائیں ہاتھ کا داؤ
کہ ہو گئے ہیں رواں ہتکنڈے دعا کے مجھے
دبا کے خاک میں جاتے کہاں ہو، سنتے جاؤ
بٹھا دیا ہے نکیرین نے اٹھا کے مجھے

متاع دل جو ہوئے کار کیوں نہ ہو دقت
کہ دام اُٹھانے پڑے جنس ناروا کے مجھے

یہ بیٹھے بیر کے اُپر کی صدا سنی میں نے
رکھو اپنے پاس دیکھے سے تو لگا کے مجھے

کہاں ملے شب ہجر میں رفیق کہاں
سدھارے اپنے گھروں کو وہ رو رلا کے مجھے

بنا ہوں عشق میں ان گل رخوں کے گلدستہ
بٹھائیں بزم میں بھی سامنے ہوا کے مجھے

نہیں ہے بزم میں بے وجہ دیکھنا آپ کا
وہ آنکھیں سینکتے ہیں رشک سے جلا کے مجھے

لگائے اڑے ہی تیروں سے چار گھڑیوں میں
ابھی تو پاؤں دبائے ہیں وہ منا کے مجھے

نہ کوہسار نہ صحرا نہ آسماں نہ زمیں
ہوائے شوق کہاں لے گئی اڑا کے مجھے

قیامت آئی یہ خط کا جواب آیا ہے
پڑا ہے اس میں بھول لے جائے کوئی آ کے مجھے

بہار دیدۂ حیراں یار کے سوا دل نے
دکھائے رنگ بہت جوش مدعا کے مجھے

ہزار پردۂ نیرنگ عشق کوئی چھپا ہے
وہ دیکھ لیں گے کسی طرح آزما کے مجھے

یہ خط کے پرزے ہی بازو پہ باندھ دے قاصد
ہوائے شوق میں اُڑنا ہے پر لگا کے مجھے

نہ وہ شوخ ہی گردش میں ہے فلک بھی ہے
ستانے والے نہیں چین سے ستا کے مجھے

لتاڑ ڈالوں گا میں ٹھوکروں میں اُس کی طرح
چلا ہے فتنۂ محشر کہاں جگا کے مجھے

کہیں گے سب تمہیں نادان اور کیا ہوگا
یہی نا؟ اپنے پہ ہنسواؤگے رلا کے مجھے

ملے گی دادِ ستم کس طرح کہاں کیونکر
اسی کے اُن کو بھروسے ہیں حسن خدا کے مجھے

نہیں ہے قیصر و فغفور سے طمع اے داغ
بہت ہیں لطف و کرم اپنے بادشا کے مجھے

۸۱

قتل پیغام بر نہ ہو جائے
آخری یہ سفر نہ ہو جائے

خوش بہت اُن کے گھر نہ ہو جائے
بھول کر دل جگر نہ ہو جائے

لاگ اے چارہ گر نہ ہو جائے
تیرے سر دردِ سر نہ ہو جائے

ہو صفائی اگر تو کیا ممکن
دل کی دل کو خبر نہ ہو جائے

اپنی آنکھیں نکال ڈالوں گا
تجھ کو میری نظر نہ ہو جائے

لڑ رہا ہے مرض طبیعت سے
خون اے چارہ گر نہ ہو جائے

عرضِ مطلب پہ لگ گئی ہچکی
قصہ ہی مختصر نہ ہو جائے

آتی جاتی حیا میں شوخی ہے
پردگی پردہ در نہ ہو جائے

آنے جانے نہ دو رقیبوں کو
کہیں بازار گھر نہ ہو جائے

خستگی دل کی دیکھتا کیا ہے
ٹکڑے ٹکڑے جگر نہ ہو جائے

اک زمانہ ہے آج میری طرف
کل اِدھر سے اُدھر نہ ہو جائے

نقش پائے رقیب جھک کے نہ دیکھ
کہیں دُہری کمر نہ ہو جائے

نامہ بر ہے سنی سنائی بات
چوک تجھ سے اگر نہ ہو جائے

سب ہے سامانِ وصل و عیش و نشاط
آسماں رخنہ گر نہ ہو جائے

دل ہے خواہانِ لذتِ بے داد
کیوں وہ بے دادگر نہ ہو جائے

ذکر سے غیر ہی کے دل بہلاؤں
منفعل تو مگر نہ ہو جائے

مرگِ دشمن کی کیا دعا مانگوں
کہیں اُلٹا اثر نہ ہو جائے

یہ تو آثار ہیں قیامت کے
عشوہ گر فتنہ گر نہ ہو جائے

ہے لبِ مرگ مجھ کو خوفِ عذاب
قبرِ دشمن کا گھر نہ ہو جائے

میرے ہی حالِ دل میں روزِ حساب
صبح سے دوپہر نہ ہو جائے

دیکھنے والوں کو نہ دیکھا کر
اس نظر کو نظر نہ ہو جائے

اُس کو تعلیمِ نار خوب نہیں
بے خبر ناصر نہ ہو جائے

ہیں قیامت کے خواستگار بہت
وقت سے پیشتر نہ ہو جائے

زلف رکھنے لگی ہے دل مجھ سے
یہ بلا میرے سر نہ ہو جائے

سب کو چوری سے ہم وہاں پہنچے
تھا یہ کھٹکا سحر نہ ہو جائے

ہم تو دشمن نہیں ہیں قاصد کے
خوف اُس کو اگر نہ ہو جائے

کیوں جگہ دیں وہ اپنے پہلو میں
داغ داغِ جگر نہ ہو جائے

۸۲

وہاں عاشقوں کو سزا مل رہی ہے
محبت کو تو داد کیا مل رہی ہے

وفا پر مجھے بد دعا مل رہی ہے
خطا کی تھی اُس کی سزا مل رہی ہے

بدلتا نہیں حالِ بیمارِ غم کا
بدل کر دوا پر دوا مل رہی ہے

تری آنکھ تو ہے لڑی لڑنے والی
یہ غیروں سے کیوں بے حیا مل رہی ہے

بہت مرحلِ عشق میں راہ زن ہیں
خضر مجھ کو یہ جابجا مل رہی ہے

یہ ڈر ہے انھیں بیچ میں نہ آجاؤں
کمر سے جو زلفِ رسا مل رہی ہے

کوئی دن کے ہیں یہ جدائی کے صدمے
اثر سے ہماری دعا مل رہی ہے

یہ کس کو غش آیا وہ دامن سے اپنے
ہوا دے رہے ہیں ہوا مل رہی ہے

علاج اور بیمارِ الفت کا کیا ہو
دوا مل رہی ہے دعا مل رہی ہے

مجھے داد دیتے ہیں بے داد کرکے
سزا مل چکی تھی جزا مل رہی ہے

رخِ صاف آئینے سے مل رہا ہے
پھر اس پر ادا سے ادا مل رہی ہے

چبانے لگے ہونٹ وہ بوسہ دے کر
یہ جھوٹے کو اچھی سزا مل رہی ہے

مرے واسطے بزمِ دشمن میں ساقی
مئے ناب میں سکھیا مل رہی ہے

عدو کا ہے نام اس لبِ جاں فزا پر
مسیحا سے گویا قضا مل رہی ہے

ہمارے لیے ہے مرا دل کسی کا
خطا کر رہے ہیں سزا مل رہی ہے

رقیبوں سے کرلی ہے سازش جو میں نے
مجھے آفریں، مرحبا مل رہی ہے
وصالِ دل و جاں در حیرت سے مجھ کو
وفادار سے تو وفا مل رہی ہے
غنی کر رہی ہے محبت کی دولت
مرے حوصلے سے سوا مل رہی ہے
خبر آئی ندا غیر کی وقتِ ریت
یہ مٹی میں کیسی حنا مل رہی ہے
سنی ہے جو ظالم نے تاثیر الٹی
ہماری دعا کو دعا مل رہی ہے
الگ شور محشر سے سنیے کہ نالے
ابھی تو صدا میں صدا مل رہی ہے
بہت ہجر میں بے کسی کا ہے احسان
یہی اک شریک اور شامل رہی ہے
ملو داغ سے تم بھی ہے عید کا دن
گلے آج خلقِ خدا مل رہی ہے

٨٣

زمانہ بتوں پر فدا ہو رہا ہے
خدا کی خدائی میں کیا ہو رہا ہے
ستم ہو کے عذرِ جفا ہو رہا ہے
وہ کیا ہو رہا تھا یہ کیا ہو رہا ہے
وہ مصروفِ ناز و ادا ہو رہا ہے
بڑی دیر سے یہ مرا ہو رہا ہے

اگر قطع ہوتا تو بہتر تھا اس سے
کہ دستِ ہوس نارسا ہو رہا ہے
دھڑکتا ہے دل، کانپتا ہے کلیجا
ادا اس طرح مدعا ہو رہا ہے
مداوا ترے کشتگانِ ستم کا
خدا جانے عقبیٰ میں کیا ہو رہا ہے
یہ آ کر کہا مجھ سے پیغام بر نے
وہاں دشمنوں کا کہا ہو رہا ہے
گھلی جاتی ہے ہجر میں جان اپنی
قضا کا جو حق تھا ادا ہو رہا ہے
مری بدگمانی کا اب کیا ٹھکانا
قسم کھا کے عہدِ وفا ہو رہا ہے
مجھی کو محبت ہے غیروں سے گویا
مجھی سے اب الٹا گلا ہو رہا ہے
تڑپنے کو میرے نیا کھیل سمجھے
کہا دور ہی سے یہ کیا ہو رہا ہے
نہ رکھ میرے سینے پہ تو دستِ نازک
ابھی درد دل میں سوا ہو رہا ہے
خدا شرم رکھ لے مری عاشقی کی
وہاں امتحانِ وفا ہو رہا ہے
ستم ہو جو کم کم تو ہم سہتے جائیں
مگر وہ تو بے انتہا ہو رہا ہے
ادھر غیر دشمن ادھر دوست بدظن
ستم یہ جدا، وہ جدا ہو رہا ہے

کیوں تجھ سے کیا اپنے دل کی حقیقت
برا حال اے دل ربا ہو رہا ہے
تغافل سے اُس کے اَچٹنے لگا دل
برائی میں میرا بھلا ہو رہا ہے
تری خفگیوں کی کروں کیا شکایت
مرا دل بھی تجھ سے خفا ہو رہا ہے
حکت آشنا داغ ملتا تھا سب سے
مگر اب تو وہ آپ کا ہو رہا ہے

۸۴

یہ پیشتر زمیں سے ہے یا آسماں سے ہے
کیا جانے ابتدائے محبت کہاں سے ہے
قربان جاؤں صبرِ دلِ بے قرار کے
پیغام جو یہاں سے نہ تھا وہ وہاں سے ہے
کیا لطفِ زندگی ہے کہ اس زندگی کا لطف
آگے بڑھا ہوا مری عمرِ رواں سے ہے
برسوں وہ مہربان ہیں دم بھر میں کچھ نہیں
مجھ کو تو ہولِ دل ستمِ ناگہاں سے ہے
قاصد کے منہ میں مُہر لگی اُس کے سامنے
اظہارِ مدّعائے زبانی زباں سے ہے
جاتا ہے کون کوئی وہاں جا کے کیا کرے
اک چھیڑ ہم کو مدِ نظر پاسباں سے ہے
باہم ہو جب نفاق بڑھے کیوں نہ گفتگو
دل کو ہے دل سے لاگ زباں کو زباں سے ہے

کھولے ہیں میرے بھید رقیبوں کے سامنے
وہ شکوہ غیر سے بھی جو رازداں سے ہے

اس گھر سے ہم نکلتے ہی مر جائیں گے ضرور
جنت بھی دو قدم پہ تمہارے مکاں سے ہے

پیری میں داغ جوشِ مضامیں سے رنگ پر
اس داغ کی بہار ہماری خزاں سے ہے

۸۵

دن گزارے عمر کے انساں ہنستے بولتے
جان بھی نکلے تو میری جاں ہنستے بولتے

تم مرے گھر میں رہو مہماں ہنستے بولتے
خوب نکلیں وصل کے ارماں ہنستے بولتے

مجھ کو مجبوری نہ تھی اُس کی زبردستی نہ تھی
لے گیا کافر مرا ایماں ہنستے بولتے

اُس نے میرے شعر میں وصفِ صنم سن کر کہا
ہم نہیں اب تجھ سے بے ایماں ہنستے بولتے

یہ تو اُن کی دل لگی ہے یہ تو اُن کی ذات ہے
وعدہ اُٹھتے بیٹھتے، پیماں ہنستے بولتے

پھر تو ساری رات ہوگا مجھ کو رونا پیٹنا
دن تو گزرے، میں ترے قرباں ہنستے بولتے

میں ہنسا بولا اگر تم سے تو کیوں برہم ہوئے
کیا نہیں انساں سے انساں ہنستے بولتے

عار آتی ہے انھیں اب زہر بھی دیتے نہیں
پہلے دیتے تھے بنا کر پان ہنستے بولتے

شوخی تقریر اُس کی لے گئی دل لوٹ کر
ناوک نازوں میں ہوا نقصان ہنستے بولتے

چپ کھڑی روتی ہے تو اے شمع محفل رات بھر
کاش ہو مشکل مری آسان ہنستے بولتے

وہ بلاتے بزمِ دشمن میں تو چپ رہتے نہ ہم
اوپری دل سے ہی ناسکاں ہنستے بولتے

نکتہ چیں ہے غیر اپنے دل اور وہ نازک مزاج
ایسے موقع پر ہوئے نادان ہنستے بولتے

جور سے منشا اُن کو مطلب ظلم سے کیا فائدہ
وہ تو لیتے ہیں پرائی جان ہنستے بولتے

پھبتیوں کا چٹکیوں کا لطف ہے دنگل میں
کھل کھل و بلبل سے لیتی اک آن ہنستے بولتے

آسمان ہر روز رلاتا ہے مار دیتا ہے جب
دیکھ لیتا ہے اگر اک آن ہنستے بولتے

غیر کے گھر رشک کو وہ مہمان ہمسائے میں تھے
سب رہے تھے ہم لگا کر دل ہنستے بولتے

انقلاب دہر سے باقی نہیں ایسا عدم
چار مل کر جمع جگہ انسان ہنستے بولتے

غیر کا مذکور خلوت میں یکایک آ گیا
ناگہاں آفت میں آئی جان ہنستے بولتے

ہو رہے خاموش کیوں مجھ کو دو یہ امید تھی
دیکھ کر تم داغ کا دیوان ہنستے بولتے

٨٦

اپنے دل کا مکان اور ہی ہے
اس میں اک میہمان اور ہی ہے
ملک الموت اس کو کیا لے گا
دل میں عاشق کے جان اور ہی ہے
عشق کے ہیں جدا نشیب و فراز
یہ زمین آسمان اور ہی ہے
سیر جس کی ہمیں ہے مدِ نظر
دوسرا وہ جہان اور ہی ہے
گرچہ ہے وہ کریم بندہ نواز
بے نیازی کی شان اور ہی ہے
یاد ہے تیری، ذکر ہے تیرے
اور ہے دل، زبان اور ہی ہے
تو مٹائے گی اے قیامت کیا
مرمٹوں کا نشان اور ہی ہے
دل مرا کہہ رہا ہے اور ہی کچھ
واعظوں کا بیان اور ہی ہے
اے فلک تیری مہربانی کو جا
داغ کا مہربان اور ہی ہے

٨٧

گر ہو سلوک کرنا احسان کر کے بھولے
احسان کا مزا ہے احسان کر کے بھولے

نشتر سے کم نہیں ہے کچھ چھیڑ آرزو کی
عاشق مزاج کیونکر ارمان کر کے بھولے

وعدہ کیا پھر اس پر تم نے قسم بھی کھائی
کیا بھول ہے کہ ایسا پیمان کر کے بھولے

وعدے کی شب رہا ہے کیا انتظار مجھ کو
آنے کا وہ یہاں تک سامان کر کے بھولے

ایسے کیے پہ نادان ہو آدمی نہ ہرگز
طاعت ہو یا اطاعت احسان کر کے بھولے

خود ہی مجھے بلایا، پھر بات بھی نہ پوچھی
وہ انجمن میں اپنی مہمان کر کے بھولے

یہ بھول بھی ہماری ہے یادگار دیکھو
دل دے کے مفت اپنا نقصان کر کے بھولے

تم سے وفا جو کی ہے، ہم سے خطا ہوئی ہے
ایسا تصور کیونکر انسان کر کے بھولے

آخر تو آدمی تھے نسیان کیوں نہ ہوتا
میری شناخت شب کو دربان کر کے بھولے

اب یاد ہے اسی کی، فریاد ہے اسی کی
سارے جہان کو جس کا ہم دھیان کر کے بھولے

اب عشق کا صحیفہ یوں دل سے مٹ گیا ہے
جس طرح یاد کوئی قرآن کر کے بھولے

اے داغ اپنا احسان رکھے گا یاد قاتل
وہ اور میری مشکل آسان کر کے بھولے

۸۸

کس کی طاقت ہے کرے کوئی برائی آپ کی
ساری دنیا آپ کی ، ساری خدائی آپ کی

کم نہیں تلوار سے یہ کج ادائی آپ کی
مار ڈالا آپ نے ہم کو ، دہائی آپ کی

حلقۂ آغوش ہے یہ حلقۂ گیسو نہیں
کسمسا کر ہو نہ جائے گی رہائی آپ کی

بزمِ دشمن میں مجھے وہ دیکھ کر کہنے لگے
آپ کیوں آئے یہاں ، کیا موت آئی آپ کی

پاسباں سب سو گئے کیا سارے درباں مر گئے
حضرتِ ناصح ہوئی کیوں کر رسائی آپ کی

آستیں میں سے ابھی ظاہر انگلیوں کے ہیں نشاں
کس نے پکڑی زور سے نازک کلائی آپ کی

دل نہ ٹھہرائے ٹھہرتا تھا کسی تدبیر سے
پھر نہ تڑپا جب قسم ہم نے دلائی آپ کی

ہم تو دنیا سے چلے حسرت لیے حسرت بھرے
یاد رہ جائے گی لیکن بے وفائی آپ کی

رات بھر بے وجہ ہم سے وہ مکدّر ہی رہے
وقت رخصت یار کو ہم نے صفائی آپ کی

کیا کہوں جو نزع کی حالت میں دل کا حال ہے
ایک تو عقبیٰ کا غم ، اس پر جدائی آپ کی

ہم نے پہچانا گئے تھے رات کو چھپ کر جہاں
بس جنابِ داغ دیکھی پارسائی آپ کی

٨٩

نکالوں کس طرح خارِ تمنا سخت مشکل ہے
وہ اس ڈر سے نہیں چھوتے کہ یہ کانٹوں بھرا دل ہے

جب ان کا ہاتھ دل کے ہے تو مٹھی میں لیا دل ہے
الٰہی کیا حسینوں کو بھی دستِ غیب حاصل ہے

وہ دو مجھ کو مجھے باور یہ زعمِ باطل ہے
خدا کا جو نہیں قائل وہ کب بندے کا قائل ہے

بھلا دیکھیں تو باری کون لے جائے محبت میں
تم اپنے نام کے دلبر، ہم اپنے نام کا دل ہے

قدم رکھو جو آنکھوں پر تو آپ کا وصل ہو جائے
ہماری آنکھ میں تل ہے تمہارے پاؤں میں تل ہے

کبھی یکتا ہے سب سے کبھی وہ آشنا سب کا
کبھی محفل میں خلوت ہے کبھی خلوت میں محفل ہے

سنی جب آہ مجنوں کی تو دی آواز لیلیٰ نے
تجھے ہم سے غرض کیا ہے یہ ناقہ ہے یہ محمل ہے

گریزاں ہے تمامِ امن سائے سے مرے کوسوں
کہ پیچھے پیچھے میں ہوں میرے آگے آگے منزل ہے

بھروسا ہے خدا پر، ناخدا سے التجا کیسی
مری کشتی ہی ساحل ہے مری کشتی میں ساحل ہے

مسافر بھی مسافر ناتواں راہیں بھی سخت ایسی
جہاں ہم کھا کے ٹھوکر گر پڑے اپنی وہ منزل ہے

بڑھا رہتا ہے کیا کیا طالبِ دیدار ہو ہو کر
مرے پائے نگہ پر بھی گمانِ دستِ سائل ہے

اٹھایا شوق نے اٹھے، بٹھایا ضعف نے بیٹھے
یہی رستے کا رستہ ہے، یہی منزل کی منزل ہے

کیا ہے غم نے ایسا ناتواں اے نازنیں دل کو
ترا دستِ تسلی بھی مرے سینے پہ اک سِل ہے
خدا سے بھی دعا مانگو تو یہ کہتا ہے وہ کافر
ذرا غیرت نہیں ، کیا بے حیا بے صبر سائل ہے
یہ اے صیّاد اک پہلو نکل آیا رہائی کا
اسیروں میں ترے جو چھوٹ جائے وہ مرا دل ہے
نہ گھبرا عقدۂ دشوار سے اے داغ تو ہرگز
قسم مشکل کشا کی یہ کوئی مشکل میں مشکل ہے

۹۰

قرینے سے عجب آراستہ قاتل کی محفل ہے
جہاں سر چاہیے سر ہے جہاں دل چاہیے دل ہے
ہر اک کے واسطے کب عشق کی دشوار منزل ہے
جسے آساں ہے آساں ہے جسے مشکل ہے مشکل ہے
رہے تقدیر کس آرام و راحت سے وہ بسمل ہے
کہ جس کے سر کا تکیہ دیر سے زانوئے قاتل ہے
طریقِ عشق کچھ آساں ہے کچھ ہم کو مشکل ہے
ادھر رہبر ادھر رہزن یہی منزل بمنزل ہے
مجھے تجھ سے رکاوٹ اور تو غیروں پہ مائل ہے
مرا دل اب ترا دل ہے ترا دل اب مرا دل ہے
بڑھا دل اس قدر فرطِ خوشی سے وصل کی شب کو
مجھے یہ وہم تھا پہلو میں یہ تکیہ ہے یا دل ہے
تری تلوار کے قربان اے سفاک کیا کہنا
ادھر کشتے پہ کشتہ ہے ادھر بسمل پہ بسمل ہے

عدم میں لے چلا ہے رہنمائے عشق کیا مجھ کو
یہی کہتا ہے آ پہنچے ہیں تھوڑی دور منزل ہے
آنکھیں جب سپہرناں پاکر سوالِ وصل کر بیٹھا
دی آواز سے سر ما کے وہ بولے یہ مشکل ہے
ستم بھی ہو تو مجھ پر ہو جفا بھی ہو تو مجھ پر ہو
مجھے اس رشک نے مارا وہ کیوں عالم کا قاتل ہے
مسیحا نے مرے بیمار کو دیکھا تو فرمایا
نہ یہ جینے کے قابل ہے نہ یہ مرنے کے قابل ہے
زبردستی تو دیکھو ہاتھ رکھ کر میرے سینے پر
وہ کس دعوے سے کہتے ہیں ہمارا ہی تو یہ دل ہے
ہمارے دل میں آ کر سیر دیکھو خوب رویوں کی
کہ اِندر کا اکھاڑا ہے ، پری زادوں کی محفل ہے
مدارج عشق کے طے ہو سکیں یہ ہو نہیں سکتا
زمیں سے عرش تک اے بے خبر منزل نہ منزل ہے
جھڑکتے ہو مجھے کیوں دور ہی سے پاس آنے دو
بڑھا کر ہاتھ دل دیتا ہوں تم سمجھے ہو سائل ہے
سنا بھی تو نے اے دل کیا صدا آتی ہے محشر میں
یہی دن امتحاں کا ہے ہمارے کون شامل ہے
اڑاتے ہیں مرے دنیا کے ہم اے داغ گھر بیٹھے
دکن میں اب تو افضل گنج اپنی عیش منزل ہے

۹۱

اسے کیوں چھینتے ہو اے بتو کیا اس سے حاصل ہے
خدا کے واسطے چھوڑو ، خدا کے نام کا دل ہے

مرے سینے میں تیغِ عشق سے کیا رقصِ بسمل ہے
پھڑکنے کے لیے دم ہے، تڑپنے کے لیے دل ہے
یہ کیوں تیغِ ادا سے مضطرب مانندِ بسمل ہے
الٰہی کیا کلیجے کے بھی اندر دوسرا دل ہے؟
شمار اُس کی جفاؤں کا بھی روزِ حشر مشکل ہے
حسابِ صدمۂ عشاق کس گنتی میں داخل ہے
شہادت مری فریادوں کی اس سے بڑھ کے کیا ہوگی
فرشتے لکھتے ہیں بیٹھے ہوئے آواز سائل سے
وہ جودت طبع میں ہے پاؤں کی آہٹ کو پہچانے
پسِ پشت اُس کے جو آتا ہے وہ گویا مقابل ہے
کبھی کہتا ہے اُس کی سی کبھی کہتا ہے میری سی
یہ اُس کا ہے مرے پہلو میں یار یا مرا دل ہے
شناور ہو تو کیا اندیشہ گردابِ محبت میں
لگائے ہاتھ جب دو چار پھر نزدیک ساحل ہے
ستم دیکھو وہ مسکن ڈھونڈتے ہیں اپنے بسمل کی
کہ اپنا دم چرانا بھی وہاں چوری میں داخل ہے
کیا دیوانگی میں وہ جب سے چارہ سازوں نے
مجھے یہ دھن لگی ہے میرے پھندے میں سلاسل ہے
تری صورت مری آنکھیں تری گھاتیں مری باتیں
یہ مشہور زمانہ ہیں، زمانہ اُن کا قائل ہے
عدو کو بھی عدو میں پیٹھ پیچھے کہہ نہیں سکتا
وہ فرماتے ہیں توبہ کر کہ یہ غیبت میں داخل ہے
تجھے کیا دوست جنوں کیا سمجھا تجھ کو مانوں میں
نہیں ہے تو بھی دشمن ہے نہیں ہے تو بھی قاتل ہے

مری تصویر سے یوں چھیڑ کی باتیں وہ کرتے ہیں
ذرا کم بخت منہ سے بول تو کس بت پہ مائل ہے
مرے شوقِ شہادت پر ذرا تو رحم کر قاتل
تری تلوار میں دم ہے، ترے بیکاں میں دل ہے
ہمیں پاسِ محبت سے طرح دیے جاتے ہیں اکثر
وگرنہ کیا تمھارے ہتکنڈوں سے کوئی غافل ہے
الٰہی آتشِ رخسارِ جاناں ہی بھڑک اٹھے
الٰہی آگ لگ جائے اسے جو پردہ حائل ہے
خدا رکھے سلامت شاہ آصف کو قیامت تک
عجب سلطانِ باذل ہے، عجب سلطانِ عادل ہے
مٹا دیتے ہیں لفظِ داغ میں سے بھی وہ قطعے کو
سمجھتے ہیں کہ اس مشتاق کی یہ آنکھ کا تل ہے

۹۲

طبع بگڑی ہوئی ظالم کی سنبھالی نہ گئی
جو گرہ دل میں پڑی پھر وہ نکالی نہ گئی

کب مجھے دیکھ کے تلوار نکالی نہ گئی
جب نکالی تو نزاکت سے سنبھالی نہ گئی

وار پورا ہی پڑا اس کا دلِ عاشق پر
چوٹ تیغ نگہ یار کی خالی نہ گئی (؟)

کام اے چرخ ہزاروں کے نکالے تو نے
ایک حسرت دلِ عاشق کی نکالی نہ گئی

بے حیا ہم نے شبِ ہجر سی دیکھی نہ سنی
کون سے روز یہ آئی کہ نکالی نہ گئی

یاد آتے رہے دنیا کے حسیں شوخ و شریر
خلد میں بھی مری آشفتہ خیالی نہ گئی

ایسے عاشق کو نہیں دردِ محبت کا مزا
جس سے بیماریِ غم عشق میں پالی نہ گئی

غیر کے سامنے بے پردہ ہوئے تھے اک بار
پھر نقاب اُن سے کبھی چہرے پہ ڈالی نہ گئی

تو بھی بے چین ہوا دل کے ستانے والے
دردمندوں کی دعا دیکھ لے خالی نہ گئی

خاک کیا ڈالتے وہ تذکرۂ دشمن پر
نیچی گردن بھی کبھی شرم سے ڈالی نہ گئی

اُس کے بوسے جو تصور میں لیے تھے میں نے
لب سے مستی نہ چُھٹی، پان کی لالی نہ گئی

اس سے بڑھ کر نہیں میخوار پہ دوزخ میں عذاب
باغِ جنت سے جو انگور کی ڈالی نہ گئی

شکر کو شکوۂ بے داد سمجھ کر بگڑے
میں نے دی تم کو دعا تم سے دعا لی نہ گئی

صورت آئنہ تھا سامنے وہ آئنہ رو
آنکھ میں آنکھ مگر خوف سے ڈالی نہ گئی

فیض کیا پیر مغاں کا ہے کہ اُس کے در پر
جتنی مخلوقِ خدا آئی وہ خالی نہ گئی

زلف میں رکھ کے مرے دل کو گرا آئے کہاں
یہ رقم بیش بہا جیب میں ڈالی نہ گئی

ناتوانی میں ہوا سے مرے پر اڑتے ہیں
چھوٹ کر دام سے بھی بے پر و بالی نہ گئی

نور منہ پر مری میت کے جو دیکھا تو کہا
قبر میں بھی ترے چہرے کی بحالی نہ گئی

نامہ بر خط میں مری آنکھ بھی رکھ کر لے جا
کیا گیا تو جو یہی دیکھنے والی نہ گئی

پاؤں میں پڑنے لگے زلفِ دوتا کے پھندے
یہ اٹھائی نہ گئی تم سے سنبھالی نہ گئی

بات مطلب کی رہی دل ہی میں اس کے آگے
لب تک آئی تو سہی منہ سے نکالی نہ گئی

خاک بھی اپنی رہی دوش ہوا پر ہی سوار
کبھی پستی کی طرف ہمتِ عالی نہ گئی

ساقیا تو نے سبو بھر کے دیے رندوں کو
شیخ صاحب کی طرف ایک پیالی نہ گئی

خوب دنیا ہی میں ارمان نکلتے اپنے
حورِ جنت سے مگر کوئی نکالی نہ گئی

دن قیامت کا گزاروں کا الٰہی کیوں کر
ہجر کی سخت گھڑی ایک بھی ٹالی نہ گئی

تادمِ مرگ ہے بے مہر سے امید وفا
داغ افسوس تری خام خیالی نہ گئی

۹۳

مرے جاتے ہیں تیری بے وفائی دیکھنے والے
چراغِ صبح ہیں شامِ جدائی دیکھنے والے

ہمی ٹھہرے ترے اک اک برائی دیکھنے والے
دکھائی، بے وفائی، کج ادائی دیکھنے والے

رہے حیرت میں تیری آشنائی دیکھنے والے
برائی دیکھنے والے، بھلائی دیکھنے والے

ید بیضا جو چمکا کر دکھائیں حضرت موسیٰ
نہ دیکھیں ہم ترا دست حنائی دیکھنے والے

سبھی کیوں لن ترانی طور پر کہوا دئیں کیا حاصل
کہ مستی دی تیری خود نمائی دیکھنے والے

ہماری جان کی پروا نہیں کس کر دیکھے اے قاتل
بہت ہیں ہاتھ کی تیری صفائی دیکھنے والے

کہاں ہے اب ترا ثانی ذرا انصاف سے دیکھیں
مری آنکھوں سے تیری دل ربائی دیکھنے والے

اس آئینے کا جوہر اور ہی جلوہ دکھاتا ہے
مرا دل دیکھ عارض کی صفائی دیکھنے والے

ہوا کیوں بعض میری دیکھ کر اپنے چارہ گر سکتہ
غضب ہے کیا تجھے بھی موت آئی دیکھنے والے

بلائیں شاخ گل کی باغ میں جا جا کے لیتے ہیں
تصور میں تری نازک کلائی دیکھنے والے

ہوا سے اڑ گئی ہوگی کہ ایسا ہو ہی جاتا ہے
خفا ہے تو نے کب چلمن اٹھائی دیکھنے والے

کیا ہے تو نے قتل عام اے سفاک کچھ ایسا
پھرا کرتے ہیں گلیوں میں صفائی دیکھنے والے

بھلائی سے تری ہم کو غرض ہے وہ عدو ہوں گے
برائی سننے والے ہیں برائی دیکھنے والے

درے تیر نگہ کی کیا داؤں پر چوٹ پڑتی ہے
یکایک دینے لگتے ہیں دہائی، دیکھنے والے

مرے سینے میں چشم جنگجو نے کچھ نہیں چھوڑا
صفائی ہوگئی دیکھیں لڑائی دیکھنے والے

ذرا اپنے گریباں میں تو وہ منہ ڈال کر دیکھیں
ہوئے ہیں دوسروں کی جو برائی دیکھنے والے

جھجکتا کیوں ہے میرے قتل سے کیا مجھ سے لاکھوں ہیں
لگا تو ہاتھ اے نازک کلائی دیکھنے والے

جناب شیخ کی حالت تو اب ہے دید کے قابل
ذرا رندی بھی دیکھیں پارسائی دیکھنے والے

ملی تھی آنکھ میری روزنِ در سے کہ وہ بولے
بھلا دیکھا ہے تیری شامت آئی دیکھنے والے

وہ سو پردوں میں بھی بیٹھیں تو ہرگز چھپ نہیں سکتے
وہاں تک کر ہی لیتے ہیں رسائی دیکھنے والے

حسد سے نکتہ چیں یا عیب بیں ہیں دوسروں کے سوتے ہیں
بہت کم دیکھے آپ اپنی برائی دیکھنے والے

کسی کا نقد دل ہو وہ بھی گویا مال ان کا ہے
نہیں معشوق چیز اپنی پرائی دیکھنے والے

یہ مظہر ہے اسی کا داغ جو کچھ تم نے دیکھا ہے
خدا پر رکھ نظر شانِ خدائی دیکھنے والے

۹۳

ہوش آتے ہی حسینوں کو قیامت آئی
آنکھ میں فتنہ گری دل میں شرارت آئی

کیا تصور ہے نہایت مجھے حیرت آئی
آئنے میں بھی نظر تیری ہی صورت آئی

اس ادا سے دمِ رفتار قیامت آئی
ایسے ہم کیوں نہ ہوئے ان کو یہ حسرت آئی

روزِ محشر جو مری داد کی نوبت آئی
یہ گئی وہ گئی کب ہاتھ قیامت آئی

اب اُسی پر تو ہے تاکید وفاداری کی
جب گیا جان سے میں غیر کی شامت آئی

روزِ محشر جو گھٹا دردِ جگر ، میں سمجھا
دن دہاڑے مرے آگے شبِ فرقت آئی

کہہ گئے طعن سے وہ آ کے مرے مرقد پر
سونے والے تجھے کس طرح سے راحت آئی

بن سور کر جو وہ آئے تو یہ میں جان گیا
اب گئی جان ، گئی آئی طبیعت آئی

رکھ دیا منہ پہ مرے ہاتھ شبِ وصل اُس نے
بے حجابی کے لیے کام شکایت آئی

جب یہ کھاتا ہے مرا خونِ جگر کھاتا ہے
دلِ بیمار کو کس چیز پہ رغبت آئی

گرچہ ازحد ہوں گنہگار مسلمان تو ہوں
پیچھے پیچھے مرے دوزخ میں بھی جنت آئی

میں ہوا شیفتہ آپ پر ، وہ عدو پر شیدا
ساتھ کے ساتھ ہی دونوں کی طبیعت آئی

عمر بھر اُس کو کلیجے سے لگائے رکھا
تیرے بیمار کو جس درد میں لذت آئی

ہجر میں جان نکلتی نہیں کیا آفت ہے
مار کر آج اجل کو شبِ فرقت آئی

اپنے دیوانوں کو دیکھا تو کہا گھبرا کر
یہ نئی وضع کی کس ملک سے خلقت آئی

جذبِ دل کھینچ ہی لایا اُنھیں میرے در تک
پاؤں پڑتی ہوئی ہرچند نزاکت آئی

روٹھنا بھی تو ادا ہے وہ بناوٹ ہی سہی
پیار پر پیار ، محبت پہ محبت آئی

یوں تو پامال ہوئے سیکڑوں مٹنے والے
پہلے گنتی میں جو آئی مری تربت آئی

حشر کا وعدہ بھی کرتے ہیں وہ کہتے ہیں
فرض کر لو جو کئی بار قیامت آئی

دخترِ رز نے تو دل چھین لیا زاہد کا
خود بدولت یہی سمجھے ہے کہ دولت آئی

داغ گھبراؤ نہیں اب کوئی دم کے دم میں
لو مبارک ہو ترقی کی بھی ساعت آئی

۹۵

الٰہی راہ سیدھی کب تری اُمت کی لیتا ہے
کوئی دوزخ کی لیتا ہے ، کوئی جنت کی لیتا ہے

لگاوٹ میں بھی آنکھ ڑی آرزو سے اک آفت کی لیتا ہے
اُچک لیتا ہے جب یہ دل نئی صورت کی لیتا ہے

ستم گر کو ہمیشہ پیار آتا ہے ستم گر پر
بلائیں بحت بد کیا کیا شبِ فرقت کی لیتا ہے

حنائی قدمی اُس کی یاد آتی ہے جو فرقت میں
ہمارے دل میں چٹکی درد کس آفت کی لیتا ہے

یہاں تک خود پرستی اور خود بینی ہے آفت کو
مصوّر سے بھی تصویر اپنی ہی صورت کی لیتا ہے

کسی کی ٹھوکریں کھا کر تڑپتا ہے اس قدر ربّہ
کہ جو آتا ہے وہ مٹی مری تربت کی لیتا ہے
جناب واعظ اکثر دوت کی لیتے ہیں منبر پر
مگر اب کوئی رند آ کر خبر حضرت کی لیتا ہے
نہ کیوں افسوس آئے کوہ کن کی بدنصیبی پر
ہر اک مزدور اجرت کام کی محنت کی لیتا ہے
شراب ناب ہو ہر قسم کی اے پیر مے خانہ
پلا کر مجھ کو پھر یہ پوچھ کس قیمت کی لیتا ہے
سمجھتا ہوں کہ اس کو دیر ہو جاتی ہے برسوں کی
مرا قاصد جو مہلت ایک ہی ساعت کی لیتا ہے
مقابل میں پری رویوں کے کوئی داغ کو دیکھے
یہ بن جاتا ہے دیوانہ عجب وحشت کی لیتا ہے

۹۶

وہ مجھ کو دیتے ہیں گالی سلام سے پہلے
سلام کرتی ہے دنیا کلام سے پہلے
اگرچہ تھا وہ برائی سے، رشک اس کا ہے
عدو کا نام لیا میرے نام سے پہلے
سرور مجھ کو رہے روزِ عید تک ساقی
پلا دے اتنی تو ماہِ صیام سے پہلے
جو کوستے بھی ہیں اہلِ وفا کو نام بنام
شروع کرتے ہیں وہ میرے نام سے پہلے
خط ان کے ہاتھ میں قاصد نہ یک بیک دیدے
کرے خوش ان کو زبانی پیام سے پہلے
لیا ہے بوسہ خطا کی ہے بدلہ کیا ہوگا
بتادیں آپ مجھے انتقام سے پہلے

یہی زبان ہے کیا وہ یہی ہے طرزِ سخن
لیا تھا آپ نے دل جس کلام سے پہلے

سوال جانے کا جلدی نہ ہو یہ دھڑکا ہے
وہ آج وعدے پہ آئے ہیں شام سے پہلے

کہیں گے ہم تو نہ شمشاد و سرو تو آزاد
زمانہ چھوٹ تو لے تیرے دام سے پہلے

کریں وہ کس لیے تکلیف پائمالی کی
مٹائے دیتی ہیں نظریں خرام سے پہلے

وہ دل کو لے کے مجھے پھر کریں گے حسرت نا
آنکھیں وداع دو ہو ایک کام سے پہلے

پھر اپنے روئے منور کو آئنہ کہیے
ملا تو لیجیے ماہِ تمام سے پہلے

جو گھونٹ گھونٹ کے رکھا تو دل کو پیار کیا
مصیبت ایسی نہ دیکھی روک تھام سے پہلے

طریقِ عشق میں رکھیں گے ہم تو بعد قدم
مسلمان کے حضور علیہ السلام سے پہلے

سنی ہے خوش خبری جب تو اُن کے آنے کی
چراغ گھی کے جلاتا ہوں شام سے پہلے

یہ کیا کہ بزم میں غیروں کے گرد پھرتے ہو
یہ دور تازہ ہوا دورِ جام سے پہلے

نہیں سا شہرِ محبوب سا کوئی اے داغ
بہت نظام ہوئے اس نظام سے پہلے

۹۷

ہوا جب سامنا اُس خوب رو سے
اُڑا ہے رنگ گل کا پہلے لو سے

یہ آنکھیں تر جو رہتی ہیں لہو سے
وہ گزرے عشق کے دریں آبرو سے

اسے کہیے سوادِ نامۂ عشق
اُسے لکھا ہے خط اپنے لہو سے

دھواں سی کر اُڑی مسی کی رنگت
یہ کس کے دل کے تیرے ہونٹ چوسے

رقیبوں کو تمنّا ہے دو ناشد
تمھیں مطلب پرائی آرزو سے

وہ گل تکیہ مرے مرقد میں رکھنا
معطّر ہو جو زلفِ مشک بو سے

نئی ضد ہے کہ دل ہم مفت لیں گے
بھلا کیا فائدہ اس گفتگو سے

عدو بھی تم کو چاہے اے تری شان
لڑاتے ہیں ہم اپنی آرزو سے

ہوا ہے تُو تو شاہد باز اے دل
بچاؤں تجھ کو کس کس خوب رو سے

لگا رکھی ہے خاک اُس رہ گزر کی
تیمّم اپنا بڑھ کر ہے وضو سے

ہمارا دل اُسے اب ڈھونڈتا ہے
تھکے ہیں پاؤں جس کی جستجو سے

خدا جانے چھلاوا تھا کہ بجلی
ابھی نکلا ہے کوئی روبرو سے
ہوا ہے داغ، آصف کا نمک خوار
گزر جائے الٰہی آبرو سے

۹۸

اک وار جگر پر نگہِ یار سے ہو جائے
تلوار کا جو کام ہے تلوار سے ہو جائے
پھر کون سی امید رہی لطف و کرم کی
جب فیصلہ ہی آپ کے انکار سے ہو جائے
دل لے ہی چکے ہو تو سے کے دینے میں ہے کیا عذر
ایسا نہ ہو تکرار خریدار سے ہو جائے
منہ غیر کا دیکھے نہ تری نرگسِ بیمار
اچھا ہے یہ پرہیز جو بیمار سے ہو جائے
یہ پاؤں چلیں میں جو قدم طور پر رکھتوں
نظارہ جو آس روزنِ دیوار سے ہو جائے
تم نیم اشارے پہ نہ تو آنکھیں نہ نکالو
اک آدھ خطا کیا جو خطاوار سے ہو جائے
پھر دیکھے کوئی آئینہ دل کی صفائی
یہ صاف جو عکسِ رخِ دلدار سے ہو جائے
رستے میں بھی تھما نہیں زاہد کا وظیفہ
مٹ بھیڑ الٰہی کسی میخوار سے ہو جائے
تم لطف کرو جان دیے دیتے ہیں عاشق
جو قہر سے ہو کام وہی پیار سے ہو جائے

کوثر کو بھی دیکھوں نہ کبھی آنکھ اٹھا کر
سیری جو ترے شربتِ دیدار سے ہو جائے

اللہ کرے محتسبِ شہر کی ان بن
ہو جائے کسی رندِ قدح خوار سے ہو جائے

اس بات پہ ہنستے نہیں کیوں حضرتِ واعظ
بخشش کی یہاں شرط گنہ گار سے ہو جائے

اے داغ اسے لطف و عنایت کا مزا کیا
جس دل کو محبت ستمِ یار سے ہو جائے

۹۹

افسوس ہے جو چاہیے آتی نہیں آتی
جا کر یہ دعا بار خدائی نہیں آتی

افسانہ مرا سن کے وہ بولے تو یہ بولے
کچھ اپنی سمجھ میں یہ کہانی نہیں آتی

دل فکر کے دریا میں یہ جب تک نہ ڈبوئے
شاعر کی طبیعت میں روانی نہیں آتی

مانا کہ وہ قاصد کو نہ دیں ہاتھ کا چھلا
خط میں بھی تو ملفوف نشانی نہیں آتی

وعدے کے لیے چاہیے تحریر ہو مُہری
کچھ کام یہ تقریر زبانی نہیں آتی

کیا قتل کرے گا وہ جسے گھات نہ آئے
تجھ کو ادا اے دشمنِ جانی نہیں آتی

تاثیر مئے ناب کی کیا روح فزا ہے
کچھ اس سے طبیعت پہ گرانی نہیں آتی

اس پردے کی ہے وجہ جو سمجھے تو یہ سمجھے
تم کو ابھی صورت ہی دکھانی نہیں آتی

یہ سچ ہے تجھے دل کا لگانا نہیں آتا
تلوار تمہیں بھی تو لگانی نہیں آتی

ہے مختصر اتنا ہی سخن عشق ہے تم سے
جھوٹی تو مجھے رام کہانی نہیں آتی

وہ شمع کی تعریف کریں بزم میں صد حیف
اے آہ تجھے شعلہ فشانی نہیں آتی

طول شب ہجراں سے نہ گھبرا دل بے تاب
اللہ کو کیا رات گھٹانی نہیں آتی

گرتے پہ مرے برق تبسم بھی تو چمکے
پانی میں تمہیں آگ لگانی نہیں آتی

اغیار کو ہے ورد زباں سورۂ یوسف
غیرت تجھے اے یوسف ثانی نہیں آتی

اس درد سے رویا تھا کہ وہ پوچھتے آنسو
آنکھوں کو مری اشک فشانی نہیں آتی

اٹھ سکتی نہیں نرگس بیمار تمہاری
بیمار کی تم کو نگرانی نہیں آتی

اس داغ کو مرجھائے ہوئے پھول سے پوچھو
پیری میں کسے یاد جوانی نہیں آتی

قاصد نے کہا سن کے مرا حال پریشاں
بندے کو تو یہ مرثیہ خوانی نہیں آتی

اے داغ ڈرو اس لب اعجاز نما سے
کچھ کام وہاں سحربیانی نہیں آتی

١٠٠

ہاتھ نکلے اپنے دونوں کام کے
دل کو تھاما اُن کا دامن تھام کے

گھونٹ ہی کر بادۂ گلفام کے
اوس سے لے پیتا ہوں خالی جام کے

رات دن پھرتا ہے کیوں اے چرخ پیر
تیرے دن ہیں راحت و آرام کے

اس نزاکت کا برا ہو نرم سے
اُٹھے ہیں وہ دستِ دشمن تھام کے

چشمِ مستِ یار کی اک دعوہ ہے
آج کل ہیں دور دورے جام کے

یا جگر میں یا رہے گا دل میں تیر
یہ ہی دو رستے تو ہیں آرام کے

وہ کریں عہدِ وفا اچھی کہی
مجھ پہ ردے رکھے ہیں الزام کے

جب قدم دیکھے سے رکھا سوئے دیر
دستار الجھے جامۂ احرام کے

خوش ہیں وہ دورِ فلک سے آج کل
دن پھرے ہیں گردشِ ایام کے

آ گیا ہے بھول کر خط اس طرف
وہ تو عاشق ہیں مرے ہم نام کے

ہاتھ سے صیاد کے گر کر چھری
کٹ گئے حلقے ہمارے دام کے

قاصدوں کے منتظر رہنے لگے
پڑ گئے اُن کو مزے پیغام کے

کیا کسی درگہ میں جانا ہے آج
صبح سے ساماں ہیں حمام کے

پوچھتے ہیں حضرت زاہد سے رند
دام کیا ہیں جامۂ احرام کے

اب اُتر آئے ہیں وہ تعریض پر
ہم جو عادی ہوگئے دشنام کے

دعویِ عشق و وفا پر یہ کہا
سب بجا لیکن مرے کس کام کے

بن سنور کر کب بگڑتا ہے بناؤ
صبح تک رہتے ہیں جلوے شام کے

جور سے یا لطف سے پورا کیا
آپ پیچھے پڑ گئے جس کام کے

ہے گدائے مے کدہ بھی کیا حریص
بھر لیے جھولی میں ٹکڑے جام کے

نالہ و فریاد کی طاقت کہاں
بات کرتا ہوں کلیجا تھام کے

خوگرِ بیداد کو راحت ہے موت
بھاگتا ہوں نام سے آرام کے

داغ کے سب حرف لکھتے ہیں جدا
ٹکڑے کر ڈالے ہمارے نام کے

١٠١

ہجرِ جاناں میں گئی جان بڑی مشکل سے
میری مشکل ہوئی آسان بڑی مشکل سے

ضعف تھا مانعِ آرائشِ وحشت کیا کیا
ہاتھ آیا ہے گریبان بڑی مشکل سے

بھولے بھالے ہیں فرشتوں کو کوئی پھسلا دے
مانتا ہے مگر انسان بڑی مشکل سے

دل ہی مجبور جو کر دے تو کرے کیا کوئی
اٹھتے ہیں غیر کے احسان بڑی مشکل سے

پہلے تکرار پھر انکار انہی سے وعدہ
وصل کے نکلے ہیں ارمان بڑی مشکل سے

کیا کرے دیکھیے کل وہ نگہِ غارت گر
بچ گیا آج جو ایمان بڑی مشکل سے

خونِ دل دیدۂ گریاں نے بہایا سیروں
یہ بھرا جائے گا نقصان بڑی مشکل سے

مجھ کو خیال نے اٹھایا جو زانو سے کہا
ایسے ہوتے ہیں پشیمان بڑی مشکل سے

جب کسی زلفِ پریشان کا خیال آتا ہے
جمع پھر ہوتے ہیں اوسان بڑی مشکل سے

گھر سے جاتے ہیں ہمارے بڑی آسانی سے
اور آتے ہیں وہ مہمان بڑی مشکل سے

دشتِ الفت ہے بازی گہِ طفلاں اے دل
ہاتھ آتا ہے یہ میدان بڑی مشکل سے

مجھ کو مشتاق وصال اُس نے جو پایا تو کہا
اب کوئی آئے گا مہمان بڑی مشکل سے

دم میں دم ہے جو مرے دل کے تو اے تیر فگن
ٹوٹ کر نکلیں گے پیکان بڑی مشکل سے

ہر گرہ میں جو گرفتار رہا ایک اک دل
زلف پھر ہوگی پریشان بڑی مشکل سے

اُن کے دروازے کی زنجیر لگی ہو نہ کہیں
کچھ پسیجا تو ہے دربان بڑی مشکل سے

جاں نثاروں میں ہمی ہیں یہ تمھیں یاد رہے
ورنہ دیتا ہے کوئی جان بڑی مشکل سے

اس سے بہتر ہے وہ دن رات تصور میں رہیں
بیٹھے پہلو میں تو اک آن بڑی مشکل سے

کیا ہر اک مرحلۂ عشق ہے دشوار گرار
طے ہو آسان سا آسان بڑی مشکل سے

لے گئے کوچے کے بت خانے سے ہم مسجد میں
کل ہوا داغ مسلمان بڑی مشکل سے

۱۰۲

چل سکے گا کیا نہ جس میں دم رہے
تم چلے اے جانے والو ہم رہے

وہ رہیں خوشیاں، نہ ویسے غم رہے
یاد کرنے کے لیے اب ہم رہے

آتے آتے وہ ادھر کو تھم رہے
دم الٰہی اور کوئی دم رہے

کیوں نہ تیری یاد تیرا غم رہے
جب ذرا سے دل میں اک عالم رہے

بے نیازی کی کچھ آخر حد بھی ہے
گردنِ تسلیم کب تک خم رہے

اس کو کھو کر پائی ہے راحت بہت
دل رہا جب تک ہزاروں غم رہے

شکر ہو ہر حال میں غم ہو کہ عیش
جس طرح رکھتا خدا نے ہم رہے

شوق میں جنّت کے ہے مٹی خراب
چین سے دنیا میں کیا آدم رہے

مر کے چھوٹے، مل گئی ہم کو نجات
خوش رہو تم خوش تمھارا غم رہے

شرط تھی دیکھیں وفا کرتا ہے کون
اس میں بیٹھے تم رہے یا ہم رہے

یوں محبت میں بسر اوقات کی
دشمنوں سے بھی تو مل کر ہم رہے

زندگی کا لطف ہے اس شخص کو
رات دن جس کا تجھی میں دم رہے

ہو چکا چہلم بھی عاشق کا، مگر
حکم ہے برسوں یوں ہی ماتم رہے

شوق میں، ارمان میں، آزار میں
ہم نہ دنیا میں کسی سے کم رہے

چاہتا ہے شوقِ بسمل وقتِ ذبح
دم رہے خنجر میں جب تک دم رہے

دیکھ کر دن بھر کسی کو حشر میں
دیکھیے عالم کا کیسا عالم رہے

ایسے رہنے سے نہ رہنا ٹھیک تھا
جب نہ رہنے کو جہاں میں ہم رہے

کیا دکھاؤں اشک اے خورشید رو
دھوپ میں کس طرح سے شبنم رہے

اُس کے لانے کو گئے تھے ہم نشیں
کیا غضب ہے وہ وہی جا کر جم رہے

ہاتھ جوڑے ، پاؤں پر اُن کے گرا
پھر بھی وہ برہم ہی کے برہم رہے

دل رہا آگے نگاہ شوق سے
اور کوسوں دل سے آگے ہم رہے

لطف کیا اُس وصل کا جب رات بھر
خندۂ گل گریۂ شبنم رہے

اُس کی راہ شوق میں ثاقب قلم
کوئی رہ سکتا ہے جیسے ہم رہے

جب ہے کیفیت رہوں یوں اُس کے ساتھ
نشہ و مے جس طرح تو ام رہے

پھر ہمیں ہم تھے ہمارا پاس تھا
سامنے آنکھوں کے جب تک ہم رہے

اشک حسرت ہو کہ ہو اشک طرب
آنکھ مَیں عاشق کے کچھ کچھ نَم رہے

کوستے تھے پیشتر تم داغ کو
اب دعا دیتے ہو تیرا دم رہے

۱۰۳

برپا ہو نہ کیوں فتنہ ہر اک شوخ حسیں سے
ان پتلوں کی خلقت ہے قیامت کی زمیں سے

دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو، جہنم ہو کہ جنت
دلوائے خدا اک بتِ طنّاز کہیں سے

تو دور نہ کھینچ آپ کو اس اے فلک اتنا
سب کام زمانے کے نکلتے ہیں زمیں سے

یہ رشک ہے مجھ کو کہ تری راہ گزر میں
نقشِ قدم اپنا بھی مٹاتا ہوں زمیں سے

وہ دل میں ہے کچھ دل سے تو ہو جاتی ہیں باتیں
کس طرح کروں بات بتِ پردہ نشیں سے

وہ شوق، وہ ارمان، وہ حسرت، وہ تمنا
اک آن میں سب خاک ہوئے تیری نہیں سے

برپا ہے ترے دل کی کدورت سے قیامت
یہ خاک مگر آئی ہے محشر کی زمیں سے

کیوں جھوٹی قسم کھا کے مجھے دیکھ رہے ہیں
آئے کہ نہ آئے تمھیں کیا میرے یقیں سے

ہوتا ہے مجھے نشۂ صہبا میں عجب وصل
گرتا ہوں زمیں پر وہ اٹھاتے ہیں زمیں سے

تاثیر خدا دے تو مری آہ میں آئے
کیا کھینچ کے لے آؤں اسے عرشِ بریں سے

سر کاٹ کے رکھ دوں گا رہِ دوست میں اپنا
سجدہ مجھے کرنا نہیں آتا ہے جبیں سے

۱۰۳

اپنا دل گم گشتہ بھی کیا تیری کمر ہے
مل جائے گا وہ ڈھونڈ ہی لائیں گے کہیں سے

کرتا ہے غمِ عشق مرے دل کی خرابی
برباد نہ ہوتا ہے مکاں ایسے مکیں سے

کھل جائے ابھی عالمِ بالا کی حقیقت
اس راز کو پوچھو جو کسی خاک نشیں سے

اس وجہ سے آپس کا یہ جھگڑا نہیں چکتا
رہتی ہے کوئی بات ہمیں سے کہ تمہیں سے

گر نام سے ہے داغ کے نفرت تو مٹا دو
عاشق کے دلِ گرم سے، زاہد کی جبیں سے

۱۰۴

یہ پوچھو دل سے شرمیلی نگاہِ یار کیسی ہے
کرے جو میان ہی میں کام وہ تلوار کیسی ہے

نزاکت سے حیا سے ڈر سے جھک کر نہیں اٹھتی
وہ سو اچھوں کی اچھی آنکھ ہے بیمار کیسی ہے

تمھاری چال کی ہم مٹنے والے داد کیا دیں گے
قیامت سے ذرا پوچھو مری رفتار کیسی ہے

نگاہِ تیز میں اس کی چمک جاتی ہے بجلی سی
الٰہی خیر سے تلوار میں تلوار کیسی ہے

مرے سینے پہ رکھ کر ہاتھ دل سے پوچھتے ہیں وہ
بتا تیری طبیعت اے مرے بیمار کیسی ہے

جب اس کوچے میں جاتا ہوں اچھلتا ہے یہی سودا
ذرا سر پھوڑ کر دیکھوں تو یہ دیوار کیسی ہے

مقابل ہوں نگاہ و آہ تو اس دم کھلیں جوہر
تری تلوار کیسی ہے ، مری تلوار کیسی ہے
ترستی تھیں کسی دیدار کو یہ ایک مدت سے
اب اِن آنکھوں سے پوچھو لذت دیدار کیسی ہے
دکھا کر تیغ و ابرو ناز سے کہتے ہیں وہ دیکھو
یہ کیسی ہے یہ کیسی ہے مری تلوار کیسی ہے
کدورت پر کدورت جم گئی ہے میرے سینے میں
چنی یہ عشق نے دیوار پر دیوار کیسی ہے
مجھے تم دیکھتے ہی گالیوں پر کیوں اتر آئے
بھرے بیٹھے تھے کیا دل میں یہ بھرمار کیسی ہے
دکھایا ہی نہیں تو نے تو اے پردہ نشیں جلوہ
دہائی پر دہائی پھر پسِ دیوار کیسی ہے
ہوا ہے اس قدر مغرور اپنے زہد پر زاہد
یہ توبہ توبہ کیسی ہے ، یہ استغفار کیسی ہے
لیے جاتے ہیں بارِ عشق ہم مجبور دنیا سے
ارے یارو زبردستی کی یہ بیگار کیسی ہے
الٰہی کیوں نہ چاہوں دولتِ دارین میں تجھ سے
بڑی فیاض یہ لکھ لُٹ تری سرکار کیسی ہے
رہا جاتا ہے دل سے حرفِ مطلب لب تک آ آ کر
ذرا سی بات ہے لیکن مجھے دشوار کیسی ہے
ابھی سے دل کا میں سودا کروں سودا نہیں مجھ کو
خریداروں کے دم سے گرمیِ بازار کیسی ہے
کوئی کرتا ہے باتیں یاس کی بیمار کے منہ پر
ارے ظالم یہ تسکینِ دلِ بیمار کیسی ہے

ترے ہاتھوں کے صدقے اے جنوں ہر تارِ دامن سے
سرِ ہر خار باندھی لٹ لٹی دستار کیسی ہے
سمانے ہی نظر میں صاف اتری ہے مرے دل میں
تری تصویر کی بھی شوخیِ رفتار کیسی ہے
تغافل سے نہ ہو پرسش تو پھر اے داغ کیا کہیے
بتاؤں حالت ایسی ہے جو پوچھے یار کیسی ہے

۱۰۵

مرے کلام سے پیدا ہیں شوخیاں کیسی
ترے دہن میں ہے موزوں مری زباں کیسی
رسا ہوئی مری آہِ شرر فشاں کیسی
لگی ہے اب ترے تلووں سے آسماں کیسی
مرے کلیجے میں لیتے ہیں چٹکیاں کیسی
وفا کے نام پہ کرتے ہیں وہ کہاں کیسی
تری کدورتِ خاطر ہوئی عیاں کیسی
بنی یہ اور زمیں رہِ آسماں کیسی
ہزاروں سجدے کیے خلق نے تو کیا پروا
ہوئی ہے صرف تری خاکِ آستاں کیسی
کسی حسیں کو اگر دیکھتے تو مر جاتے
جنابِ خضر کی پھر عمرِ جاوداں کیسی
شباب آنے نہ پایا کہ عشق نے مارا
یہاں بہار کے لالے پڑے خزاں کیسی
تمہارے گھر سے کوئی شخص کیا بگڑ کے گیا
لٹی لٹی ہے یہ آرائشِ مکاں کیسی

۱۰۵

سنی نہ ہم نے کوئی نانک بن سے خالی بات
ہمیشہ نوک کی لیتی ہے وہ زباں کیسی
ہوا ہو پیر بھی تھک کر نہ بیٹھنے پایا
ترے نصیب میں گردش ہے آسماں کیسی
وہ دیکھنا دلِ بے تاب کے مقابل میں
تڑپ رہی ہیں نگاہوں کی بجلیاں کیسی
ہوا ہوں ذبح نزاکت بھرے جو ہاتھوں سے
وہ نرم نرم اٹھائی ہیں سختیاں کیسی
بھرا ہوا ہے مرے دل میں اور کیا کیا کچھ
فغاں کو آپ لیے پھرتے ہیں فغاں کیسی
ہلا رہی ہیں فلک ؟ عاشقوں کی فریادیں
یہ تو نے دھوم مچائی ہے دل ستاں کیسی
وہ چھیڑ چھاڑ سے کیا بار آنے والا ہے
یہ آپ داغ کو دیتے ہیں دھمکیاں کیسی

۱۰۶

صبر میں بھی دلِ بے تاب کی ہمت دیکھی
کر لیا کام وہی جس کی ضرورت دیکھی
عشق میں تیرے مصیبت سی مصیبت دیکھی
جو دکھائی ہمیں اللہ نے حالت دیکھی
کب تری طرح میسر ہوئے دنیا کے مزے
کھول کر آنکھ فقط حور نے جنت دیکھی
حسن کی فتنہ گری سے نہیں خالی کوئی
ہم نے مٹی کے بھی پتلے میں شرارت دیکھی

منہ دکھانے کی جگہ اب مجھے باقی نہ رہی
آئنہ دیکھ کے اُس نے مری صورت دیکھی

سب حسیں ایک ہی سیرت کے ہوا کرتے ہیں
سو کو دیکھا اگر اک آدھ کی خصلت دیکھی

کبھی کعبے میں نظر شانِ خدائی آئی
کبھی بت خانے میں اللہ کی قدرت دیکھی

اور بھی تم نے سنا غیر نے کیا کام کیا
اُس کے پہلو میں نئی آج دو صورت دیکھی

پڑگئے تیر کلیجے پہ نہ سہہ مرقد بھی
کن نگاہوں سے کسی نے مری تربت دیکھی

عاشقوں میں کوئی بدبخت نہ دیکھا ایسا
جیسی فرہاد کی پھوٹی ہوئی قسمت دیکھی

غیر کی کرتے ہیں تعریف وہ یہ کہہ کہہ کر
کس پر آئی ہے مری تم نے طبیعت دیکھی

بدگماں کو یہ گماں تھا کہیں زندہ تو نہ ہو
اس لیے کھول کے اُس نے مری تربت دیکھی

ہوگئی دل سے عزیز اُن کو سیہ یوسف
ملتی جلتی جو ذرا اپنی شباہت دیکھی

دیکھنے والوں سے یہ پوچھتے ہیں وہ بقسم
تم نے کیسی مرے بیمار کی حالت دیکھی

داغ سا کوئی نظرباز نہ دیکھا نہ سنا
جس نے پردے میں محبت کے عداوت دیکھی

۱۰۷

فائدہ کیا ان بتوں کی چاہ سے
خیر مسلمانیو داغ تم اللہ سے

نفع کیا نقصان کیا ہے چاہ سے
اس کو پوچھو بندۂ درگاہ سے

شب کو کیوں جاگے تھے کیا تھا حیر ہے
آنکھیں ملتے نکلے خلوت گاہ سے

ہائے اُس کے پائمالوں کے نصیب
بھاگتے ہوں فتنے جس کی راہ سے

پہنچے کیا منزل پہ ایسا ناتواں
جو دبا جاتا ہو گردِ راہ سے

اُن کا میرا کس طرح جھگڑا چکے
واسطہ ہے ایک ہی اللہ سے

گالیاں بھی جب مجھے دیتے ہیں وہ
کرتے ہیں آغاز بسم اللہ سے

بے وفائی اس قدر اچھی نہیں
چاہنے والے ڈریں گے چاہ سے

یہ ہے بجلی بھی یہ ہے تلوار بھی
بچتے رہنا تم ہماری آہ سے

ہیں مجازی سے حقیقت آشنا
پہنچے ہیں اِس راہ میں اُس راہ سے

عشق میں آنے لگا کچھ مزا
زندگی کی ہے دعا اللہ سے

بچ سکے ایمان کیوں کر عشق میں
اس کو پوچھوں کس خدا آگاہ ہے

داغ سے کہتے ہیں سب دے دو مجھے
جو ملا ہے تم کو آصف جاہ سے

۱۰۸

دل رکھ تو دیا ہے نگہِ یار کے آگے
اُف کر نہیں سکتا ہوں خریدار کے آگے

آتی نہیں اب تک اسی باعث سے قیامت
کیا پیش چلے گی تری رفتار کے آگے

میں حسن سے سکتے میں وہ ہے عشق سے حیران
دیوار کھڑی ہوگئی دیوار کے آگے

بجلی کی طرح کانپے لگتی ہے اجل بھی
ٹھہرا نہیں جاتا تری تلوار کے آگے

اس ضعف میں بھی راہِ محبت میں ہے یہ حال
دو چار کے پیچھے ہوں تو دو چار کے آگے

تکرار میں نرگس سے نہ ہم آنکھ ملاتا
بیمار کو لاتے نہیں بیمار کے آگے

میں موسیِ عمراں، نہ خدا تو رتِ کاہر
باتیں نہ بنا طالبِ دیدار کے آگے

یا کھانے دے گلشن کی ہوا تو اے صیّاد
یا زہر ہی رکھ مرغِ گرفتار کے آگے

خورشیدِ قیامت کی بہت دھوم سنی ہے
آئے تو سہی میری شبِ تار کے آگے

گھر میں تو رسائی نہیں لیکن مری تصویر
دیوار پہ چسپاں ہے درِ یار کے آگے

اُن تک بھی پہنچ جائے گا جو حال ہے میرا
ہر روز یہی ذکر ہے دو چار کے آگے

سو بار کیے تم نے ستم تھک گئے آخر
اک بار تو ہو اور بھی سو بار کے آگے

کعبے میں ٹھکانا ہے نہ بت خانے میں اپنا
مرجائیں گے جا کر درِ دلدار کے آگے

سر کاٹ کے عاشق کا نہ اترائیے اتنا
اک دن یہ کیا آئے گا سرکار کے آگے

فرقت میں بیاں کس سے کروں اپنی مصیبت
کیا حال کہوں میں در و دیوار کے آگے

پہلے یہ دعا مانگ لی اُس کو نہ ہو صدمہ
جب درد کہا داغ نے غمخوار کے آگے

۱۰۹

یہ بات بات میں کیا نازکی نکلتی ہے
دبی دبی ترے لب سے ہنسی نکلتی ہے

ٹھہر ٹھہر کے جلا دل کو، ایک بار نہ پھونک
کہ اس میں بوئے محبت ابھی نکلتی ہے

بجائے شکوہ بھی دیتا ہوں میں دعا اُس کو
مری زباں سے کروں کیا یہی نکلتی ہے

خوشی میں ہم نے یہ شوخی کبھی نہیں دیکھی
دمِ عتاب جو رنگت تری نکلتی ہے

ہزار بار جو مانگا کرو تو کیا حاصل
دعا وہی ہے جو دل سے کبھی نکلتی ہے

ادا سے تیری مگر کھنچ رہی ہیں تلواریں
نگہ نگہ سے چھری پر چھری چلتی ہے

محیط عشق میں ہے کیا امید و بیم جگر
کہ ڈوب ڈوب کے کشتی مری نکلتی ہے

جھلک رہی ہے سر شاخ مژہ خون کی بوند
شجر میں پہلے ثمر سے کلی نکلتی ہے

شب فراق جو کھولے ہیں ہم نے زخم جگر
یہ انتظار ہے کب چاندنی نکلتی ہے

سمجھ تو لیجیے کہنے تو دیجیے مطلب
بیاں سے پہلے ہی مجھ پر چھری نکلتی ہے

یہ دل کی آگ ہے یا دل کے نور کا ہے ظہور
نفس نفس میں مرے روشنی نکلتی ہے

کہا جو میں نے کہ مر جاؤں گا تو کہتے ہیں
ہمارے زائچے میں زندگی نکلتی ہے

سمجھنے والے سمجھتے ہیں پیچ کی تحریر
کہ کچھ نہ کچھ تری باتوں میں بھی نکلتی ہے

دم اخیر تصور ہے کس پری وش کا
کہ میری روح بھی بن کر پری نکلتی ہے

صنم کدے میں بھی ہے حسن اک خدائی کا
کہ جو نکلتی ہے صورت پری نکلتی ہے

مرے نکالے نہ نکلے گی آرزو میری
جو تم نکالنا چاہو، ابھی نکلتی ہے

غمِ فراق میں ہو داغ اس قدر بے تاب
ذرا سے رنج میں جان آپ کی نکلتی ہے

۱۱۰

مذکور داغ ہی کا ہر اک انجمن میں ہے
اس پھول کی بہار ہزاروں چمن میں ہے
غربت کا سامنا مجھے یوں بھی وطن میں ہے
میں اپنے گھر میں اور دل اس انجمن میں ہے
وہ چال چال ہے جو تمہارے چلن میں ہے
وہ بات بات ہے جو تمہارے سخن میں ہے
سب جانتے ہیں داغ کو جیسا دکن میں ہے
وہ شمع انجمن میں ہے وہ گل چمن میں ہے
لپٹی ہوئی ہے خاکِ درِ یار جسم پر
خاکی یہ پیرہن بھی ہمارے کفن میں ہے
اب بھی تو آفتابِ قیامت سے کم نہیں
ہرچند تیرگی مرے داغِ کہن میں ہے
پھرتا ہوں پھول پھول کو گلشن میں سونگھتا
یارب گلِ مراد مرا کس چمن میں ہے
جس طرح دل میں رہ کے ستاتے رہے ہو تم
اب درد اس طرح مرے ہر عضو تن میں ہے
کیا ہو گیا کہ جی نہیں لگتا کسی جگہ
غربت میں شام صبح ہمارے وطن میں ہے
یہ لعل ہو تو لال لگیں اور حسن کو
دل کا نگیں بھی کوئی ترے نو رتن میں ہے

ہر اخترِ فلک کو یہ جانا شبِ فراق
سوراخ تیرِ آہ سے سقفِ کہن میں ہے
حسنِ ملیح کا ہے مزا یادِ خند میں
تھوڑا ابھی نمک مرے داغِ کہن میں ہے
محفل کا تیری دل میں سمایا ہے سب سماں
دل میں ہے انجمن کہ یہ دل انجمن میں ہے
دیکھو تو میرے عقدۂ تقدیر کو ذرا
ایسی گرہ بھی زلفِ شکن در شکن میں ہے
اقرار تھا ابھی، ابھی انکار ہوگیا
کیا دوسری زباں بھی تمہارے دہن میں ہے
وہ رہگزر وہ کوچہ وہ در مجھ سے کب چھٹا
کچھ ہوس کا لگاؤ بھی دیوانہ پن میں ہے
روشن ہے زیرِ آبلہ دل سوزِ عشق سے
کیا جلوہ گر یہ نور کا پتلا کفن میں ہے
پڑھتے ہیں شعر داغ کے وہ بات بات پر
کیا جانے بات کون سی اس کے سخن میں ہے

۱۱۱

کہاں اب مرے حال پر رونے والے
کہ خود مٹ گئے داغِ دل دھونے والے
محبت کے آثار یہ کہہ رہے ہیں
بہت غم ہوئے اور بہت ہونے والے
یہ کون آ گیا میرے اہلِ عزا میں
یکایک جو یوں ہنس پڑے رونے والے

رقیب اُن کو میری طرح دل نہ دیں گے
وہ اپنی گرہ کا ہیں کھونے والے

شریکِ غم و عیش ہیں دیدہ و دل
یہی ہنسنے والے، یہی رونے والے

محبّت کی سرکار میں ہم نے دیکھا
سزا پاتے ہیں جان و دل کھونے والے

تمہارا ہی تخمِ محبّت ہے دل میں
تمھی اُس کے پیدا ہوئے بونے والے

جوانی سے اچھے تھے دن کم سنی کے
کہ اب چھپتے ہیں سامنے ہونے والے

عدم کو چلے دل میں رکھ کر بتوں کو
یہ پتھر ہیں دنیا سے ہم ڈھونے والے

خدا جانے کیا پیش ہو روزِ محشر
کسی سے وہ قائل نہیں ہونے والے

وہ کیا جانیں بے تاب کی بے قراری
شبِ وصل میں شام سے سونے والے

وضو کر چکا شیخ رندوں کی سن لے
ادھر دیکھ او ہاتھ منہ دھونے والے

بڑھا کر گھٹانا نہیں اپنا شیوہ
یہ آزار ہیں کوئی کم ہونے والے

بتائیں تمھیں کون ہیں داغ صاحب
کسی کی ادا پر فدا ہونے والے

١١٢

بہت ہیں تجھے بے وفا کہنے والے
کہیں چوکتے ہیں برا کہنے والے

گئے ہیں مرا مدعا کہنے والے
کہیں اُن سے کیا جانے کیا کہنے والے

کہا عرض طلب پہ اُس نے بگڑ کر
لڑے آئے یہ مدعا کہنے والے

مری سن کے اُس نے کہا دے کے گالی
جواب اس کا تو نے سنا کہنے والے ؟

وہ بت ہو کے بے پردہ یہ کہہ نہ بیٹھے
کہاں ہیں خدا کو خدا کہنے والے

مرے دیدہ و دل بھی لے جائے قاصد
کہ اچھے ہیں یہ مدعا کہنے والے

یہ کہہ کر کیا اُس نے شرمندہ مجھ کو
سلامت رہیں بے وفا کہنے والے

خدا زندہ رکھے تجھے میرے قاتل
مجھے صبر پر مرحبا کہنے والے

کہا بت جو اُن کو خفا ہو کے بولے
ذرا پھر تو کہہ کیا کہا کہنے والے

یہ کیا منصفی ہے جواب اُس کا پا کر
برا مانتے ہیں برا کہنے والے

کہا داغ سے شب کو درباں نے اُن کے
جناب آپ ہی ہیں صدا کہنے والے

۱۱۳

مثالِ تارِ گیسو ہے کمر بھی
نہیں ہے فرق اس میں بال بھر بھی

چلے مایوس ہم محفل سے تیری
کبھی تو دیکھ لیتا تھا اِدھر بھی

سنی جاتی نہیں عاشق کی حالت
نہ آیا رحم تجھ کو دیکھ کر بھی

ستم کرتا ہے جیسا تو ستم گر
کبھی ایسا ہوا ہے پیشتر بھی

دلِ بے تاب بے باندھی تو ہے شرط
بہت چلتی ہوئی ہے وہ نظر بھی

مرض پیدا کیے لاکھوں دوا سے
مسیحا ہے ہمارا چارہ گر بھی

نہیں رہتے ہیں اچھے خوب صورت
کہ اُن کو ہو ہی جاتی ہے نظر بھی

نظر میں کس کے ہو تم دل میں کس کے
تمھیں ہے ان دنوں اپنی خبر بھی

مرا اے داغ پایا دل لگی کا
کبھی نہ دکھ سہا تھا عمر بھر بھی

۱۱۴

یہ اب کی باغِ عالم کی صبا کچھ اور کہتی ہے
خوشی سے عندلیبِ خوش نوا کچھ اور کہتی ہے

زمانے میں ترقی ہے نشاط و عیش و عشرت کی
مغنی کی صدائے جاں فزا کچھ اور کہتی ہے

سرود و نغمۂ مطرب کی آوازیں تو دل کش ہیں
مگر میری زباں اس کے سوا کچھ اور کہتی ہے
پھولا پھولا ہے کیا ملک دکن اقبال آصف سے
کہ اس گلشن کی اب نشو و نما کچھ اور کہتی ہے
گرہ ہے سال کی آٹھ سویں جو شاہ آصف کی
پئے تشریح دل یہ دل کشا کچھ اور کہتی ہے
خوشا تدبیر تدبیر شہنشہ خوب رہتی ہے
خوشا تقدیر تقدیر رسا کچھ اور کہتی ہے
شہ ظل خدا کو حق تعالیٰ حکم راں رکھے
حکومت آس کی اب نام خدا کچھ اور کہتی ہے
یہ کیسا جلسہ ہے کیسی خوشی چھائی ہے عالم میں
کہ اس دن رونق ارض و سما کچھ اور کہتی ہے
عدو کا کیا ہے منہ جو شاہ آصف کے مقابل ہو
کہ تائید جناب کبریا کچھ اور کہتی ہے
نظام الملک آصف جاہ ہے مہر جہاں افروز
کہ اس کے روئے روشن کی ضیا کچھ اور کہتی ہے
مبارک باد معمولی ہے بات اس سے بھی اب بڑھ کر
نوید تہنیت یہ جا بجا کچھ اور کہتی ہے
نسیم صبح دیتی ہے مبارک باد گلشن کو
گلوں کے کان میں باد صبا کچھ اور کہتی ہے
دعا دیتا ہوں طول عمر کی میں شاہ آصف کو
خوشی سے جان ہمراہ دعا کچھ اور کہتی ہے
غزل بھی اس زمیں میں اب سنا دے داغ تو کہہ کر
کہ ان روزوں تری طبع رسا کچھ اور کہتی ہے

۱۱۵

یہ خاموشی تری اے دلربا کچھ اور کہتی ہے
نگہ کچھ اور کہتی ہے، ادا کچھ اور کہتی ہے

خطا بھی اس کی کچھ کیوں قطع کرتے ہو زباں میری
جو کہنے کی نہ کہتی ہے یہ کیا کچھ اور کہتی ہے

برا کیوں کر کہیں اس کو جسے ہم کہہ چکے اچھا
مگر سنتے ہو تمہیں خلق خدا کچھ اور کہتی ہے

سنوں کس کس کی میں یارب پتے کس کس کا ہو مجھ کو
کہ قاصد کہ بہار کچھ ہے، صبا کچھ اور کہتی ہے

وہی تم تھے کہ چلتے تھے کبھی پر دوست داروں کے
مگر یار اب زمانے کی ہوا کچھ اور کہتی ہے

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کسی کی وہ نہیں سنتے
مگر مشاطہ آنسے سے ماجرا کچھ اور کہتی ہے

پریشانی مری ہے گرچہ ظاہر مو بمو اس پر
تمہارے کان میں زلف دوتا کچھ اور کہتی ہے

زباں سے تو کبھی جا میں نہ تھا مہماں کہیں شب کو
یہ تیری آنکھ تو اے بے حیا کچھ اور کہتی ہے

وہ کہتے ہیں برا کیوں مانیں ہم بے مہر کہنے کا
یہی کہتی ہے دنیا ہم کو یا کچھ اور کہتی ہے

وہ پہنچی آسماں پر، وہ گئی عرش معلیٰ پر
الٰہی خیر اب آہ رسا کچھ اور کہتی ہے

شکایت جان کر سنتے نہیں تم کیوں دم آخر
تمہارے حق میں یہ میری دعا کچھ اور کہتی ہے

طبیعت ہوگئی بے چین، لا ساغر پلا ساقی
کہاں کی توبہ، ساون کی گھٹا کچھ اور کہتی ہے

کلیجا تھام لو لپٹا جو بھولے سے کبھی سینے لو
تمہارے دردمندوں کی صدا کچھ اور کہتی ہے
لب معجزنما سے چشم جادوگر کی ہے چشمک
یہ آپنی کہتے ہیں ، وہ فتنہ زا کچھ اور کہتی ہے
رہا دست تسلی سینۂ افگار پر کس کے
کہ تیری شوخیِ رنگ حنا کچھ اور کہتی ہے
مے و معشوق سے توبہ کرے کا داغ تو ، توبہ !
تری نیّت تو اے مردِ خدا کچھ اور کہتی ہے

۱۱۶

کچھ آپ کو بھی قدر ہماری وفا کی ہے
ہم آپ کے ہیں ساری خدائی خدا کی ہے

دھمکی ہمارے واسطے روزِ جزا کی ہے
کوئی نہ کوئی اس میں بھی حکمت خدا کی ہے

حیرت سے دیکھتا ہوں جو میں سوئے آسماں
کہتے ہیں وہ تلاش کسی مدلقا کی ہے

ایک آنکھ میں حیا تو شرارت ہے ایک میں
یہ شرم ہے غضب کی وہ شوخی بلا کی ہے

بعد فنا بھی چین نہیں مشت خاک کو
گویا بنی ہوئی مری مٹی ہوا کی ہے

کوئی یقیں کیوں نہ کرے اُن کے قول کا
ہر بات میں قسم ہے قسم بھی خدا کی ہے

اے پیر مے کدہ نہیں نشہ شراب میں
کھینچی ہوئی مگر یہ کسی پارسا کی ہے

جب تک ہے دم میں دم یہ نباہیں گے ہر طرح
مٹی خراب عشق میں اہلِ وفا کی ہے

دیکھو نگاہِ ناز کی بے اعتدالیاں
الٹی ہوئی غرض جو کسی مبتلا کی ہے

وہ وقتِ نزع دیکھ کے مجھ کو یہ کہہ گئے
اچھا ہے یہ تو، کیا اسے حاجت دوا کی ہے

اس نے نظر چرائی جو ہم سے تو کیا ہوا
وہ کیوں ڈرے یہ کیا کوئی چوری خدا کی ہے

شوخی سمائی جاتی ہے عہدِ شباب میں
دشوار روک تھام اب آن کو حیا کی ہے

کرتا یہ کارخانۂ دنیا میں کچھ کا کچھ
انسان کو پڑی ہوئی روزِ جزا کی ہے

ایسا نہ ہو کہ اس کی سیاہی کا ہو شریک
بختِ رسا کو حرص تو زلفِ دوتا کی ہے

ظاہر میں اور رنگ ہے باطن میں اور رنگ
خصلت مزاجِ یار میں برگِ حنا کی ہے

دو حصے میری جان کے ہیں تیرے عشق میں
آدھی ادا کی نذر ہے، آدھی قضا کی ہے

مرتا ہوں اور روز ہے مرنے کی آرزو
اس عاشقی میں روح بھی عاشق قضا کی ہے

دل پیچ و تابِ عشق سے کیوں کر نکل سکے
یہ کل چھڑی پڑی ہوئی زلفِ دوتا کی ہے

یہ دیکھتے ہی دیکھتے کس کس سے پھر گئی
گردش نصیب آنکھ بھی تیری بلا کی ہے

اے داغ بزمِ اہلِ سخن گرم ہو گئی
گرمی ترے کلام میں بھی انتہا کی ہے

۱۱۷

زہر ملتا کر دوا نہیں آتی
مر رہا ہوں قضا نہیں آتی

خبرِ دل ربا نہیں آتی
اُس طرف کی ہوا نہیں آتی

اب بھی سنبھلو بری ہے بے باکی
گئی گزری حیا نہیں آتی

غمزے آتے ہیں ، دز آتے ہیں
ایک تم کو وفا نہیں آتی

شکوہ بے جا ہے خیر یوں ہی سہی
تم کو ہرگز جفا نہیں آتی

وہ جھکے ہیں سنبھالنے کے لیے
ہاتھ زلفِ رسا نہیں آتی

وہ یہ کہتے ہیں تم سکھاؤ ہمیں
ہم کو طرزِ وفا نہیں آتی

کوئی مر جائے ہجر میں کیوں کر
زندگی بھر قضا نہیں آتی

اُس گلی میں صبا کو بھیجا ہے
یا تو آتی ہے یا نہیں آتی

اُن سے کرنا پڑا سوال جنھیں
بات نامِ خدا نہیں آتی

حور پر یہ طبیعت اے واعظ
تجھ سے کچھ تو دیا نہیں آتی

ہے عدم میں بھی دل لگی کیسی
بھر کے خلقِ خدا نہیں آتی

سادگی نے کیا ہے کام تمام
ابھی اُن کو ادا نہیں آتی

ہم نہیں سونگھتے کبھی وہ پھول
جس میں بوے وفا نہیں آتی

نہیں آسان جان سے جانا
مرتے مرتے قضا نہیں آتی

دل سے آتی تھی آہ کی آواز
اب تو وہ بھی صدا نہیں آتی

کب سمجھتے ہیں اُن کو وہ معشوق
جن کو طرزِ جفا نہیں آتی

کس نے تسخیر کی دمِ آخر
میرے لب پر دعا نہیں آتی

تیرے عاشق کا ہائے عہدِ شباب
موت بے وقت کیا نہیں آتی

حرف مطلب کہا تو کیوں بگڑے
بات کہنے میں کیا نہیں آتی

تم وفادار کس کو سمجھے ہو
ہر کسی کو وفا نہیں آتی

غنچۂ دل کھلے تو خاک کھلے
اس کلی تک ہوا نہیں آتی

قصدِ بت خانہ کیوں کیا اے داغ
شرم مردِ خدا نہیں آتی

۱۱۸

دیکھ کر جوبن ترا کس کس کو حیرانی ہوئی
اس جوانی پر جوانی آپ دیوانی ہوئی

پردے پردے میں محبت دشمنِ جانی ہوئی
یہ خدا کی مار کیا اے شوقِ پنہانی ہوئی

دل کا سودا کرکے اُن سے کیا پشیمانی ہوئی
قدر اس کی پھر کہاں جس شے کی ارزانی ہوئی

میرے گھر اس شوخ کی دو دن سے مہمانی ہوئی
بے کسی کی آج کل کیا خانہ ویرانی ہوئی

ترکِ رسم و راہ پر افسوس ہے دونوں طرف
ہم سے نادانی ہوئی یا تم سے نادانی ہوئی

ابتدا سے انتہا تک حال اُن سے کہہ تو دوں
فکر یہ ہے اور جو کہہ کر پشیمانی ہوئی ؟

غم قیامت کا نہیں واعظ مجھے یہ فکر ہے
دین کب باقی رہا دنیا اگر فانی ہوئی

تم نہ شب کو آؤ گے یہ ہے یقیں آیا ہوا
تم نہ مانو گے مری یہ بات بے مانی ہوئی

مجھ میں دم جب تک رہا مشکل میں تھے تیاردار
میری آسانی سے سب یاروں کی آسانی ہوئی

اس کو کیا کہتے ہیں اتنا ہی بڑھا شوقِ وصال
جس قدر مشہور اُن کی پاک دامانی ہوئی

بزم سے اُٹھنے کی غیرت بیٹھنے سے دل کو رشک
دیکھ کر غیروں کا مجمع کیا پریشانی ہوئی

دعویٰ تسخیر پر یہ اُس پری وش نے کہا
آپ کا دل کیا ہوا ، مُہرِ سلیمانی ہوئی

کھل گئیں زلفیں مگر اُس شوخِ مستِ ناز کی
جھومتی بادِ صبا پھرتی ہے مستانی ہوئی

میں سراپا سجدے کرتا اُس کے در پر شوق سے
سر سے پا تک کیوں نہ پیشانی ہی پیشانی ہوئی

دل کی قلبِ ماہیت کا ہو اُسے کیوں کر یقیں
کب ہوا مٹی ہوئی ہے ، آگ کب پانی ہوئی

آتے ہی کہتے ہو اب گھر جائیں گے اچھی کہی
یہ مثل پوری یہاں میری مانی گھر جانی ہوئی

عرصۂ محشر میں تجھ کو ڈھونڈ لاؤں تو سہی
کوئی چھپ سکتی ہے جو صورت ہو پہچانی ہوئی

دیکھ کر قاتل کا خالی ہاتھ بھی جی ڈر گیا
اُس کی چینِ آستیں بھی چینِ پیشانی ہوئی

کھا کے دھوکا اُس بتِ کم سن نے دامن میں لیے
اشک افشانی بھی میری گوہر افشانی ہوئی

بےکسی پر میری اپنی تیغ کی حسرت تو دیکھ
چشمِ جوہر بھی بشکلِ چشمِ حیرانی ہوئی

بےکسی پر داغ کی افسوس آتا ہے ہمیں
کس جگہ کس وقت اُس کی خانہ ویرانی ہوئی

۱۱۹

ہمیں کیا غم قیامت میں جو پرسش ہونے والی ہے
کہ چھپ وہ فتنہ گر آیا تو پھر میدان خالی ہے

کدورت دل کی جو فریاد کرنے سے نکالی ہے
وہ کہتے ہیں محبت پر ہماری خاک ڈالی ہے

ابھی ہیں بھولی بھالی اُن کی باتیں خردسالی ہے
مگر چتون یہ کہتی ہے قیامت ہونے والی ہے

ہماری توبہ زاہد کی جوانی دونوں بے کس ہیں
نہ کوئی اس وارث ہے نہ کوئی اُس کا والی ہے

الٰہی کیوں فلک مجھ کو غمِ فرقت کھلاتا ہے
کہ میں نے ہجر جاناں میں قسم کھانے کی کھالی ہے

دعائیں دے رہا ہوں زیرِ مرقد اپنے قاتل کو
خدا رکھے اُسے جس نے مری حسرت نکالی ہو

ملے تو نے کفِ افسوس پہروں مرگِ دشمن پر
یہ سرخی اُس کی ہے ہاتوں میں یا مہندی کی لالی ہے

شباب ایسا جو ہو اُس سے بہارِ گل کو کیا نسبت
مری آئی جوانی اور اُس کی ڈھلنے والی ہے

بیاں کی بے وفائی جب زمانے کی تو وہ بولے
اجی ہم خوب سمجھے صاف تم نے ہم پہ ڈھالی ہے

ہماری چشمِ گوہربار کا حلقہ نہ کیوں ڈالا
تمھارے کان میں کب حوس نما موتی کی بالی ہے

دلِ مضطر کو تھامے پھر رہا ہوں میں سب درقت
نہ میرے پاؤں خالی ہیں، نہ میرا ہاتھ خالی ہے

ذرا دیکھو تو مشتاقوں کا مجمع روزنِ در سے
ہوئی ہے بھیڑبھاڑ ایسی کہ بھرتی سر پہ نہالی ہے

ہوا ہے چار سجدوں پر یہ دعویٰ زاہدو تم کو
خدا نے کیا تمھارے ہاتھ جنت بیچ ڈالی ہے

رقیبوں سے اشارے کرکے تم ہم کو ستاتے ہو
تمھارے دستِ مژگاں سے ہماری پائمالی ہے
اٹھالیں لطف کوئی دن کہاں پھر ہم کہاں پھر تم
برا وقت آنے والا ہے ، جدائی ہونے والی ہے
وہ لکھیں گے تجھے خط کا جواب اے داغ کیا کہنا
یہ تو نے خواب دیکھا ہے کہ مضمونِ خیالی ہے

۱۲۰

یہاں شکوے پہ شکوہ ہے وہاں گالی پہ گالی ہے
بہت کچھ ہوتی رہتی ہے بہت کچھ ہونے والی ہے
جوانی کی امنگیں ہیں ، طبیعت لا اُبالی ہے
نہ تم دنیا میں خالی ہو ، نہ دنیا تم سے خالی ہے
تری تصویر کی شوخی بھی دنیا سے نرالی ہے
کہ اس شوخی پہ یہ تمکیں نہ جھڑکی ہے نہ گالی ہے
مجھے گھر کاٹے کھاتا ہے تو بستر پھاڑے کھاتا ہے
شبِ فرقت میں کیا شیرِ نیستاں شیرِ قالی ہے
کہاں قسمت کہاں ہمت کہاں طاقت جو میں پہنچوں
کہ منزل عشق کی کچھ عرش اعلیٰ سے بھی عالی ہے
سمندر کیوں نہ پی جائے وہ مے آشام اے ساقی
خمِ گردوں کو جو سمجھے کہ چھوٹی سی پیالی ہے
ترا کینہ نہ کھلتا تھا ذرا انصاف کر ظالم
تری باتوں سے دل کی بات چن کر ہم نے کیا لی ہے
بھری ہیں حسرتیں سی حسرتیں اس خانۂ دل میں
مگر دیکھو تو پھر یہ گھر کا گھر خالی کا خالی ہے

یہ چالیں آسماں کی کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتیں
کسی کی سرفرازی ہی کسی کی پائمالی ہے
لبِ معجزنما سے گالیاں دی ہیں جو ہنس ہنس کر
مریَ تصویر میں بھی تم نے گویا جان ڈالی ہے
کبھی ہے اُس کی چوکھٹ پر کبھی ہے اُس کے قدموں پر
ازل سے میری پیشانی بڑی تقدیر والی ہے
بچا تھا برق و صرصر سے بمشکل آشیاں اپنا
نظر صیّاد کی اب پتّے پتّے ڈالی ڈالی ہے
خدا جانے کہا کس کو ستم گر راہ چلتوں نے
خفا کیوں ہو کوئی بازار کی گالی بھی گالی ہے
جہاں دیکھو حسینوں کا ہے مجمع عاقبت میں بھی
نہ جنت اُن سے خالی ہے نہ دوزخ ان سے خالی ہے
دکن کی سلطنت سے فیض ہے سارے زمانے کو
خدا رکھّے بڑی فیّاض یہ سرکارِ عالی ہے
بھری محفل میں تیری داغ کو ہم نے نہیں دیکھا
بھرے ہیں غیر آ آ کر جگہ اُس کی ہی خالی ہے

۱۲۱

غضب کے بانکپن سے تیغِ ناز اُس نے نکالی ہے
جفا پیاروں کی پیاری ہے، نرالوں کی نرالی ہے
نہ چھوڑی خاک تک مجھ کو وہ شوقِ پائمالی ہے
ترے قدموں میں جو آئی وہ اپنے سر پہ ڈالی ہے
ترے دزدِ حنا کے پاس دل ہے، تھا گماں مجھ کو
ادھر یہ ہاتھ خالی ہے، اُدھر وہ ہاتھ خالی ہے

مری شاخِ تمنّا کس طرح سرسبز رہ جاتی
تری تیغِ تغافل نے وہ ڈالی کاٹ ڈالی ہے

یہ دو آنکھیں دورنگی دیکھتی ہیں اس کے جلوے کی
کہیں شانِ جلالی ہے، کہیں شانِ جمالی ہے

لباسِ ماتمی پہنے ہوئے ہے میرے ماتم میں
اسے میں جانتا ہوں یہ شبِ فرقت جو کالی ہے

نہیں چھپتی ہے کوئی داب پھر بھی وہ مرے دل کی
آدھر پہنچی ہے کوسوں تک ادھر منہ سے نکلی ہے

بہت دن چاہئیں پیراں کو راہِ حقیقت کی
جنابِ خضر کیا جانیں کہ ان کی خردسالی ہے

بقا کب مال و دولت کو رہی، قارون کو دیکھو
کہ اس گنجِ فراواں پر بھی اس کا ہاتھ خالی ہے

تجاہل کہہ رہا ہے جانتے ہیں مجھ کو وہ عاشق
تغافل کہہ رہا ہے آنکھ مجھ سے ملنے والی ہے

نگاہِ شرم آگیں میں ہیں کچھ آثار سوخی کے
یہ ناوک چلنے والا ہے یہ برچھی چلنے والی ہے

مہینے بھر کا وعدہ تھا وہ کرتے تیس دن پورے
مگر انتیسویں کا اب کی یہ ماہِ ہلالی ہے

سنا ہے محتسب سامانِ مے خانہ لٹائے گا
مسلمانو! چلو لوٹو کہ جنت لٹنے والی ہے

ذرا سا ہوش آ جائے ذرا سا دیکھ لیں جلوہ
سنبھلنے کے لیے ہم نے طبیعت کب سنبھالی ہے

کہاں کا خوفِ درباں کوئی عاشق باز آتے ہیں
جہاں اک روزنِ در تھا وہاں دیکھو تو جالی ہے

کسی پر حصر بھی ہوگا یہ آخر قتل ہے کس کا
ابھی خنجر سنبھالا تھا ابھی برچھی نکالی ہے
نئے انداز کا خط ہم نے لکھا دیکھیے کیا ہو
بھرے ہیں سیکڑوں مضموں جگہ مطلب کی خالی ہے
لڑے مرتے ہیں آپس میں تمہارے چاہنے والے
یہ محفل ہے تمہاری یا کوئی مرغوں کی پالی ہے
نظام الملک نے اے داغ اس فن کو کیا زندہ
کہ اس کی قدردانی نے سخن میں جان ڈالی ہے

۱۲۲

قامت کب اس قد کی ثانی نہیں ہے
جوانی جوانی جوانی نہیں ہے
بہاتا ہے بے خوف تو اس کو قاتل
لہو ہے یہ عاشق کا پانی نہیں ہے
گھڑی بھر میں کرتے ہو تعریف میری
گھڑی بھر میں وہ مہربانی نہیں ہے
قفس ہی میں جائیں گے ہم گلستاں سے
ہمارا یہاں دانہ پانی نہیں ہے
کہو تو ابھی چیر کر دل دکھادیں
محبت ہماری زبانی نہیں ہے
مرے مرمٹے دل کو کیا پوچھتے ہو
نشانی کو یہ بے نشانی نہیں ہے
نہ جانو اسے جھوٹ جو کہہ رہا ہوں
مرا حال قصہ کہانی نہیں ہے

سمجھ کر مرا حال پھر پوچھتے ہو
یہ کیا ہے اگر آنا کانی نہیں ہے
ہوئے قتل عشاق پر مستعد تم
محبت میں چنگیز خانی نہیں ہے
بظاہر مٹائے ہیں داغ دل کے
مداوائے درد نہانی نہیں ہے
ہوئیں خشک جذب محبت سے آنکھیں
یہ دریا وہ ہیں جن میں پانی نہیں ہے
سمجھ سوچ کر دل دیا ہم نے اُن کو
کوئی آفت ناگہانی نہیں ہے
مزے کیوں نہ لیں خضر عمر ابد کے
کہ اُن کو غم جاودانی نہیں ہے
سر بام جلوہ دکھاتے ہو سب کو
عجب بات ہے لن‌ترانی نہیں ہے
کبھی داغ اس پر بھروسا نہ کرنا
کسی کی یہ دنیائے فانی نہیں ہے

۱۲۳

کوئی تو محبت میں مجھے صبر ذرا دے
تیری تو مثل وہ ہے نہ میں دوں نہ خدا دے
بے جرم کرے قتل وہ قاتل ہے ہمارا
یہ شیوہ ہے اُس کا کہ خطا پر نہ سزا دے
دولت جو خدائی کی ملے کچھ نہیں پروا
بچھڑے ہوئے معشوق کو اللہ ملا دے

کرتا ہے رقیب اُن کی شکایت مرے آگے
ڈرتا ہوں کہ مل کر نہ کہیں مجھ کو دغا دے

پھٹ جائے اگر دل تو کبھی مل نہیں سکتا
یہ چاک نہیں وہ جو کوئی سی کے ملا دے

اقرار کیا ہے لبِ شیریں سے کسی نے
جو بات مزے کی ہو وہ کیونکر نہ مزا دے

تیرے تو برسنے سے ترستا ہے مرا دل
اے ابر کبھی میری لگی کو بھی بجھا دے

تھم تھم کے جلاتا ہے مجھے سوزِ محبت
گر آگ لگانی ہے تو اک بار لگا دے

یہ دل کا لگانا تو نہیں جس سے ہو نفرت
تو بھی تو جنازے کو مرے ہات لگا دے

ان جلوہ فروشوں سے تو سودا نہیں پٹتا
جب مول نہ ٹھہرے کوئی کیا لے کوئی کیا دے

ملتا ہی نہیں جس کا پتا اے دلِ بے تاب
میں تجھ کو بتادوں، تو بتا تو مجھے کیا دے

کیا کیا نہ کیا عشق میں اپنی سی بہت کی
تدبیر سے کیا ہو جسے تقدیر مٹا دے

یا رب خبرِ مرگِ عدو جھوٹ نہ نکلے
جو میں نے سنا ہے اسے آنکھوں سے دکھا دے

میں وصل کا سائل ہو، جھڑکنا نہیں اچھا
یا اور سے دلوا کسی محتاج کو یا دے

دل سے مہ کامل کے یہ کاہش کوئی پوچھے
اللہ کسی کو بھی بڑھا کر نہ گھٹا دے

عنقا نظر آتے ہیں ہمیں اہلِ کرامت
درویش وہ کامل ہے جو اپنا سا بنا دے

وہ لطف وہ احسان کر اے چرخ مرے ساتھ
دوں میں بھی دعا تجھ کو مرا دل بھی دعا دے

اے بےخودیٔ شوق یہ احسان ہو تیرا
وہ جان کے غش میں مجھے دامن کی ہوا دے

پیمانے کی حاجت نہیں مجھ تشنۂ مے کو
اے پیرِ مغاں تو مجھے اٹکل سے پلا دے

اللہ کی کیا شانِ کریمی ہے کہ اے داغ
جو اس سے طلب کیجیے وہ اس سے سوا دے

۱۲۴

مژدہ اے شوق کہ کچھ خوش خبری آتی ہے
جھومتی آج نسیمِ سحری آتی ہے

جب صراحی مۓ گلگوں سے بھری آتی ہے
میں سمجھتا ہوں کہ یہ لال پری آتی ہے

تازگی اس گلِ رخسار کی کیا پوچھتے ہو
جس کے دیدار سے آنکھوں میں تری آتی ہے

جب سے آنکھوں میں سمایا ہے کسی کا جلوہ
حور آتی ہے سمجھ میں نہ پری آتی ہے

کس بھروسے پہ کرے داغ کچھ اظہارِ کمال
اس کو کیا بات بجز بےہنری آتی ہے

۱۲۵

شکایت اُس کی چھپاؤں مگر نہیں چھپتی
ادھر لگاتی ہے منہ سے اُدھر نہیں چھپتی
ترے چھپانے دغا کی نظر نہیں چھپتی
یہ چور آنکھ تو اے فتنہ گر نہیں چھپتی
یہ سیر ہے کہ دوپٹا اڑا رہی ہے صبا
وہ جب چھپاتے ہیں سینہ، کمر نہیں چھپتی
تمھاری بات زمانے میں کھل ہی جاتی ہے
یہ بات کیا ہے کہ اس کی خبر نہیں چھپتی
کھڑی ہے دل سے جو تو نے وہ بات تیری ہے
کہ اُس کے منہ کی تو اے نامہ بر نہیں چھپتی
جو تڑپے دل تری محفل میں تھام لوں دل کو
مگر چھپانے سے یہ چشمِ تر نہیں چھپتی
چھپانے سے تہِ دامن چھپے چراغ کی لو
لگی ہوئی مرے دل کی مگر نہیں چھپتی
یہ صبح ہجر قیامت کی صبح ہے یارب
کہ میرے بختِ سیہ سے سحر نہیں چھپتی
نگاہ شوخ ہے بجلی کی طرح زیرِ نقاب
ہزار اُس کو چھپاؤ مگر نہیں چھپتی
نفس کے ساتھ ہی پڑتے ہیں لب پہ تبخالے
ہماری سوزشِ داغِ جگر نہیں چھپتی
سحاب میں تو مہ و آفتاب چھپتے ہیں
نقاب میں تری صورت مگر نہیں چھپتی

بدل بدل کے وہ آواز کو بنے سائل
صدائے عاشقِ شوریدہ سر نہیں چھپتی
بشر نہیں تو فرشتے اڑائے پھرتے ہیں
بری بھلی ترے گھر کی خبر نہیں چھپتی
چھپائیں کیا تری چاہت کو چاہنے والے
جب ایک بار کھلی ، عمر بھر نہیں چھپتی
ملے ترانۂ بلبل سے کیا مرا نالہ
صدائے نغمہ زن و نوحہ گر نہیں چھپتی
زباں پہ آتے ہی کھلتے ہیں نیک و بد آثار
دعائے با اثر و بے اثر نہیں چھپتی
تری طبیعتِ روشن اک آفتاب ہے داغ
کبھی چھپائے سے یہ جلوہ گر نہیں چھپتی

۱۲۶

وعدہ نہ کیا تھا یہ کسی اور سے کہیے
پھر ہم سے نہ کہنا یہ کسی اور سے کہیے
جو دل کی حقیقت ہے وہ سننی ہی پڑے گی
کہیے تو سہی کیا یہ کسی اور سے کہیے
پتھر کا کلیجا نہیں لوہے کا نہیں دل
فرقت میں نہ گھبرا یہ کسی اور سے کہیے
میں دادطلب اور خدا منصف و عادل
تیری نہ سنے گا یہ کسی اور سے کہیے
دنیا کی زبانوں پہ ہے دشمن کی برائی
اچھوں سے ہے اچھا یہ کسی اور سے کہیے

نالہ پسِ دیوار کسی رات کسی دن
میں نے نہ سنا تھا یہ کسی اور سے کہیے

اچھوں کسی تڑپا کے تجھے غیر کے آگے
دیکھیں گے تماشا یہ کسی اور سے کہیے

دھمکا کے مرا حال عبث پوچھتے ہیں آپ
کہنا ہی پڑے گا یہ کسی اور سے کہیے

ملنا نہیں منظور جو ہم سے تو نہ ملیے
ہے خوف کسی کا یہ کسی اور سے کہیے

ہم آپ کے ہیں ، آپ نہیں جانتے ہم کو
کوئی نہیں اپنا یہ کسی اور سے کہیے

دشمن کو برا کہہ کے بھلا کہنے لگے آپ
وہ ہم سے کہا تھا یہ کسی اور سے کہیے

دل دیں گے تو سو طرح کے دعوے بھی کریں گے
کس کا ہے اجارا یہ کسی اور سے کہیے

ہم سا تو وفادار ملا ہے ، نہ ملے گا
خالی نہیں دنیا یہ کسی اور سے کہیے

سنتا ہوں زمانے سے برے آپ کے اطوار
جھوٹا ہے زمانا یہ کسی اور سے کہیے

ملتا ہے کہیں داغ سا دنیا میں وفادار
ہم کو نہیں پروا یہ کسی اور سے کہیے

۱۲۷

جور ہم پر یار جو چاہے کرے
دل سے ہیں ناچار جو چاہے کرے

اک زمانہ ہو گیا ہم سے خلاف
چرخِ ناہنجار جو چاہے کرے

اب دل آزاری کہ دل داری مری
وہ بتِ عیّار جو چاہے کرے

کرکے توبہ پھر ہوا توبہ شکن
سچ تو یہ ہے خوار جو چاہے کرے

کیا نہیں ممکن کہ اٹھ جائے حجاب
آپ کا دیدار جو چاہے کرے

ہم کو کیا مطلب کریں کیوں آرزو
حسرتِ دیدار جو چاہے کرے

مجھ پہ چالیں آن پہ جادو رات دن
مجمعِ اغیار جو چاہے کرے

دردمند اچھے ہوں اچھے دردمند
نرگسِ بیمار جو چاہے کرے

طور پر موسیٰ نے باتیں کر ہی لیں
طالبِ دیدار جو چاہے کرے

پہلے شاہد باز ہو پھر آدمی
توبہ استغفار جو چاہے کرے

شوخیِ رفتار نے پیسا ہے دل
خوبیِ گفتار جو چاہے کرے

آنکھ بھی عاشق ہے دل بھی مبتلا
اس حسیں کو پیار جو چاہے کرے

آدمی کا ہے خدا پر زور کیا
ہے بڑی سرکار جو چاہے کرے

عرش پر ہے اب رقیبوں کا دماغ
طالعِ بیدار جو چاہے کرے

جو نہ چاہے کیوں کرے وہ التجا
التجائے یار جو چاہے کرے

کھنچ گئے ابرو، ہوئی ترچھی نگاہ
میرے دل پر وار جو چاہے کرے

کوئی ہے پامال، کوئی سرفراز
حسن کی سرکار جو چاہے کرے

کیا صفِ محشر نہ ہو جائے گی صاف
آپ کی تلوار جو چاہے کرے

عیب ہیں سے پردہ رکھتے آدمی
یوں پسِ دیوار جو چاہے کرے

دل نکمّا ہو گیا ہے عشق میں
پھر بھی یہ بےکار جو چاہے کرے

سچ ہے مرتا کیا نہ کرتا ہجر میں
جان سے بیزار جو چاہے کرے

رہ چکے ہم عشق میں پابندِ وضع
دل ذلیل و خوار جو چاہے کرے

داغ جب آزاد ٹھہرا کیا گلا
ہے وہ خود مختار جو چاہے کرے

۱۲۸

مزے فرقت میں تھے خونِ جگر کے
پیا ہم نے خدا کا شکر کرکے

کیے خنجر سے دو ٹکڑے جگر کے
بنائے تم نے دو گھر ایک گھر کے

مژہ پر آ جمے ٹکڑے جگر کے
مسافر رک گئے دریا اُتر کے

کیا اُس چشم نے زاہد کو بدمست
پُچھے آنسو مرے دامانِ تر کے

جمی ہے خاکِ کوئے یار اُن پر
پیوں گا پاؤں دھو کر نامہ بر کے

وہ کیسا دن قیامت کا کٹے گا
وہ کیسی رات ہوگی دن گزر کے

شبِ غم ہائے مجبوری ہماری
بہت روئے خدا کو یاد کر کے

پڑا ہوگا تھکا ماندا سرِ راہ
بنیں گے نامہ بر ہم نامہ بر کے

چلیں کیونکر نہ وہ اب ٹیڑھ کی چال
قدم تک آ گئے ہیں بل کمر کے

وہی پھر ولولے ہیں اور ہم ہیں
کھٹے مٹتی ہیں یہ چوٹیں ابھر کے

نہیں معلوم کیا کہتی ہے خلقت
یہ ہیں چرچے ادھر کے یا اُدھر کے

جدائی ہو گئی دو دن میں آن سے
یہ جانا تھا کہ ہم چھوٹیں گے مر کے

جنابِ داغ اب سنبھلیں گے کیا خاک
کہ یہ بگڑے ہوئے ہیں عمر بھر کے

۱۲۹

جھوٹی ہوں رقیب کی مجھ کو حرام ہے
ساقی کے ہاتھ میں تو فقط ایک جام ہے

وہ چشمِ مست سامنے میرے مدام ہے
ایسے شراب خوار کو تو نہ حرام ہے

ہر مرتبہ زبان پہ دشمن کا نام ہے
کیا یہ کلام آپ کا تکیہ کلام ہے

ہم کیا کریں جو سلطنتِ روم و شام ہے
بے مثل بادشاہ ہمارا نظام ہے

کیا دل دہی کے ساتھ جوابِ پیام ہے
اے نامہ بر! تجھے تو ہمارا سلام ہے

محشر میں کامیاب ہوں اس میں کلام ہے
یہ طولِ مدعا ہے تو بس دن تمام ہے

تم اس پہ شیفتہ ہو تو میں بھی فریفتہ
تم سے غرض نہیں مجھے دشمن سے کام ہے

میں عمر بھر سناؤں تمھیں اپنی داستاں
پوچھو اگر تو پھر یہ کہوں ناتمام ہے

صیّاد نے رہا نہ کیا اب کے سال بھی
اب ہم کو آب و دانہ قفس میں حرام ہے

آتے ہی کہوں پیام ہے جانے کا ، جائیے
گر آپ کو ہے کام تو مجھ کو بھی کام ہے

قاصد نہ کہہ دے غیر سے لب پر لگا دیں مہر
افشا نہ ہو کہ شوخ ہمارا پیام ہے

پروانہ ہو کہ شمع برا ہے مآلِ کار
اس کی حرام موت وہ صورت حرام ہے

کہتے ہیں کس کو داغ یہ کیا آپ نے کہا
لے دل میں چٹکیاں یہ اُسی کا کلام ہے

۱۳۰

حسن کی تم پر حکومت ہو گئی
ضبط آنکھوں کی مروّت ہو گئی

یہ نہ پوچھو کیوں یہ حالت ہوگئی
خود بدولت کی بدولت ہو گئی

لے گئی آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ دل
ہوشیاری اپنی غفلت ہو گئی

وہ جو تجھ سے دوستی کرنے لگا
مجھ کو دشمن سے محبت ہو گئی

اس قدر بھی سادگی اچھی نہیں
عاشقوں کی پاک نیّت ہو گئی

داغ تمغائے محبت بن گیا
چشمِ تر مُہرِ شہادت ہو گئی

مان کر دل کا کہا پچھتائے ہم
عمر بھر کو اب نصیحت ہو گئی

کیا عجب ہے گر ترا ثانی نہیں
اچھی صورت ایک صورت ہوگئی

میرے حق میں تیری چشمِ قہر و لطف
ایک دوزخ ، ایک جنّت ہوگئی

میری توبہ اس ہوا و ابر میں
باعثِ کفرانِ نعمت ہو گئی

غیر بھی روتے ہیں تیرے عشق میں
کیا مری قسمت کی قسمت ہو گئی

سن کے حالِ دل تغافل دیکھنا
کوئی یہ جانے ندامت ہو گئی

پھول ہنستے ہیں ہماری قبر پر
کیوں رُلکی شمعِ تربت ہو گئی

طالبِ بخشش ابھی سے کیوں ہے دل
کیا گنہ کرنے سے فرصت ہو گئی

اس کی مژگاں پر ہوا قربان دل
بیر تکوں پر قناعت ہو گئی

جب ریاست اپنی آبائی مٹی
نوکری کی ہم کو حاجت ہو گئی

شاعروں کی بھی طبیعت ہے ولی
جو نئی سوجھی ، کرامت ہو گئی

آئنے سے شیشۂ دل صاف تھا
تم کو منہ دیکھے کی اُلفت ہو گئی

تیری زلفوں کا اثر تجھ پر نہیں
دیکھتے ہی مجھ کو وحشت ہو گئی

کھیل سمجھے تھے لڑکپن کو ترے
بیٹھتے اُٹھتے قیامت ہو گئی

مفت کی پیتے ہیں وہ ہر قسم کی
جن کو میخانے کی خدمت ہو گی

میرے دل سے غم ترا کیوں دور ہو
پاس رہنے کی محبت ہو گئی

کہتے ہیں کب تک کوئی گھبرا نہ جائے
دل میں رہتے رہتے مدت ہو گئی

نقشہ بگڑا رہتے رہتے غصہ ناک
کٹ کھنی قاتل کی صورت ہو گئی

صبح فرقت ایک دم میں کچھ نہ تھا
زندگی کیا بے مروت ہو گئی

داغ کا دم ہے غنیمت بزم میں
دو گھڑی کو گرم صحبت ہو گئی

۱۳۱

صلح میں تکرار باقی رہ گئی
کچھ کسر ہر بار باقی رہ گئی

جلوۂ دیدار نے بے خود کیا
حسرت دیدار باقی رہ گئی

خط کتابت سے تو کچھ نکلا نہ کام
نوبت گفتار باقی رہ گئی

بارہا اس نے صفائی ہم سے کی
کچھ خلش ہر بار باقی رہ گئی

اس کو بھی اچھا کر اے رشک مسیح
نرگس بیمار باقی رہ گئی

مرحلے طے عشق کے اکثر ہوئے
منزل دشوار باقی رہ گئی

شوق نظارہ وہاں لے تو گیا
پھاندنی دیوار باقی رہ گئی

حلق میں تھا نالۂ آہن گداز
کیا کری تلوار باقی رہ گئی

عشق کے زیرِ حکومت سب رہے
کون سی سرکار باقی رہ گئی

دل میں کیا چھوڑا ہے اب غم نے ترے
کچھ ہوس اے یار باقی رہ گئی

داغ کا دل ہوگیا دنیا سے سرد
گرمیِ اشعار باقی رہ گئی

۱۳۲

کر چکے آہِ سحر بھی ، نالۂ شبگیر بھی
ہم نے دیکھا چوکتے یہ تیر بھی وہ تیر بھی

بادۂ غفلت سے اک عالم کو بے خود کردیا
پیرِ مے خانہ ہے گویا آسمانِ پیر بھی

اس نگاہِ شوخ و ابرو کے اشارے دیکھنا
تیر بھی اڑتا ہوا چلتی ہوئی شمشیر بھی

ڈھونڈ لے پہلو میں یا سینے میں اے ناوک فگن
کھا گیا زخمِ جگر کے ساتھ کیا میں تیر بھی

آپ آئے جھٹپٹے میں صبح کو گھبرا کے کیا
رہ گیا در بھی کھلا ، ہلتی رہی زنجیر بھی

کیا کہوں کس وقت میں کیا دل سے مانگی ہے دعا
جس کو سنتے ہی دعا دینے لگی تاثیر بھی

اوٹ میں دیوار سے باتیں کیا کرتے ہو تم
سامنے آؤ تو آئے لذتِ تقریر بھی

اس لیے وحشت میں ہم نے کردیا ترک لباس
ہوگا جب دامن تو ہوگا کوئی دامن گیر بھی

مل گیا غیروں سے قاصد وہم آتا ہے مجھے
نامہ بر بدلا گیا ، بدلی گئی تحریر بھی

یہ نزاکت کیوں اسی پرتے پہ دعویٰ قتل کا
کھول دو خنجر کمر سے پھینک دو شمشیر بھی

جو دکھانے کی نہ ہوں چیزیں دکھائے کس طرح
اس نے چہرے ہی کی کھچوائی فقط تصویر بھی

تو نے دیکھا کچھ تماشا دیکھ کر اپنی شبیہ
مٹ گئی ہے تیری شوخی پر تری تصویر بھی

دیکھ کر وہ داغ کی تصویر یہ کہنے لگے
آدمی اچھا ہے اچھی ہو اگر تقدیر بھی

۱۳۳

چل دیے شکل دکھا کر وہ کوئی کیا دیکھے
دیکھنے کا یہ مزا ہے کہ سراپا دیکھے

غمزہ سفّاک ، بلا نــاز ، قیامت انداز
چشمِ مشتاق ادائیں تری کیا کیا دیکھے

کیا سریلی ہیں صدائیں تری ، کیا جلوہ ہے
سننے والا یہ سنے ، دیکھنے والا دیکھے

وہ دوپٹے کا سرکنا وہ کسی کا کہنا
آنکھیں پھوٹیں جو کوئی سینہ ہمارا دیکھے

دیکھنے کے لیے آنکھیں ہوں جب ایسا ہو جمال
حسنِ یوسف کو جو دیکھے تو زلیخا دیکھے

بے سبب جس نے نکالا مجھے اپنے گھر سے
کاش وہ آ کے مرا دل بھی نکلتا دیکھے

دوست دشمن کو وہ کیا جانیں ابھی کم سن ہیں
ہم سے پوچھے کوئی بیٹھے ہیں زمانا دیکھے

بات وہ کیجیے جس بات کو سب دل سے سنیں
کام وہ کیجیے جس کام کو دنیا دیکھے

جس نے دیکھا ہو نہ عاشق کو مصیبت میں کبھی
مجھ کو دیکھے مری تقدیر کا لکھا دیکھے

پہلے تو شوق سے منگوائی ہماری تصویر
پھینک کر پھر یہ کہا کوئی اسے کیا دیکھے

اس کی خلوت میں گزر بادِ صبا کا بھی نہیں
شامت آ جانے کی جاتے ہی کوئی جا دیکھے

پرتوِ حسن سے ہو جائیں منور آنکھیں
جلوۂ یار اگر آنکھوں کا اندھا دیکھے

اک جھلک بھی جو دکھاوے تو غنیمت جانو
کیا یہ ممکن ہے کوئی حسبِ تمنا دیکھے

گو حسیں لاکھ ہوں دنیا میں مگر داغ کبھی
دیکھ کر پاؤں ترا منہ نہ کسی کا دیکھے

۱۳۴

آپ کی روک تھام کون کرے
غیر کا انتظام کون کرے

تیرے عاشق ہیں دونوں دیدۂ و دل
دیکھیں دونوں میں نام کون کرے

وہ تجھے سجدہ کرتے ہیں جو کہیں
بادشہ کو سلام کون کرے

گالیاں اس نے دیں جو میں نے کہا
بے دہن سے کلام کون کرے

کس نزاکت کے ساتھ شوخی ہے
اس ادا سے خرام کون کرے

اس لیے وعدہ وہ نہیں کرتے
رات دن صبح و شام کون کرے

بڑھتی جاتی ہے روز دل کی ہوس
ساری دنیا کا کام کون کرے

پئیں شعبان میں نہ کیوں دونی
مکر ماہِ صیام کون کرے

بندہ ٹھہرا ہوں بندگی کے لیے
بندگی کو سلام کون کرے

غم گزا جاں فزا ہے بادۂ ناب
ترکِ شربِ مدام کون کرے

کب اترتا ہے قرضِ بادہ فروش
یہ ادا دام دام کون کرے

شوقِ رہبر ہے پاس ہے منزل
بیچ رستے میں شام کون کرے

داغ کی بندگی نہیں مقبول
بےوفا کو غلام کون کرے

۱۳۵

ہمارے دل کی کدورت وہاں نکلتی ہے
نئی زمیں ہے کہ بےآسماں نکلتی ہے

جنوں میں جب مرے لب سے فغاں نکلتی ہے
زبانِ خار سے بھی الاماں نکلتی ہے

یہ دیکھتا ہوں اُنھیں دے کے میں پیامِ وصال
نہیں نکلتی ہے یا منہ سے ہاں نکلتی ہے
برائے نام نکالے فلک مرے ارماں
جو ہے نکلنے کی حسرت کہاں نکلتی ہے
ہوا ہوں میں ہمہ تن تیرے لطف کا شاکر
کہ رونگٹوں کے عوض بھی زباں نکلتی ہے
پسِ فنا بھی اثر ہے یہ بےقراری کا
کہ میری قبر سے ریگِ رواں نکلتی ہے
نکالے نشترِ جرّاح پھانس یا کانٹا
گڑی ہے دل میں جو برچھی کہاں نکلتی ہے
اُنھوں نے گیسوئے پُرخم کو کردیا سیدھا
تری کجی بھی اب اے آسماں نکلتی ہے
تری گلی میں ہے کیا جمع دل جلوں کی خاک
کہ خلق راہ سے دامن کشاں نکلتی ہے
بشر کی موت ہو دنیا میں حشر عقبیٰ میں
کہاں یہ گڑتی ہے میت، کہاں نکلتی ہے
ترا جمال جو دیکھا تو آئنے نے کہا
ہزار میں بھی یہ صورت کہاں نکلتی ہے
نکالتے ہیں اسی وقت وہ بھی مانگ اپنی
اندھیری رات میں جب کہکشاں نکلتی ہے
جگر کے پار جو ہوتا ہے خنجرِ قاتل
دہانِ زخم سے گویا زباں نکلتی ہے
شبِ فراق میں اے آہ تو سہارا دے
کہ روح تن سے بہت ناتواں نکلتی ہے

اُسی کی دیکھتے ہیں ہر مکاں میں تصویر
وہی نکلتی ہے صورت جہاں نکلتی ہے
وہاں کیا وہی نہیں آن سے کچھ کہا بھی نہیں
ابھی سے جان تری پاسباں نکلتی ہے
رقیب آپ کی محفل سے یوں نکلتے ہیں
کہ جیسے باغ سے فصلِ خزاں نکلتی ہے
جگر کے ٹکڑے کیے ضبطِ عشق نے شاید
کہ تیغِ آہ مری خوں چکاں نکلتی ہے
نشانِ کثرتِ بارش ہے سے کشو مژدہ
کہ بار بار فلک پر کماں نکلتی ہے
یہ بات کیا ہے کہ جس بات کا ہے اندیشہ
وہی زباں سے وہاں ناگہاں نکلتی ہے
جبیں کے بل بھی کھلیں پیچ زلف کے بھی مٹیں
گرہ پڑی ہوئی دل کی کہاں نکلتی ہے
رواج پائے نہ پائے کچھ اس سے بحث نہیں
وفا کی رسم نئی اُن کے ہاں نکلتی ہے
نشان داغ سخن گو کی قبر کا ہے یہی
بجائے سبزہ زمیں سے زباں نکلتی ہے

۱۳۶

دلِ شہید کا ماتم ضرور ہوتا ہے
یہ بات اب کوئی سینے سے دور ہوتا ہے
پری جمال بھی انساں ضرور ہوتا ہے
پھر اُس پہ آنکھ ہو اچھی تو حور ہوتا ہے

قصور وار ہوں مجھ سے قصور ہوتا ہے
مگر جبھی کہ یہ دل ناصبور ہوتا ہے

ہزاروں آتے ہیں کعبے سے پھر کے زاہد کیوں
خدا کے گھر میں ٹھکانا ضرور ہوتا ہے

ہمیشہ عذر بھی کرتے ہوئے نہیں بنتی
وہاں سوال یہ ہے کیوں قصور ہوتا ہے

ادا سے خاص ہے معشوق کے لیے نخوت
بری بھی شکل ہو جب بھی غرور ہوتا ہے

وہ میرے واسطے کرتے ہیں جب ستم ایجاد
ستم شریک زمانہ ضرور ہوتا ہے

پڑی ہے جان غضب کشمکش میں کیا کیجے
نہ دل سے عشق نہ دل مجھ سے دور ہوتا ہے

پیامبر کوئی لاتا ہے کیا خوشی کی خبر
کہ خود بخود مرے دل کو سرور ہوتا ہے

غرور سے نہیں ملتا جو وقتِ آرایش
ترا مزاج بھی کیا مجھ سے دور ہوتا ہے

دکھا دو جلوہ کہ دل پر جو ہے یہ غم کا پہاڑ
ذرا سی دیر میں جل بھن کے طور ہوتا ہے

امیدِ عفوِ خطا ہے وگرنہ عاشق سے
قصور کیا نہیں ہوتا ضرور ہوتا ہے

جو مے پیوں تو گنہگار کیا کروں واعظ
مجھے تو نام لیے سے سرور ہوتا ہے

یہ عاشقی میں نئی بات ہے کہ اے ظالم
ترا قصور بھی میرا قصور ہوتا ہے

ہزار رنگ میں ہے اور پھر نظر میں نہیں
اُسی کا پردہ اُسی کا ظہور ہوتا ہے
جسے پڑا ہو نئی تاک جھالک کا لپکا
وہ خلد میں کہیں پابندِ حور ہوتا ہے
کسی کا کوئی بھی ہوتا نہیں ہے بعدِ فنا
غبار تک مری تربت کا دور ہوتا ہے
اثر پذیر ہے دل گرم و سردِ عالم سے
کھڑی میں نار گھڑی میں یہ نور ہوتا ہے
بٹھا دیا ہے محبت نے آپ کی سکّہ
یہ دل سے داغ کے اب کوئی دور ہوتا ہے

۱۳۷

یہ رشک دل میں ترے یہ غرور رہتا ہے
کہ عکس آئنے سے دور دور رہتا ہے
کچھ اُس کو وہم کچھ اُس کو غرور رہتا ہے
الگ تھلگ وہ بت دور دور رہتا ہے
زہے نصیب طبیعت میں ہو جو آزادی
بہت بلاؤں سے انسان دور رہتا ہے
جو ایک آن بھی پڑتا ہے عکس رخ تیرا
تو برسوں آئنے کے رخ پہ نور رہتا ہے
ہمارے دل کو عبث ڈھونڈھتے ہو پہلو میں
یہاں نہیں ہے یہاں سے وہ دور رہتا ہے
خدا کے واسطے ناصح علاج کر اپنا
ہمیشہ عقل میں تیری فتور رہتا ہے

یہ بزمِ وعظ ہے یا کوئی پاک بےخانہ
مدام ذکرِ شرابِ طہور رہتا ہے

اسی لیے تمھیں دی ہیں خدا نے دو آنکھیں
کسی میں ناز، کسی میں غرور رہتا ہے

تمھارے شعلۂ رخسار سے ہوا روشن
ملا ہوا اسی آتش میں نور رہتا ہے

خطا تو ہم سے ہو دنیا میں حشر میں ہو سزا
ہمارے ذمّے کہاں تک قصور رہتا ہے

لگاؤں سرمہ تو کہتا ہے وہ بتِ کافر
تجھے خیالِ تجلّیِ طُور رہتا ہے

تم اپنے عیش کے بندے ہو کیا خبر تم کو
کہ نامراد کوئی ناصبور رہتا ہے

اثر تو دیکھیے جب دیکھتا ہوں بےخانہ
تو دیکھ کر مجھے چہروں سرور رہتا ہے

ہر اک کمال کو نقصان ہو گیا لازم
ہمیشہ کوئی نہ کوئی قصور رہتا ہے

ملی جلی ہے جو شوخی میں طرزِ بےتابی
تری نظر میں دلِ ناصبور رہتا ہے

مزے ہیں اس دلِ بسمل کو تیغِ قاتل کے
تڑپ تڑپ کے یہ زخموں میں چور رہتا ہے

بھلا نہ حسن تمھارا تو ہم نے یہ جانا
زمانہ ایک طرح پر ضرور رہتا ہے

خدا نہ ڈالے کسی بدمزاج سے پالا
کہ پاسبان بھی اب اس سے دور رہتا ہے

ہمارے دل میں وہ آئے تو بدگمان ہوئے
کہ اور بھی کوئی اس میں ضرور رہتا ہے

نہ ٹھہرے وہ مرے پہلو میں رکھ کے یہ الزام
تری بغل میں دلِ ناصبور رہتا ہے

وہ بات کرتے ہیں محفل میں جب رقیبوں سے
یہ بندہ کان لگائے ضرور رہتا ہے

بہت سے شہر میں ہیں داغ کے لیے خوش رو
مگر ہے پاس تمہارا کہ دور رہتا ہے

۱۳۸

وہ عید کو خود آئے ہیں ملنے کے بہانے
یہ دن تو دکھایا شبِ فرقت کی دعا نے

لوٹے دل و دیں اس صنمِ ہوش ربا نے
اللہ کے جو بھید ہیں اللہ ہی جانے

یہ شیخ نے لوٹے ہیں یہاں تخمِ ثواب آج
بکھرے ہیں جو مے خانے میں تسبیح کے دانے

مارا ہے ، جلایا ہے ، دہائی ہے خدا کی
برچھی سی نگہ نے ، تری بجلی سی ادا نے

جس دن سے ملا زانوے معشوق نہ ہم کو
اس روز سے رکھا نہیں تکیہ بھی سرہانے

پریاں بھی تو مشتاق ہیں حوریں بھی تو مشتاق
اک دھوم مچا دی ہے ہماری بھی وفا نے

سنبھلا تو ہے کچھ آپ کا بیمارِ محبت
سب کہتے ہیں مردے کو جلایا ہے خدا نے

مر جاؤں اگر میں تو ستم کون اٹھائے
زندہ مجھے رکھا ہے رقیبوں کی دعا نے
میت پہ ترے عاشقِ بے کس کی کیا ہے
ماتم ملک الموت نے، افسوس قضا نے
اے داغ کسی طرح سے یہ کم نہیں ہوتی
انسان کو برباد کیا حرص و ہوا نے

۱۳۹

یوں آ کے بیٹھو عاشقِ کامل کے سامنے
آنکھ آنکھ کے ہو سامنے، دل دل کے سامنے
پھرتی ہے وہ نگاہ مرے دل کے سامنے
تلوار چل رہی ہے مقابل کے سامنے
دینے کا ہاتھ کم نہیں لینے کے ہاتھ سے
بڑھتا ہے دستِ جود ہی سائل کے سامنے
تیرِ نگاہِ ناز جب آیا ہے اس طرف
دیوار ہو گیا ہے جگر دل کے سامنے
دیکھو تو سیر ماہیِ بے آب کو کبھی
رکھ کر مرے تڑپتے ہوئے دل کے سامنے
خاک اس لیے اڑائی کہ دیکھے نہ کوئی غیر
پردہ کیا یہ قیس نے محمل کے سامنے
جس کو خدا بچائے نہیں ڈوبنے کا خوف
موجیں ہزار اٹھتی ہیں ساحل کے سامنے
گھیرا ہے رہزنوں نے کہاں مجھ غریب کو
اک بھیڑ لگ گئی مری منزل کے سامنے

چلتے ہی راہِ عشق میں تقدیر نے کہا
اس میں بہت سے ہوتے ہیں مشکل کے سامنے

پسا رحم آ گیا آئے پسا قتل ہو گئے
ہم سر جھکائے بیٹھے ہیں قاتل کے سامنے

اس زلف کی گرہ ہو کہ بندِ قبا کی ہو
کیا اصل میرے عقدۂ مشکل کے سامنے

قاتل تجھی کو رحم نہ آیا ہزار حیف
ٹھہرا گئی اجل ترے بسمل کے سامنے

روشن رہیں گے رات کو بھی گر چراغِ گل
پروانے جل مریں گے عنادل کے سامنے

عاشق تڑپ رہے ہیں نہیں بزم میں گزر
یہ رقص ہے نیا تری محمل کے سامنے

لینے کو دوست آتے ہیں یا راہ زن یہاں
میں منتظر ہوں دیر سے منزل کے سامنے

ہائی ہے جرمِ عشق کی انجام کو سزا
آیا ہے عمر بھر کا کہا دل کے سامنے

کم بخت مانتا ہی نہیں اس کو کیا کروں
میں ہاتھ جوڑتا ہوں بہت دل کے سامنے

اچھا ہے بخشوالوں جو اپنا کہا سنا
ٹھہرا ہوا ہے دل ابھی قاتل کے سامنے

تم داد چاہتے ہو اگر اس غزل کی داغ
پڑھ کر سناؤ آصفِ عادل کے سامنے

۱۴۰

جان جائیں گے وہ اس پردے میں جو کچھ راز ہے
آہ کی یہ آہ ہے ، آواز کی آواز ہے

واہ کیا ہر بار دل کے پار تیرِ ناز ہے
وہ خدنگ انداز بھی کیسا قدر انداز ہے

یک دلی جب ہو خبر دل کی نہ کیوں کر دل کو ہو
وہ مرے دل میں ہے جو کچھ تیرے دل میں راز ہے

وہ اثر بادِ خزاں کا باغِ عالم میں ہوا
بلبلِ تصویر بھی آمادۂ پرواز ہے

کیا رہیں دل کے صحیفے میں نہاں اسرارِ حق
رونگٹا جو ہے پر ہے حرفِ شرحِ راز ہے

غیر بھی کیا چارہ گر ہے کیوں گئے بہرِ علاج
کچھ طبیعت کیا نصیبِ دشمناں ناساز ہے ؟

داغ کو چشمِ حقارت سے کبھی دیکھیں نہ آپ
لطفِ آصف جاہ سے وہ صاحبِ اعزاز ہے

۱۴۱

اللہ ہی اللہ ہے صنم خانے میں کیا ہے
لو برہمنو ! جانتے ہیں اپنا بھی خدا ہے

بگڑی ہوئی کچھ ایسی زمانے کی ہوا ہے
دل زلفِ پریشاں سے پریشان ہوا ہے

تقصیرِ محبت پہ یہ ارشاد ہوا ہے
بخشے جو اسے بخشنے والے کی خطا ہے

اب داغ کے احوال سے مطلب تمھیں کیا ہے
اچھا ہے تو اچھا ہے، برا ہے تو برا ہے
کس بات پہ ہم رشک مسیحا نہیں جانیں
دم بسار تمھارا لب اعجاز نما ہے
تو ہاتھ ذرا کھول کہ میں آنکھ سے دیکھوں
دل ہے کہ ستم گر تری مٹھی میں قضا ہے
کھولے ہیں اسیری میں تری زلف کے پھندے
میرا دل آزاد بھی کیا عقدہ کشا ہے
مے خانے کو جاتا تھا چھپے چوری سے زاہد
للکار کے میں نے بھی کہا "دیکھ لیا ہے"
اس بندہ نوازی پہ جھکا کر سر تسلیم
مرضی وہی عاشق کی ہے جو تیری رضا ہے
کیوں درد کو دل کے نہ کلیجے سے لگاؤں
اس نے ہی پس مرگ مرا ساتھ دیا ہے
یہ مجھ سے کہا شکوۂ بے داد پہ اس نے
تجھ کو کسی معشوق سے پالا بھی پڑا ہے
سب عیش کے سامان بگڑ جاتے ہیں بن کر
کیا خانہ خرابی نے یہ گھر دیکھ لیا ہے
گھر ہے ہیں رقیبوں کے تو کچھ غم نہیں ہم کو
نکلیں گے سبک ہو کے کوئی دن کی ہوا ہے
نسبت ترے ابرو سے ہو کیونکر مہ نو کو
یہ حسن میں مشہور، وہ انگشت نما ہے
فرصت ہے کہاں فکر سخن کی ہمیں دم بھر
مجبور ہیں اس سے کہ تقاضائے وفا ہے

آرام سا آرام دیا داغ کو دن رات
آباد رہیں حضرتِ آصف! یہ دعا ہے

۱۴۲

گرچہ بحرِ عشق اک زخّار ہے
ڈوبنے والے کا بیڑا پار ہے

نشے میں وہ بے خود و سرشار ہے
ہر نگہ کو فرصتِ دیدار ہے

وصل کی صانع نگاہِ یار ہے
میرے اس کے بیچ میں تلوار ہے

حق تعالیٰ کی بڑی سرکار ہے
عشق اس سرکار کا مختار ہے

لطف بھی کرتا ہے یہ بیداد بھی
آسماں گویا مزاجِ یار ہے

اشکِ خوں سے تر ہوا وحشت میں چاک
اب گریباں زخمِ دامن دار ہے

کیا محبت میں تری پھیلا ہے رشک
آدمی سے آدمی بیزار ہے

مبتلا ہے اپنے غم میں اک جہاں
کس کو میں سمجھوں مرا غم خوار ہے

کوئی ویرانے میں رہ کر کیا کرے
میرے دل سے درد بھی بیزار ہے

بے خودانہ میں جو قدموں پر گرا
کہتے ہیں وہ آدمی ہوشیار ہے

جب کوئی بیمار ہو جیتا نہیں
دائمی صحت بڑا آزار ہے

ایک دم بھی قتل سے فرصت نہیں
کس مصیبت میں تری تلوار ہے

کیوں مسیحا آسماں پر ہیں مقیم
کیا فرشتوں کو بھی کچھ آزار ہے؟

بےخودی میں آستاں پر رہ گیا
در کو میں سمجھا کہ یہ دیوار ہے

میں تو مرتا ہوں بتوں پر واقعی
تجھ پر اے زاہد خدا کی مار ہے

اور سب آسانیاں ہیں عشق میں
آدمی کو زندگی دشوار ہے

بوسے لیتے زخم ، ابرو جان کر
کیا کریں سیدھی تری تلوار ہے

مجھ کو یہ کہہ کر نہ قتل اس نے کیا
تو تو اپنی جان سے بےزار ہے

راہ میں ٹوکا تو جھنجھلا کر کہا
دور ہو کم بخت! یہ بازار ہے

کیسی آبادی ہے شہرِ حسن میں
جو گلی کوچہ ہے اک بازار ہے

اس چمن کی داغ تم لوٹو بہار
حیدر آباد آج گل گلزار ہے

۱۴۳

چپ کھڑے ہیں وہ ہتھیلی پہ ہمارا دل ہے
سوچتے ہیں اسے کیا کیجیے کس قابل ہے

بے قراری دمِ تحریر سے چھپے ، مشکل ہے
میرے خط میں خطِ مسطر بھی رگِ بسمل ہے

تم بھی ناراض خفا ہم بھی ہیں کیا مشکل ہے
نہ ہمارا نہ تمھارا تو یہ کس کا دل ہے

جابجا نصب ہیں غیروں کی یہاں تصویریں
تیری خلوت ہے کہ حیرانوں کی یہ محفل ہے

جان دل میں تو ہوا کرتی ہے سب کے لیکن
تو جو ہے جان مری ، جان میں میرا دل ہے

نامرادوں کی بھی پوری کہیں ہوتی ہے مراد
میری کشتی وہیں ڈوبی ہے جہاں ساحل ہے

بے قراری نے کیا ہے تہ و بالا ایسا
کہ کبھی دل پہ جگر ہے تو جگر پر دل ہے

زندگی عشق میں دشوار ہے سب کہتے ہیں
بدنصیبوں کو تو مرنا بھی بہت مشکل ہے

کام لیتا ہے قضا کا وہ ادا سے اپنی
جو کبھی تیغ نہ باندھے وہ مرا قاتل ہے

اس نے بازارِ محبت میں جو رکھا ہے قدم
یہی آواز چلی آتی ہے دل ہے ، دل ہے

کھوج لیتا ہوا چلتا ہے زمیں پر مجنوں
کہ جہاں ناقۂ لیلیٰ ہے وہیں محفل ہے

کر نہ جائے دلِ مجنوں کی تباہی تاثیر
ورنہ پھر تو کہیں ناقہ ہے، کہیں محمل ہے
دھوکے دیتی ہیں یہ بزمِ نگاہیں کیا کیا
کس طرف تیری توجہ ہے، کدھر مائل ہے
وہ اس انداز سے پہلو میں مرے آ بیٹھا
میں نہ سمجھا اسے دلبر ہے کہ میرا دل ہے
وادیٔ عشق میں رکھتا ہو قدم ڈر ڈر کر
راہ زن کا وہ کھٹکا ہے جہاں منزل ہے
شوق کہتا ہے بہت پاس ہے اب آ پہنچے
پاؤں کہتے ہیں بڑی دور ابھی منزل ہے
وصفِ جنت جو کیا آن سے تن کر بولے
کبھی مجھ پر ہے کبھی حور پر اچھا دل ہے
مار کر دل کو کیا صبر تو الزام ملا
ارے بے رحم سوا ہم سے بھی تو قاتل ہے
موج زن ہوتی ہے شاعر کی طبیعت کیا کیا
اس سے کیوں فیض نہ جاری ہو کہ دریا دل ہے
حضرتِ داغ کا اقبال بہت چمکے گا
ہم دکھا دیں گے اگر فضلِ خدا شامل ہے

۱۴۴

نہیں جاتی فلک تک آہ قسمت کی برائی سے
بڑی سرکار ہے وہ کام نکلے گا رسائی سے
نہیں تھمتے ہیں آنسو شدتِ دردِ جدائی سے
الٰہی ڈوب مرنا بہتر ایسی آشنائی سے

زمانے میں یونہیں رسوا رہے گر بے وفائی سے
وہ ہو جائیں گے سیدھے آپ اپنی کج ادائی سے
کبھی ہوتا ہے دشمن آپ اپنا جوہرِ ذاتی
گرفتارِ قفس بلبل نہ کیوں ہو خوش نوائی سے
گرے ہی تھے دیا اُس نے سہارا نشے میں ہم کو
ہماری دست گیری ہو گئی نازک کلائی سے
پلا دے اور تھوڑی سی نہ گھبرا مے فروش اتنا
چکوترا اب کیے دیتے ہیں تیرا آنا پائی سے
جو تم ہو تندخو، نازک مزاج اپنا بھی ہے سن لو
لڑائی ہے لڑائی سے، صفائی ہے صفائی سے
جہاں جاتے ہو تم دشمن مرے پیدا ہی کرتے ہو
لڑے یہ ایک بندہ کس طرح ساری خدائی سے
یہ بزمِ غیر ہے یا رزم گہ ہے کیا اسے سمجھوں
کہ تیری آنکھ کو فرصت نہیں ملتی لڑائی سے
جلانا آگ کا ہے کام تو نے ہاتھ جب رکھا
کلیجے میں مرے ٹھنڈک پڑی دستِ حنائی سے
ہزاروں رنگ میں دیکھا جہاں دیکھا تجھے دیکھا
پریشاں ہے نظر عالم کی تیری خود نمائی سے
بگڑتے ہو عبث رہ جاؤ گے اپنا سا منہ لے کر
اگر آئینہ منہ پر صاف کہہ بیٹھا صفائی سے
ہمارے ہو کے ہم کو راہ پر لے جائیں کیا ممکن
نہیں فرصت خضر کو دشمنوں کی رہ نمائی سے
تماشا دیکھنا بجلی سی کوندی اُس کی آنکھوں میں
ہلال اُس نے دکھایا جس کو انگشتِ حنائی سے

چھٹا ہے مجھ سے تو تجھ سے عدو صدمہ ہے دونوں کو
مجھے تیری جدائی سے ، تجھے اُس کی جدائی سے
چہکتی وہ بھی تجھ کو دیکھ کر اے رشکِ گل کیا کیا
مگر ہے بلبلِ تصویر عاجز خوش نوائی سے
رقیبوں نے تری عادت بگاڑی کیا یاں کہا کر
جیے تو کیا جیے بے عزتی سے بے حیائی سے
ہمارا دل ہے جیسا شاد دامِ عشق میں پھنس کر
کوئی مرغِ قفس ایسا نہ ہوگا خوش رہائی سے
الٰہی کچھ نہ کچھ آرام مجھ کو مل ہی جانے کا
بدل دے صبحِ محشر کو مری شامِ جدائی سے
رقیبِ روسیہ کا رنگ کچھ ملنے لگا اس میں
ملا تھا غازہ اُس کے منہ پہ کیوں دستِ حنائی سے
سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ مذہب داغ کا کیا ہے
غرض رندانہ مشرب سے ، نہ مطلب پارسائی سے

۱۲۵

دل جو دکھتا اُس کے تیرِ ساز سے
درد بھی اُٹھتا ہے اک انداز سے
بزم آرا ہیں وہ اس انداز سے
بھر گئی ہے ساری محفل ناز سے
مجھ کو محفل میں بلا کر کیا کہوں
پیش آتے ہیں وہ کس اعزاز سے
روز سن کر حال دل کہتے ہیں وہ
ہم نہ سمجھے ، پھر کہو آغاز سے

دیکھتا جاتا ہوں تیور اُن کے میں
شکوہ کرتا ہوں دبی آواز سے
چشم و لب میں لاگ تھی انجام کار
سحر باطل ہوگیا اعجاز سے

پہلے ہی آنکھیں تری بیزار ہیں
اور پھر سازشِ دلِ ناساز سے
ناتواں ہوں کہہ سکوں کیا حالِ دل
چارہ گر پہچان لے آواز سے

کہہ دیا تیری ادا نے دل کا راز
کھل گیا سب غمزۂ غمّاز سے
میرے دل پر تیر برساتے وہ کیا
خود ہی گھبرائے ہجومِ ناز سے

میں تو اُس سے بھی چھپاتا کیا کروں
ہے خدا آگاہ دل کے راز سے
اتنے خط بھیجے کہ عاجز ہوگئے
میرے مرغِ نامہ بر پرواز سے

اُن کو پروانے کا جلنا ہے پسند
اور نفرت مرغِ آتش باز سے
عشق سے دل یوں ہو روشن جس طرح
آئنے کی روشنی پرداز سے

یہ سفارش غیر کی کرنے لگا
مل گیا دم ساز اُس دم باز سے
کان کے پردوں میں لگ جاتی ہے آگ
دل جلوں کے شعلۂ آواز سے

چیخ کر آیا وہاں سے نامہ بر
بات کی بیٹھی ہوئی آواز سے
داغ کو دیکھا تو یہ اس نے کہا
بچ سکیں کیا ایسے شاہد باز سے

۱۴۶

التجا بھی ہے تو اک انداز سے
مانگتے ہیں وہ دعا کس ناز سے
لاگ ہے انداز کو انداز سے
اُن کے غمزے کی ہے اَن بن ناز سے
دل میں بلبل کے جو ہوتا سوزِ عشق
پھول جھڑتے شعلۂ آواز سے
سیکڑوں ہوں گی جلو میں حسرتیں
جاؤں گا محشر میں اس اعزاز سے
دل بھی اک جادو کا پتلا ہوگیا
ساز کر کے چشمِ افسوں ساز سے
رکھ لیا اُس سنگ دل نے دل پہ ہات
ہائے میری دکھ بھری آواز سے
دل پر آئینے کے بھی لگتی ہے چوٹ
جب وہ چتون پھیرتے ہیں ناز سے
نالہ اُس کے سامنے کیا کر سکوں
اُف بھی کرتا ہوں دبی آواز سے
چال ، چکما ، فقرہ ، دم ، جھانسا ، فریب
سیکھ جائے کوئی اس دم باز سے

۲۵۵

چاہنے والے کی صورت دیکھ کر
چونک پڑتے ہیں وہ خوابِ ناز سے
روز میں جا جا کے بزمِ وعظ میں
توبہ کرتا ہوں بڑی آواز سے

گرچہ بے خود ہوں، نہیں اپنی خبر
لیکن آگاہی ہے تیرے راز سے
تیرے کشتوں کو جلائیں کر مسیح
تھک نہ جائیں کثرتِ اعجاز سے

اب تو وہ چپ ہیں مگر پھر دیکھیے
کیا ہو ظاہر پردۂ آواز سے
اس نے یہ لکھا مرے خط کا جواب
تم نظر آتے ہو دنیا ساز سے

کیا بھیانک تھی شبِ فرقت فغاں
ڈر گیا خود اپنی میں آواز سے
صورِ محشر بھی تو سن کر چیخ اٹھے
گر کروں نالہ بڑی آواز سے

نغمۂ بلبل ہو گر مطرب نہ ہو
داغ کو ہے عشق خوش آواز سے

۱۲۷

وہ کیا ڈرے غریب کی فریاد و آہ سے
جو چاہتا ہو دادِ ستم دادخواہ سے
ہل چل یہ کس کی آہ سے ہے میری آہ سے
کس کی نگاہ سے ہے تمھاری نگاہ سے

کیوں کر چھپاؤں دل ترے دزدِ نگاہ سے
آتا نہیں ہے چور کبھی شاہ راہ سے

دل روزِ حشر اس کا طرف دار ہوگیا
بگڑا مرا معاملہ جھوٹے گواہ سے

وہ زلفِ مشک فام بھی دل سے اتر گئی
جب تیرگی ملی مرے بختِ سیاہ سے

جلوہ جو وہ دکھائے تو پھر دل کو دیکھیے
آگے رہے گا چار قدم یہ نگاہ سے

پہلو میں میرے دیکھ جگر بھی ہے دل کے ساتھ
ہاں ایک وار اور بھی تیغِ نگاہ سے

مستی نے اپنا رنگ وہاں بھی جما دیا
ہو حق کا شور اٹھنے لگا خانقاہ سے

دیکھا ہے دیکھنے کی طرح اک جہان کو
گزرا ہے اک زمانہ ہماری نگاہ سے؟

رندوں کا کیا قصور ہے واعظ سمجھ ذرا
دنیا میں کوئی آ کے بچا ہے گناہ سے؟

برسا جو خون آنکھ سے میری تو کیا ہوا
پہلے ٹپک رہا تھا تمھاری نگاہ سے

آنکھیں دکھا رہا ہے ہر اک نقشِ پا مجھے
کیا اس طرف تم آئے ہو دشمن کی راہ سے

زاہد کے زہدِ خشک سے تردامنی ہے خوب
بدلوں عبادت اس کی نہ اپنے گناہ سے

نکلے گا اپنا کام کہ آپس میں لاگ ڈانٹ
فریاد کو فغاں سے ہے، نالے کو آہ سے

اب لطفِ ہائے غیر کی ہے پیروی مجھے
جاتا ہوں کوے دوست میں دشمن کی راہ سے

باہم رہا یہ رشک کہ اُس بزمِ ناز میں
ہم اور راہ سے گئے، دل اور راہ سے

نشتر کی طرح سے دمِ نظّارہ چبھ گئی
آنکھیں مری کھٹکتی ہیں تیری نگاہ سے

دشمن کا دل جلا کے گئی آہ چرخ پر
رہرو کو دیر لگ گئی چکّر کی راہ سے

دیکھو یہ ضبطِ سوزِ محبّت برا ہے داغ
تم جل نہ جاؤ آپ کہیں اپنی آہ سے

۱۲۸

کھلتا نہیں ہے راز ہمارے بیان سے
لیتے ہیں دل کا کام ہم اپنی زبان سے

کیا لذّتِ وصال ادا ہو بیان سے
سب حرف چپکے جاتے ہیں میری زبان سے

مشہور رازِ عشق ہے کس کے بیان سے
میری زبان سے کہ تمھاری زبان سے

فتنہ بنا زمین پہ ہر ذرہ خاک کا
نکلے ہیں پھر سپر وہ جس دم مکان سے

اُس دن سے مجھ کو نیند نہ آئی تمام عمر
اک شب ملی تھی آنکھ ترے پاسبان سے

یہ خاک میں ملائے تو وہ ہو ستم شریک
مجھ کو زمیں سے لاگ الھیں آسمان سے

لینا سنبھالنا کہ سرسے ہوش اُڑ چلے
آتا ہے کوئی مست قیامت کی شان سے

مجھ سے نظر ملا کے تم ابرو میں بل نہ دو
سیدھا چلے گا تیر نہ ٹیڑھی کمان سے

بازار عشق میں ہیں بہت دل جگہ جگہ
دیکھیں وہ مول لیتے ہیں کس کی دکان سے

شوریدہ سر وہ ہوں کہ ابھی سر سے توڑ دوں
گر سنگ حادثہ بھی گرے آسمان سے

ارزاں کرے فروخت اگر مے فروش عشق
لینے لگیں فرشتے بھی اُس کی دکان سے

گزری ہے آزمائشِ مہر و وفا میں عمر
فرصت مجھے ملی نہ کبھی امتحان سے

دل بھی بچا، جگر بھی بچا، خیر ہوگئی
تیرِ نگاہ پار ہوا درمیان سے

میں تم کو ناگوار ہوں، دل مجھ کو ناگوار
تم مجھ سے تنگ اور ہوں میں تنگ جان سے

ہاں ہاں ترا رقیب سے بے شک ہے ربط ضبط
رتبہ یقین کا ہے زیادہ گمان سے

مہر و وفا کا نام ہے اب بات بات پر
یہ سن لیا ہے آپ نے کس کی زبان سے

کیسا کھلا ہے پھول جب آیا بہار پر
پوچھے تو کوئی لطف جوانی جوان سے

دالستہ آتے جاتوں سے لڑتا ہے رات دن
پھر ہو پڑی تھی آج ترے پاسبان سے

اس خوبرو کو بزمِ حسیناں میں دیکھیے
کرتا ہے آن بان بڑی آن تان سے
اے داغ اس کی خیر مناتا ہے آدمی
کوئی عزیز بڑھ کے نہیں اپنی جان سے

۱۴۹

یہ دل لگی ہوئی قیامت کی دل لگی ہوگی
خدا کے سامنے جب میری آپ کی ہوگی
ترے شہیدِ تبسّم کی وہ خوشی ہوگی
دہانِ گور پہ بے ساختہ ہنسی ہوگی
تمام عمر بسر یوں ہی زندگی ہوگی
خوشی میں رنج، کہیں رنج میں خوشی ہوگی
خطائے عشق کی توبہ نہ جیتے جی ہوگی
ہزار بار ہوئی اور پھر وہی ہوگی
جفائے تازہ کی دھمکی نہ دیجیے ہم کو
ہمیشہ ہوتی ہے، کیا آج ہی نئی ہوگی
وہاں بھی تجھ کو جلائیں گے، تم جو کہتے ہو
خبر نہ تھی مجھے جنت میں آگ بھی ہوگی
تری نگاہ کا لڑنا مجھے مبارک ہو
یہ جنگ وہ ہے کہ آخر کو دوستی ہوگی
سلیقہ چاہیے عادت ہے شرط اس کے لیے
اناڑیوں سے نہ جنت میں مے کشی ہوگی
غمِ فراق ہمیں کھا نہ جائے گا ظالم
ہزار سال جئیں گے جو زندگی ہوگی

مئے طور کا بھی وصف سن نہیں سکتے
ہماری طرح سے توبہ کسی نے کی ہوگی ؟
مرا ہے اُن کو بھی مجھ کو بھی ایسی بالوں کا
جلی کٹی یوں ہی باہم کٹی چھنی ہوگی

غمِ فراق میں آثار ہیں ردی اپنے
جو بچ گئے تو نئے سر سے زندگی ہوگی
جمے کا رنگ نرالا شبِ وصالِ رقیب
لبِ عدو پہ لبِ یار کی مسی ہوگی

ہمارے غم کدۂ دل سے یہ برستا ہے
کسی زمانے میں شادی یہاں رہی ہوگی
رہیں گے کیا یوں ہی اے نامۂ پیام و سلام
ہماری اُن کی ملاقات بھی کبھی ہوگی

کسی کی لائے ہیں تصویر حضرتِ ناصح
لگائے دیتے ہیں یہ حکم ہم پری ہوگی
وہاں بھی وعدۂ فردا کرو گے کیا مجھ سے
قیامت ایک کے بعد اور دوسری ہوگی

قلم نہ ہو کہیں روزِ حساب اے ناصح
وہاں بھی تیری زباں چار ہاتھ کی ہوگی
ہمارے کان لگے ہیں تری خبر کی طرف
پہنچ ہی جائے گی جو کچھ بری بھلی ہوگی

مجھے ہے وہم یہ شوخی کا رنگ کل تو نہ تھا
رقیب سے تری تصویر بھی ہنسی ہوگی
ملیں گے پھر کبھی اے زندگی خدا حافظ
خبر نہ تھی یہ ملاقات آخری ہوگی

دعائے وصل بتاں مانگتا ہوں کعبے میں
خدا کے گھر میں کسی شے کی کیا کمی ہوگی
رقیب اور وفادار ہو، خدا کی شان!
بجا ہے اس نے جفا پر وفا ہی کی ہوگی
یہ مدعا دل بے مدعا سے ہے ہم کو
نہ دوستی کبھی ہوگی، نہ دشمنی ہوگی
نصیب لذت آزار عشق ہو تو سہی
یہ جانتا ہوں کہ مر مر کے زندگی ہوگی
نہ دیکھے نفع و ضرر کو تو کیا ہے وہ انسان
ہماری آنکھ کی پتلی نہ آدمی ہوگی
نگہ شوخ ہی کچھ دے جواب چل پھر کر
تمہاری چال کی کس سے برابری ہوگی
بہت جلانے کا حوروں کو داغ جب میں
بغل میں اس کی وہاں ہند کی پری ہوگی

۱۵۰

انھیں نفرت ہوئی سارے جہاں سے
نئی دنیا کوئی لائے کہاں سے
ترے پامال غبار کشتگاں سے
زمیں ٹکرا رہی ہے آسماں سے
کھلا کب مدعا اُن کے بیاں سے
زباں خرچ تھا خالی زباں سے
پریشاں وہ اٹھے خواب گراں سے
مری فریاد ہے آہ و فغاں سے

ملا تھا یا نہیں اُس دل ستاں سے
ترا آنا ہوا قاصد کہاں سے

وہ توڑیں عہد لیکن فکر یہ ہے
خدا دیگا کیوں کر درمیاں سے

تمہاری بات لگتی ہے مجھے تیر
نگہ کا کام لیتے ہو زباں سے

ذرا نرمی بھی کر اے سخت جانی
تھکا جاتا ہے قاتل امتحاں سے

کہوں کیونکر تری باتیں ہیں جھوٹی
زباں پکڑی نہیں جاتی زباں سے

حد ادنیٰ کی ہے اعلٰے کو معلوم
زمیں کی پوچھتا ہوں آسماں سے

لگا ہے سنگ مقناطیس گویا
جبیں اٹھتی نہیں اُس آستاں سے

سوالِ وصل پر چپ ہوگئے کیوں
زباں کا کام لیتے ہیں زباں سے

جہاں کے ہو رہے بس ہو رہے ہم
قفس بھی کم نہیں ہے آشیاں سے

وہ کوہِ طور تھا موسٰے کا حصہ
الٰہی میں تجھے دیکھوں کہاں سے

عدو بھی اب تو مجھ پر رحم کھا کر
سفارش کر رہے ہیں آسماں سے

تم آئے میہماں کیوں غیر کے ساتھ
لگا لائے یہ پنچھالا کہاں سے

نظر پر کیوں چڑھا کر مجھ کو پٹکا
گرایا کیوں زمیں پر آسماں سے
اگر ہو آنکھ لو سرمہ بنائیں
خضر بھی میری گردِ کارواں سے
بنا دے کوئی مسجد بت کدے پر
کہ دہرا فیض ہو دیرے مکاں سے
مزا ہے اُن سے ہوگی گفتگو ترش
زباں کے لیں گے چٹخارے زباں سے
دمِ آخر جو دوں دم توڑ کر جاں
نہ ہوگا یہ کبھی مجھ ناتواں سے
وہی کہتا ہوں میں سنتا ہوں جو کچھ
ملی ہے یوں زباں اُن کی زباں سے
تری محفل سے یہ میں جا کے لایا
کہ چل کارے ملے مجھ کو وہاں سے
گئی بے کار سازش اپنی افسوس
کہ خلعت چھن گئی اس پاسباں سے
اُنھیں جس بات سے تھی سخت نفرت
وہی بے ساختہ نکلی زباں سے
گیا ہوں پہلی منزل تک تو مر کر
اب آگے جاؤں گا کیونکر وہاں سے
ہجوم آرزو نے دل کو چھوڑا
جدا ہے میر منزل کارواں سے
نظر آتی نہیں کچھ موت کی ر
یہ آ جاتی ہے کیا جانے کہاں سے

ترے در پر جگہ ہے داغ کی گرم
گیا ہے وہ ابھی اٹھ کر یہاں سے

۱۵۱

ازل میں شرح لکھ کر میرے غم کی
بری حالت ہوئی لوح و قلم کی

نہیں فرصت جنوں سے ایک دم کی
ہمارے سر میں گردش ہے قدم کی

چلیں گے سر کے بل اس رہ گزر میں
نہ ہوگی ہم سے پابندی قدم کی

خدا جانے اسے کیا لکھ دیا حال
زباں پکڑی نہیں جاتی قلم کی

تری آنکھوں سے کیا نرگس کو نسبت
کہ وہ کم بخت اندھی ہے جنم کی

شبِ وعدہ رہا یہ شغل اپنا
گنی گنتی ترے قول و قسم کی

نہیں ہوتے ہمارے ہاتھ سیدھے
بلائیں لی تھیں زلفِ خم بخم کی

ترے کوچے سے روتا کون گزرا
کہ مٹی جم گئی نقشِ قدم کی

بڑے ہیں نیم جاں عاشق ہزاروں
کہ کرنی تھی جفا اس نے نہ کم کی

حیا آمیز ہے طرزِ تغافل
ستم میں بھی ادا ہے کس ستم کی

غنیمت ہوگئی صبحِ شبِ وصل
ہوا خواہی نسیمِ صبح دم کی

کبھی ہوں اُس گلی میں نقش دیوار
کبھی اُس بزم میں تصویر غم کی

ان آنکھوں کی ذرا مستی تو دیکھو
نگاہوں میں بھی لغزش ہے قدم کی

مرے دل میں حسینوں کا ہے مجمع
یہی جنت تو رونق ہے ارم کی

یہاں آئے ہیں جانے کے لیے ہم
یہ ہستی پہلی منزل ہے عدم کی

دمِ رخصت وہ جانے کا اشارہ
وہ انگڑائی جمائی صبح دم کی

جو یہ نکلا تو گویا جان نکلی
بڑی دولت ہے دنیا میں بھرم کی

دبادو خاک میں مجھ کو کہ مجھ پر
نشانی ہو کسی نقشِ قدم کی

مری مشکل ابھی ہوتی ہے آساں
الٰہی دیر ہے تیرے کرم کی

تمھی اپنی جفا پر غور کرلو
مجھے حاجت نہیں اظہارِ غم کی

عدو پڑھتے ہیں سوفی حضرتِ داغ
پڑھو اب فاتحہ تم اپنے دم کی

۱۵۲

نہ لکھی جائے جب بھی شرح غم کی
زباں گر ہاتھ بھر کی ہو قلم کی

بڑی حجت سے ٹھہری تھی قسم کی
جو وقت آیا تو اب دیتے ہیں دھمکی

یہی ہے مختصر حالِ شبِ وصل
خدا نے دن بڑھایا رات کم کی

کیا کیوں محلہ اُس کی رہ گزر میں
لکیریں مٹ گئیں نقشِ قدم کی

کرے کس کس سے کوئی بدگہی
وہاں ہیں سیکڑوں قسمیں ستم کی

حنائی فندق اُس کی لانے کی رنگ
یہ چنگاری اگر چمکی تو چمکی

دماں بھی دے رہی ہے شادیانے
مجھی ہے دل میں شادی کس کے غم کی

ہم اُس در کے گدا ہیں جس کی چوکھٹ
زیارت گاہ ہے دیر و حرم کی

شکستِ دل میں بھی طرز و ادا ہے
تمھارے عہد و پیماں و قسم کی

شمیمِ کاکلِ مشکیں سے مل کر
ہوا باندھی نسیمِ صبح دم کی

ہمارے ساتھ کھانے کی نہ کھانا
قسم میں صاف آمیزش ہے سم کی

کبھی پر لطف ہے تیرے غضب کا
کبھی پر مہربانی ہے ستم کی
لگایا تم نے بٹا نقدِ دل کو
پرکھ سیکھو کھری کھوٹی رقم کی

مزا کیا زندگی کا عاشقوں کو
کہ ہستی میں ہے کیفیت عدم کی
ہوا جنت میں بھی نعمت کا حواہاں
کہیں پوری نہیں پڑتی شکم کی

ملے گر اس کے ملنے کی مجھے راہ
کروں طے اک قدم میں سو قدم کی
تمنائے دلی کی انتہا کیا
بہت کچھ آرزو کی پھر بھی کم کی

مرے ہر لفظِ خط میں دو ہیں پہلو
نہ کیوں ہوں دو زبانیں ہیں قلم کی
وہ آتش پا ہیں راہِ شوق میں ہم
کہ جلتی ہے زمیں نقشِ قدم کی

جنابِ داغ پھر عاشق ہوئے ہیں
منائیں خیر حضرت اپنے دم کی
الٰہی دے محبت داغ کو تو
شفیع المذنبیں شاہِ اُمم کی

۱۵۳

کئی دن سے خوشامد کر رہا ہے آسماں میری
الٰہی دل ہی دل میں گھٹ کے رہ جائے فغاں میری

زبانِ حالِ دل کہہ دوں جو یاری دے زباں میری
کہ دفتر لکھتے لکھتے گھس گئی ہیں انگلیاں میری
تم آگے داورِ محشر کے سننا داستاں میری
وہاں کب چوکتا ہوں ، ہوش چلتی ہے جہاں میری
وہ ابرو تان کر بیٹھے تھے ، جب میں نے سبب پوچھا
تو جھنجھلا کر کہا "کیا پیر ہو جائے کہاں میری"
تمھیں کیا قدر ہے دلدادۂ چشمِ سحر گو کی
بدلتا ہوں بدل لو اس زباں سے تم زباں میری
بھرم اس کا رہا دل میں ، رہی ضبط محبت سے
وگرنہ توڑتی کیا عرش کے تارے فغاں میری
تمھیں دل دینے والا کون ہے پھر کر وہی اک میں
یہ شامت اور کس کی آئی ہے اے مہرباں میری
یہ نذرانہ عجب شے ہے کہ دشمن دوست بنتے ہیں
سفارش اُن سے اب کرنے لگا ہے پاسباں میری
وہ جس دن وصل کی شب بن سنور کر پاس بیٹھے ہیں
بلائیں لیتے لیتے تھک گئی ہیں انگلیاں میری
پکڑتی ہے زمیں میرے قدم کیوں کوئے قاتل میں
الٰہی خیر ہو تسربت ہے کی کیا یہاں میری ؟
عدو سے آن بن ہے وہ آپس میں لڑیں جھگڑیں
مری تقصیر کیا ، کیوں آئی شامت ناگہاں میری
تری بیداد کی جب میں خدا سے داد چاہوں گا
طرف داری قیامت میں کرے گا پاسباں میری
جو تم روکو نہ مجھ کو تو کہوں چبتی ہوئی ایسی
کلیجے میں عدو کے لیل ڈالیں چٹکیاں میری

وہ کہتے ہیں کہ میں ہوں تلخ گو بوسہ نہ مانگو تم
نہ شیریں ہے دہن میرا، نہ میٹھی ہے زباں میری

تجھے فرصت کہاں ہے اے اجل عالم کے چکّر سے
برا کیا تھا جو ہوتی ہجر کی شب میہماں میری

بھلا ایذا طلب مجھ سے کہیں پیدا بھی ہوتے ہیں
عبث ہے گر بلائیں لے بلائے آسماں میری

کہا جب وصل کے وعدے کو تو مجبور ہو ہو کر
وہ کہتے ہیں الٹتے ہی نہیں اس پر زباں میری

جب اپنا ہاتھ رکھا سینۂ پُر داغ پر میں نے
نئی ہیں پنج شاخہ گل کے پانچوں انگلیاں میری

فقط اک خوب روئی سے بنا کرتا ہے کیا انساں
مجھیں سانچے میں ڈھالا، ہیں یہ ساری خوبیاں میری

خدا بھی یاد کرتا ہے وہ بت بھی یاد کرتا ہے
گواہی دے رہی ہیں دو طرح کی ہچکیاں میری

گئے تھے سیر کو گلشن کی، دونوں لٹ کے آئے ہیں
ادا اُن کی اڑائی گل نے، بلبل نے فغاں میری

قدم رکھا تھا یہ کس نے کہ ہر شیخ و برہمن کو
تبرّک ہوگئی اُس دن سے خاکِ آستاں میری

نظام‌الملک آصف جاہ محبوبِ علی خاں نے
زمانہ جانتا ہے قدر جیسی کی یہاں میری

سناؤں کس کو جو کچھ عمر بھر آنکھوں سے دیکھا ہے
کہ طولانی بہت اے داغ ہے یہ داستاں میری

۱۵۴

ہائے وہ بانکی ادائیں اُس بتِ مےخوار کی
شوخیاں گفتار کی ، اٹکھیلیاں رفتار کی

کیا مزا دیتی ہے وحشت میں خلش آزار کی
توڑ کر دل میں چبھو لیتا ہوں نوکیں خار کی

تابِ نظّارہ کسے کیا شکل دیکھوں یار کی
کوندتی رہتی ہے بجلی آتشِ رخسار کی

آ گئی تجھ پر طبیعت کافر و دیں دار کی
رشتہ داری ہوگئی تسبیح سے زنّار کی

حضرت موسیٰ نے دیکھا آکے اس دنیا میں کیا
ہو وہیں آن کی تو آنکھیں ایک ہی دیدار کی

صبح مسجد کو گئے ہم شام کو مےخانے میں
رات کو ہم نے اڑائی ، صبح استغفار کی

کان سننے کے لیے ہوں ، دل سمجھنے کے لیے
قلقلِ مینا میں ہے آواز استغفار کی

آ پڑی ہے بحث میرے قطرہ ہائے اشک سے
آج بوندیں گن رہا ہوں ابرِ گوہربار کی

اس کو کھلتے ہی نہ دیکھا بارہا آئی بہار
میرے دل کی ہے کلی کیا جانے کس گلزار کی

جو نگاہِ سرمہ گیں تھی ہوگئی وہ شرم گیں
باڑ چڑھ کر آب اتری ہے تری تلوار کی

یوسفِ مصری کے بکنے پر عبث ہے اعتراض
ہم سمجھتے ہیں مٹھائی تم کو بھی بازار کی

آ ہی جاتی ہے طبیعت لوٹ ہی جاتا ہے دل
کیوں بنا دی ہے خدا نے تیری صورت پیار کی

تیرے دل میں بل ترے دل میں گرہ اے کینہ جو
ابروے خم دار کا ہے ، کاکلِ خم‌دار کی

یا الٰہی کوئی محشر میں نہ ہو میرا رقیب
ورنہ لٹ جائے گی دولت سب ترے دیدار کی

موت بھی سو بار آئی اور آ آ کے پھر گئی
شکل پہچانی نہیں جاتی ترے بیمار کی

تم نے کچھ جانا بھی ہے اپنی نگاہِ ناز کو
تم کو بھی پہچان ہے اچھی بری تلوار کی

جو ہیں عالی رتبہ اُن کو کیا سہارا چاہیے
سقفِ گردوں کے لیے حاجت نہیں دیوار کی

اس کی ناکامی کو یا میں جانتا ہوں یا خدا
وہ دعاے وصل جو میں نے ہزاروں بار کی

نیند آنے کی نہ تم کو پہلوے دشمن میں بھی
مان لو منت ہمارے دیدۂ بیدار کی

دو قدم چل چل کے گرتے ہیں طریقِ عشق میں
ٹھوکریں ہیں منزلیں اس راہِ ناہموار کی

کیا کروں اے اہلِ جنت کچھ نظر آتا نہیں
میری آنکھوں میں بھری ہے خاک کوے یار کی

ہم نشیں سے بدگمانی نامہ بر ہے لالچی
کس سے پوچھوں کیا ہے کیفیت مزاجِ یار کی

چاک کرکے دل مرا قاتل نے سو ٹکڑے کیے
دھجیاں کیا کیا اڑائیں زخمِ دامن‌ِ یار کی

حسرتِ عمرِ ابد نے مار رکھا ہے مجھے
زندگی میری حسابِ خضر نے دشوار کی

اس کی صورت دیکھ کر کرلیں گے وہ مجھ پر قیاس
اپنے بدلے بھیج دوں تصویر میں غمخوار کی

فرقتِ دلدار میں گھر کاٹے کھاتا ہے مجھے
کیا بھیانک ہوگئی صورت در و دیوار کی

کیوں نہ جاتی آسماں پر آسماں سے عرش پر
کیا مری آہِ رسا بھی آہ تھی بیمار کی

اس زمیں میں اور بھی اے داغ تم لکھو غزل
جب طبیعت راہ دے ، پھر کیا کمی اشعار کی

۱۵۵

یہ نئی صورت نکالی آپ نے تکرار کی
صلح میں بھی آنکھ لڑنے کے لیے تیار کی

نازکی نے آن کی آسانی مری دشوار کی
دوہرے ہو جاتے ہیں اکثر جھوک سے تلوار کی

کیوں نہ ہوتی آزمائش طالبِ دیدار کی
لن ترانی اک ادائے خاص تھی گفتار کی

سیر سے جاتی ہے کب دیوانگی بیمار کی
میرے دل کو تیر لگتی ہے ہوا گلزار کی

حرف مطلب سنتے ہی تکرار سی تکرار کی
واہ کیا کہنا ترا کیا بات اس گفتار کی

گر کرے توقیر اپنے طالبِ دیدار کی
لوٹے قدموں پر تجلی شعلۂ رخسار کی

دیکھ لیں وہ بھی بہاریں اس نئے گلزار کی
نامہ بر تصویر لے جا سینۂ افگار کی

ہر نگہ میں فتنہ ہے، ہر فتنے سے محشر بپا
شوخیاں چن لیں تری آنکھوں نے بھی رفتار کی

دور ہو دردِ محبت اور دل چاہے شفا
کیا مجال آزار کی، کیا جان ہے بیمار کی

چین جب دل کو نہیں آتا تو کب آتی ہے نیند
کب پلک جھپکی ہمارے دیدۂ بیدار کی

سخت جانوں کا کیا ہے فیصلہ ہر وار میں
نوک اچھی رہ گئی قاتل تری تلوار کی

سینۂ پُر داغ میرا دیکھ کر اُس نے کہا
رنگ ہے گلشن کا اس میں بو نہیں گلزار کی

کیا مرض اپنا مریضِ عشق ہو کر چھپ سکے
وہ بتا دیتے ہیں صورت دیکھ کر بیمار کی

کوئی کہہ دے اُن سے جا کر اب نہ مہلت چاہیے
مرنے والے کو ہے حسرت آخری دیدار کی

سر میں سودا بھر گیا جب زلف اُس کی دیکھ لی
دل میں برچھی گڑ گئی جب آنکھ اُس سے چار کی

خشتِ قبرِ محتسب اس میں لگا پیرِ مغاں
پاک ہو جائے عمارت خانۂ خمّار کی

چوگنی ہو عمر یا رب، چوگنی ہو سلطنت
میرے آقا کی، مرے شہ کی، مرے سرکار کی

عشق کے ہاتھوں ہوئی ہیں داغ کی بربادیاں
کیا حقیقت پوچھتے ہو اُس خدائی خوار کی

۱۵۶

اس چوٹ کو پوچھے کوئی اس خستہ جگر سے
اترا جو ترے دل سے ، گرا تیری نظر سے

اس طرح گزرتے ہیں تری راہ گزر سے
جو پاؤں کا ہے کام وہ ہم لیتے ہیں سر سے

دو چار بہے اشک تو کیا دیدۂ تر سے
بارش کا مزا یہ ہے کہ جو ٹوٹ کے برسے

پروانوں نے گھیرا ہے شبِ غم مجھے آ کر
لو شمع کی اٹھتی ہے مرے داغِ جگر سے

محفل میں رقیبوں کی بلایا تو ہے اس نے
جائیں گے وہاں ہم بھی کفن باندھ کے سر سے

دم لے کے چلا جاؤں گا میخانہ ہے نزدیک
اے شیخ بہت دور ہے مسجد مرے گھر سے

کیوں خون برستا ہے تری آنکھ سے ظالم
کیا رنگ اڑایا ہے مرے دیدۂ تر سے ؟

معشوق بہ ہر حال میں عشّاق ہیں قربان
پروانوں کی الفت نہ گئی شمعِ سحر سے

کیا اُن کی حقیقت ہے کہ تشبیہ اُنھیں دوں
غنچے کو ترے لب سے ، رگِ گل کو کمر سے

وہ کوئی گھڑی دید کے قابل تھی لڑائی
جب چھوٹ لڑی ، اُن کی نظر میری نظر سے

میری نہ بجھی پیاس تو جھنجلا کے سرِ بزم
ساقی نے سبو کھینچ کے مارا مرے سر سے

یوسف کی محبت کو زلیخا سے تو پوچھو
کو حضرت یعقوب کو تھا عشق پسر سے
دیکھا کہ ہوا کس میں ہے نرمی و نزاکت
رخسار ملے آج انھوں نے گلِ تر سے
آمادہ ہی کرتے ہیں یوں قتل پر اپنے
تلوار ہی باندھتے ہیں اُن کی کمر سے
اے داغ مصیبت ہے حیاتِ ابدی بھی
اس رنج کو پوچھے کوئی الیاس و خضر سے

۱۵۸

آگاہ جو ہوتے ہیں مرے زخمِ جگر سے
اب آنکھ چراتے ہیں وہ اپنی بھی نظر سے
کیوں قبرِ عدو بارش رحمت کو نہ ترسے
وہ دوزخی ایسا تھا کہ انگارے ہی برسے
راہیں تو ہیں سبھی بند مرے دردِ جگر سے
کیا جانے اجل آئی شبِ ہجر کدھر سے
نقشِ قدمِ یار کی مٹی نہ ہو برباد
تر رکھتے ہیں اس واسطے ہم دیدۂ تر سے
اپنے ہی پہ قربان کیا آپ نے اس کو
دشمن کا اتارا نہ اتارا مرے سر سے
اس اعمرِ ناز سے آیا ہوں بہت خوش
اللہ بچائے مجھے اپنی بھی نظر سے
یہ عاشق و معشوق کی رخصت بھی غضب ہے
پروانے گلے مل کے جلے شمعِ سحر سے

دیتا ہے وہی کافر و دیں دار کو روزی
خالی نہیں پھرتا کوئی اللہ کے گھر سے

انداز اڑاتے ہیں، لگاتے ہیں نظر بھی
وہ اس لیے چھپتے ہیں حسینوں کی نظر سے

کیا حشر کے دن دولتِ دیدار ملے گی
دینا نہ پڑے نعم کی امید میں گھر سے

بھولا نہ کبھی قافلۂ ملکِ عدم راہ
جاتا ہے اُدھر ہی کو یہ آتا ہے جدھر سے

بت خانے سے گو ہم کو برہمن نے نکالا
بت بھی تو نکالے گئے اللہ کے گھر سے

معشوق جلے دھوپ میں عاشق اسے دیکھے
بلبل نے کہا گل پہ نہ سایہ کبھی پر سے

کعبے سے نکل کر رہے بت دل میں کسی کے
اللہ کے گھر میں گئے اللہ کے گھر سے

اس کے لبِ جاں بخش و خط سبز کو دیکھو
باہم ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

جاتا کہ جلانے کا رقیبوں سے یہ مل کر
وہ بزم میں جا بیٹھے الگ داغ کے ڈر سے

۱۵۸

ہرائے واسطے جو اپنی جان کھوتا ہے
وہ جان نثار ہزاروں میں ایک ہوتا ہے

نصیب سوئے تو بیدار کوئی ہوتا ہے
کہ شرط بالدہ کے مردے سے وہ تو سوتا ہے

جگر کے داغ پہ دل زار زار روتا ہے
اسی کو ہوتا ہے غم جس کا کوئی ہوتا ہے
کسے نصیب مرے پائے فگار کا صدمہ
کہ پھوٹ پھوٹ کے ہر آبلہ بھی روتا ہے
ہمارے دامنِ تر کا وہ قطرہ ہے دیکھو
کہ جس میں شیخ بھی دستار کو بھگوتا ہے
تمہیں نکالوگے چن چن کے تم سے ہے اُمید
ہمارے حق میں جو کانٹے رقیب بوتا ہے
پھسادیا ہے مجھے دل نے ورطۂ غم میں
یہ ناخدا مری کشتی کو خود ڈبوتا ہے
کہاں ہے زندے کو مردے کی طرح سے آرام
لحد میں چین سے وہ اپنی نیند سوتا ہے
مجھے وہ سوز دروں ہے جو دیکھتا ہے نبض
تو چارہ ساز کا برسوں علاج ہوتا ہے
چراغ شام کا ہوتا ہے صبح کو خاموش
تمام رات کا جاگا سحر کو سوتا ہے
کہا جو غیر کو خارج ہے آدمیت سے
کہا اُنھوں نے کہ آدم کا وہ بھی پوتا ہے
عجیب عشق کی دیکھیں دو رنگیاں ہم نے
یہی تو داغ لگاتا ہے، یہ ہی دھوتا ہے
شبِ فراق کی تکلیف سے یقین آیا
مقابل اس کے جہنم میں عیش ہوتا ہے
خدا کا مال ہے جان اور دل ہے دلبر کا
دھرا ہی کیا ہے جو عاشق گرہ سے کھوتا ہے

ہمیشہ ہم نے یہ دیکھا ہے بادہ خواروں میں
کہ چاند عید کا آنسوؤں کو ہوتا ہے
کسی کی سعی سے ملتا ہے پھل کسی کو کبھی
کوئی نصیب سے کھاتا ہے، کوئی بوتا ہے
کسی کو نفع ہے اس سے کسی کو ہے نقصان
متاعِ دل کوئی پاتا ہے، کوئی کھوتا ہے
وہ گھولتا ہے تخلص کو لکھ کے پانی میں
وہ میرے نام کو اس طرح سے ڈبوتا ہے
نہیں مجال اٹھائے جو عشق کی سختی
اگر پہاڑ کے پتھر بھی کوئی ڈھوتا ہے
وہ پوچھتے ہیں مرا حال کس تجاہل سے
یہ داغ کون ہے، یہ کس کا ذکر ہوتا ہے

۱۵۹

عاشق متحمّل نہ ہوئے قہر و غضب کے
بیٹھے رہو اب صبر سمیٹے ہوئے سب کے
نقشے ہیں یہ اب دیدۂ دیدار طلب کے
رہ جاتی ہے پلکوں میں نگہ ضعف سے دب کے
کس دھوم کے کس لطف کے کس عیش و طرب کے
یاد آتے ہیں جلسے وہ ہمیں چودھویں شب کے
جو بھید کی باتیں ہیں رقیبوں سے ملیں گی
وہ ہیں مرے مطلب کے وہی ہیں مرے ڈھب کے
یا تیسرے فاقے سے بھی حضرتِ زاہد
تیسرے دن پھول ہوئے بنت عنب کے

داغوں سے محبت کے ہے دل صورتِ گلشن
ان پھولوں کی اے داغ بہار آئی ہے اب کے
گلزار کی صورت ہے مگر رنگ نہ خوشبو
ہمراہِ خزاں داغ بہار آئی ہے اب کے

۱٦۰

کچھ لاگ کچھ لگاؤ محبت میں چاہیے
دونوں طرح کا رنگ طبیعت میں چاہیے
یہ کیا کہ تن تنے ہوئے بیٹھے ہو بزم میں
کچھ بے تکلفی بھی تو خلوت میں چاہیے
وہ ابتدائے عشق میں حاصل ہوئی مجھے
جو بات انتہائے محبت میں چاہیے
آئیں گے بے شمار فرشتے عذاب کے
میدانِ حشر غیر کی تربت میں چاہیے
کچھ تو پڑے دباؤ دلِ بے قرار پر
پارا بھرا ہوا مری تربت میں چاہیے
معشوق کے کہے کا برا مانتے ہو داغ
برداشت آدمی کی طبیعت میں چاہیے

——:٥:——

متفرقات

الف

خاکساری آدمی کو چاہیے
ہے یہ پتلا اور پیکر خاک کا

کیا ہوا صرف اگر یثرب و بطحا دیکھا
دیکھنے والے سے پوچھے کوئی کیا کیا دیکھا
وہ وہ ہے نور کہ پروانہ بنی شمعِ حرم
وہ وہ ہے حسن کہ یوسف کو زلیخا دیکھا
قلبِ ایوب میں اس صبر کی دیکھی تاثیر
چشمِ یعقوب کو اس نور سے بینا دیکھا
پانی پانی ہیں بہت خجلت نادانی سے
جوش زن ہے یہ نئی طرح کا دریا دیکھا

ایہا الناس ! گزرتا ہے زمانہ کیسا
اہلِ اسلام کو آزار ہے کیسا کیسا
ہاتھ سے کھوئی ہوئی چیز کا ملنا ہے محال
یوسفِ زر کے لیے خوابِ زلیخا کیسا
نقد ہمت کا جو ہو کوئی پرکھنے والا
دیکھے ہے کیسا کھرا اور ہے کھوٹا کیسا

چشم پر مردمِ بیمار کی چھائی غفلت
سات طبقوں سے بڑھا آٹھواں پردا کیسا
خونِ دل پیتے ہیں یہ خونِ جگر کھاتے ہیں
ان کی قسمت میں بھلا جرعۂ صہبا کیسا

کسی کو چین کیا اے بندہ پرور ہو نہیں سکتا
جو تم چاہو تو ہو سکتا ہے، کیونکر ہو نہیں سکتا
تمھارا دل مرے دل کے برابر ہو نہیں سکتا
وہ شیشہ ہو نہیں سکتا، یہ پتھر ہو نہیں سکتا
مہینہ، سال، ہفتہ، عشرہ، روزوشب، گھڑی، لحظہ
کوئی کیا وقت آنے کا مقرر ہو نہیں سکتا
یہ ہے بالیدگی آہن کو بھی خونِ شہیداں سے
نکل کر میان میں پھر اُن کا خنجر ہو نہیں سکتا
مرا قاتل نے سر کاٹا تو میں ممنون ہوں اُس کا
زمانے کا کوئی احسان سر پر ہو نہیں سکتا

بےستوں کاٹنے کی خاک نہ پائی اُجرت
پیشگی کچھ بھی نہ فرہاد نے شیریں سے لیا

ہے مری تحریر پر الزام اُس کافر کا یہ
خط کی پیشانی پہ کیوں اللہ تو نے لکھ دیا

بھی دل لگی ہے کہ ہر نامہ بر کو
پھرانے پھرانے پریشان کرنا

بادل کبھی پھٹتا ہے تو پھٹ جاتا ہے دل بھی
گھنگھور گھٹا مفت ہے مزا بادہ کشی کا

دلبر سے جدا ہونا یا دل کو جدا کرنا
اس فکر میں بیٹھا ہوں آخر مجھے کیا کرنا
مرقد پہ مرے آ کر بخشش کی دعا کرنا
اتنا کہے جاتا ہوں الفی تو وفا کرنا
روٹھے کو مناتے ہیں وہ پیار سے یہ کہہ کر
تیری تو یہ عادت ہے ناحق کا گلا کرنا
یہ کام تو آساں ہے گر اس پہ کمر باندھو
میرا بھی بھلا کرنا اپنا بھی بھلا کرنا
معشوق زمانے میں کیا کام نہیں کرتے
یہ کام تمہارا ہے اچھوں کو برا کرنا
یہ کام نہیں آساں انسان کو مشکل ہے
دنیا میں بھلا ہونا دنیا کا بھلا کرنا

اچھا نہیں اچھا نہیں برتاؤ تمہارا
دیکھو نہ اتر جائے کہیں بھاؤ تمہارا
اک دم میں پہنچ جاتے ہو اے اہلِ عدم تم
رستے میں کہیں بھی نہیں اٹکاؤ تمہارا

کوئی دن رات کو نہیں ملتا
آدمی بات کو نہیں ملتا

نامہ بر! اُن سے پخت و پز بھی کی
یا کبھی پر ہی اعتبار کیا

ساتھ ہیں آہ و نالہ و فریاد
کیا یہ لشکر پرا جا کے چلا

مجھ کو وحشی سمجھ کے یاروں نے
میرے در پر پڑاؤ ڈال دیا

بوالہوس جان پہ کھیلے تھے مری طرح مگر
میں نے ہی عشق کے میدان میں پالا جیتا

غیر کی فرقت میں وہ رونے لگے جب زار زار
میری کشتِ آرزو پر ہائے پانی پھر گیا

سینہ کہاں جو دل ہی نہیں دونوں لٹ گئے
یہ بادشاہِ عشق تو وہ پائے تخت تھا

غیر پر بھاری ستارے ہیں کئی
تم اتارا دو کٹورا پھول کا

نہ ہوئی اُن سے رہ بری میری
خضر نے اپنا پاؤں کھینچ لیا

نامہ بر میں غضب کی پھرتی ہے
ایک دم میں جواب لے آیا

بھٹی شراب کی تو چڑھائی ہے بے فروش !
ہلکا ہوا جو دیگ کا ہنڈا غضب ہوا

جاگا ہوا تھا رات کا زاہد تھا معتکف
جب صبح ہو گئی تو وہ پینک میں آ گیا

اس نے سب کھول دیا راز مرا
رازداں پیندے کا ہلکا نکلا

دیکھیے ہوتا نہیں ہے کوئی قبول
سجدہ کرتے کرتے ماتھا چھل گیا

کچھ کدورت جس سے تجھ کو ہو گئی
کر دیا پیوند اس کو خاک کا

اپنے مطلب کی لوگ کہتے ہیں
ان کی باتوں میں تم نہ آ جانا

بیمارِ ہجر آنکھ ذرا کھولتا نہیں
غفلت کا پردہ اس پہ ہے کیسا پڑا ہوا

گلشن میں مزا بادہ کشی کا نہیں ملتا
ہے ایسی ہوا بند کہ پتا نہیں ہلتا

تیغِ قاتل کی کہوں کیا آب و تاب
جس کے قبضے میں ہے پتلا نور کا

جلی جو شمع تو دم بھر نہ اُس کو تاب آئی
پتنگ تھا کہ پتنگا تھا اُڑ کے جل ہی گیا

وہ شوخ تند جو ہے کیا سخت گفتگو ہے
جب بات کی تو گویا پتھر سا پھینک مارا

رات دن صدمے دیے جائے فلک
ہم نے بھی چھاتی پہ پتھر دھر لیا

اُس شوخ نے پردے سے جھلک جس کو دکھا دی
اُس تشنۂ دیدار نے پانی بھی نہ مانگا

حجتی بھی ہے یہ فسادی بھی
دل بڑا ہی بکھیڑیا نکلا

طفلِ سرشک اپنا کرتا نہ چشمِ تر سے
قسمت میں اس کی ہوتا گر پاؤں پاؤں چلنا

خواب میں بھی تو کسی طرح نہ چھوٹا پردہ
جب مرے سامنے وہ آئے تو پردا چھوڑا

آ کے مہماں سب وہ ساماں لے گئے
میرے سارے گھر کو پتڑا کر دیا

مچلنا طفلِ دل کا ہے اک آفت
بہت دی ہم نے پچکاری نہ سنبھلا

پٹھان جمتی ہیں مسی کی دھڑی جمتی ہے
آج سامان یہ کدھر کا ہے ، کہاں جانے کا

سینے میں آتشِ غم ہے تو جگر ہے پُر داغ
نہ پڑوس اچھا ہے دل کا نہ پڑوسی اچھا

کیا جانے کیا پڑھنت پڑھی نامہ بر نے آج
اس بت کو دو ہی باتوں میں تسخیر کرلیا

حسینوں کا مجمع مری جان دیکھا
تری بزم دیکھی ، پرستان دیکھا

مرے نالہ و آہ سے چرخ ڈر تو
یہ لشکر کبھی بڑھ کے پسپا نہ ہوگا

عرقِ شرم میں ہم ڈوب گئے روزِ جزا
ہر بنِ مو سے ہمارے یہ پسینا چھوٹا

گفتگو میں غیر مجھ سے جیت سکتا تھا کہیں
آپ نے پھتّر لگائی بھی تو آخر کیا ہوا

چلے تھے بےخود اس کی دھن میں ہم کیا جانے کس جانب
وہ اتّر تھا کہ دکّھن تھا وہ پورب تھا کہ پچھم تھا

جو عریضہ لکھتے تھے لکھتے ہیں پروانہ وہ اب
انقلابِ دہر نے ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا

قیس تھا اک اجاڑ کا وحشی
کوہ کن آدمی پہاڑی تھا

اب ہو کیا سرسبز نخل آرزو
یہ تو کھٹکل خشک پولا ہوگیا

پڑا ہے کس پری کا سایہ اس پر
ہمارا دل تو دیوانہ نہیں تھا

اترا جو یہ آلر کی گٹھری گناہ کی
سر تن سے کٹ گیا تو پڑا پاپ کٹ گیا

اس کے دینے کی انتہا کیا ہے
جس نے قاروں کو دے کے ہاٹ دیا

خوب کی واہ میری دلداری
لے کے دل تم نے پاش پاش کیا

کیوں نہ ہو مجھ کو غم طفل سرشک
مل گیا خاک میں پالا پوسا

کہتے ہیں عاشق یہ تیری سرد مہری دیکھ کر
اب کے بےموسم پڑا جاڑا پڑا ، پالا پڑا

بزم دشمن میں جو آنسو گر گیا
آبرو پر اپنی پانی پھر گیا

تیغ سفاک ہو گئی بے آب
زخم پانی چھڑا گیا دل کا

اس قدر غم نے گھلایا ہے مجھے
خون بھی پانی سے پتلا ہو گیا

ہیں ساتھ اشکِ گرم کے کچھ اشکِ سرد بھی
آنکھوں نے میری خوب یہ پانی سمو دیا

ٹھہرا نہ چاند اس رخِ انور کے سامنے
مہتاب کا جو نور تھا وہ بھک سے اڑ گیا

ٹھہرا ہمارے آگے نہ شیطان بزم میں
لاحول پڑھ کے ہم نے عدو کو بھگا دیا

توسنِ عمر کی یہ تیز روی
کون ہے اس کا بھگانے والا

غیر کیوں بھید سے واقف ہوتا
میرے ہم راز نے بھانڈا پھوڑا

سستی نہیں جنسِ دل یہ سن لو
اب بھاؤ چڑھا ہوا ہے اس کا

اس رشکِ مسیحا پہ یہ بہتان اٹھایا
وہ قاتلِ اربابِ وفا ہو نہیں سکتا

دل ظاہری عتاب سے کیا خوف کھا گیا
بھبکی میں آ گیا تری دھمکی میں آ گیا

کوہ کن سے نہ کٹا غم کا پہاڑ
بے ستون کاٹ کے چیں بول گیا

کیوں نہ لے جاتا وہ خطِ شوق دم بھر میں وہاں
تیز پر اپنا کبوتر کوئی بھنگا تو نہ تھا

توسنِ عمر ہے رواں سرپٹ
یہ فرس ہولیا نہیں جاتا

غیر سے منہ بھیڑ ناصح کی ہوئی
اُس نے حضرت کا بڑا پیچھا لیا

نامہ بر تو سوار جاتا ہے
اُس طرف تیز ہولیّوں جانا

نظر بازیوں میں ٹپا اُس نے کھیلا
وہ دنبالہٗ چشم تھا یا ٹپا تھا

جس وقت ملا دل تری الفت نظر آئی
آنکھیں ہوئیں پیدا تو مجھے تو نظر آیا

ناصحا خاموش بس بک بک نہ کر
سر مرا چکرا گیا ، بھنّا گیا

یہ نہ پوچھو تجھے غم کس کا ہے
تھیلے لیتے ہو پرائے دل کا

گل نے جو ہمسری کرے عارض سے کی کبھی
بادِ صبا نے مار کر اس کو بھگا دیا

کیڑے پڑجائیں زباں میں یا خدا
ناصحِ بدمغز بھیجا کھا گیا

بات ان کی ہے جو ہیں پختہ مزاج
لطف دیتا ہے ثمر پکا ہوا

تیرے بسمل کے تڑپنے میں ہے لطف
دل کو پکا کرکے قاتل دیکھنا

چھیڑ دو نشترِ مژگاں سے اسے
کھولتا دل کا ہے پکا پھوڑا

اس طرح اس نے کیا پیمانِ وصل
ہم یہ سمجھے وعدہ پکا ہوگیا

سینے کے زخم خام ہیں کیا کھائیں خونِ دل
اچھا نہ ہو پکاؤ تو لطفِ طعام کیا

جب بند ہو حقہ تو خفا ہوتا ہے دم بھی
پینا ہمیں آتا ہے پلانا نہیں آتا

بچ گیا تیرِ نگہ سے جب دل
اُس کے دلبالے نے بلّم مارا

عاشقِ بے تاب تیرے جس جگہ مدفون ہوئے
اُس زمیں میں رات دن بھونچال ہی آتا رہا

کیسا نویڑ بوڑکا ہے قیامت کا الٰہی
اُس بزم میں اپنا بھی پتا کچھ نہیں ملتا

آتے ہی چہرے پر نہ وہ ثابت رہے ذرا
بودا ہو کاش رشتہ تمھاری نقاب کا

بھرے بھرے ترے بازو بھرے بھرے ترے گال
جو دیکھے کوئی تو بھر کیوں نہ دم بھرے تیرا

لے کے دل یہ منت کا احسان مجھ پر دھر دیا
بوسہ دے کر کہتے ہیں نقصان تیرا بھر دیا

بوسہ نہ دیا اُس نے مجھے قیمتِ دل میں
دشنام دیا کہہ کے یہ بیعانہ ہے اس کا

ہم نشینوں نے آن کے ساتھ مرا
بیچ میں پڑ کے فیصلہ نہ کیا

تلوار اُٹھانے سے لچکتی ہے کلائی
بیٹھے بھی رہو تم سے مرا کام نہ ہوگا

ہوئے لڑکے تو میرخانے میں داخل
میاں ملاّ رہے پھسپھل تنہا

ہم نے پھٹکار دیا ناصح کو
کان کھانے کے لیے آتا تھا

زیور کی نہیں حاجت ہرگز بھی حسینوں کو
معشوق وہ ہے جس میں بے ساختہ پن ہوگا

آدمی کے لیے لازم ہے کہ موزوں ہو لباس
قطع بے ڈول ہو انساں کی تو انسان وہ کیا

سنتے ہیں اک جناب مرشد کا
دختر رز سے آج بیاہ ہوا

بے دھڑک غیر چلے آتے ہیں
مر گئے آپ کے درباں بھی کیا

دل کو ہم نے اپنے بس میں کرلیا
کوئی اب چلتا ہے قابو آپ کا

اس کے کوچے میں حشر برپا تھا
سخت ہنگامہ سخت بلوا تھا

اونچی بن کے وہ قاتل آج نکلا سیر کو
خود تھا سر پر، زرہ بھی تن پہ تھی، بکتر بھی تھا

دکھا کر شکل کھینچا ہے کسی کے حسن نے اُس کو
گیا ہے دل ابھی اے ہمدمو ! جا کر پکڑ لانا

اس کا رنگ سبزۂ رخسار گہرا ہو گیا
جو زبرجد تھا زمرّد کا نمونا ہو گیا

سفیدی سے کہاں زردی کو نسبت
ہیں الماس سے پکھراج اچھّا

میرے پیغام پر سے اُس نے کہا
جھوٹ کا خوب تو نے پل باندھا

دلی کے غدر میں بھی کیا انقلاب دیکھا
آنکھوں کے دیکھتے ہی پل بھر میں کچھ کا کچھ تھا

پھر تو اُس بانیِ بے داد کی بن آئے گی
میرے پلّے میں اگر داورِ محشر نہ ہوا

امتحاں میں دل کا بودا تھا عدو
گڑگڑا کر پاؤں پر سر رکھ دیا

آ گئی دل کی حرارت جوش پر
سینہ اپنا آبلوں سے پھل گیا

پورا مہِ صیام کریں گے نہ شیخ جی
حضرت کا چار دن میں پلیتھن نکل گیا

گر دیکھیے تو فتح و شکست اس میں ہے
شطرنج کی بساط کی ورنہ بساط

اب تو جو کرنا ہے وہ کر لو ۔
بعد کو انصاف دیکھا جائے

غیر کا ہے رتبہ میرے بعد ۔
مرتبہ ادنیٰ کا اعلیٰ کب !

ہم تو نالے بھی کیا کرتے ہیں آہوں کے۔
آپ کے پاس نہیں تیر نگاہوں کے ۔

بسیرا لیا طائرِ روح
کوئی دن رہا تن میں پھر اڑ

درباں تو آگے در پہ ہیں کیا اُس کا بندوبس
پیچھا بہت برا ہے تمہارے مکان

ہدم سے بھی آگے ہے گنتی میں یہ
قیامت کا وعدہ ہے وعدا تمھ

آ گیا جب سے رسول اللہ کے زیرا
عرش اعلیٰ کا جبھی سے بول بالا ہو

بل کرے گی اب بھی کیا زلف آپ
جب دلِ صد چاک شانہ ہو گ

آخر کو لچک بن گئے وہ مجھ سے بھڑکے آج
الٹے پٹے رقیب کہ پُھر کس نکل گیا

اشک خوں کا رنگ پھیکا پڑ گیا
زخم بھر آئے دلِ بسمل کے کیا

وہاں دولتِ مہر و الفت کہاں
رقیبوں کا آخر بھرم کھل گیا

ایک طوفان ہوا طفلِ سرشک
چھوٹے لڑکے نے بڑا نام کیا

کون دیکھے جا کے جلوہ طور کا
چہرۂ مہ وش ہے بُتکا نور کا

شعلہ رویوں کا گرم ہے بازار
ہے خریدار اک جہاں ان کا

پروا نہیں اس کی جو رسائی نہیں ہوتی
کچھ عرشِ معلی تو نہیں بام تمھارا

کینہ ور چرخ بھی ہے تم بھی ہو دشمن بھی ہے
پاک طینت ہے وہی جس کا ہو باطن اچھا

دامن سے رشک گل کے اڑی باغ میں جو خاک
اُبٹنا وہ بن گئی ہے عروسِ بہار کا

قیامت کرے گی جوانی تمھاری
کہ فتنہ ابھی سے ہے بچپن تمھارا

کالپتی ہے فلک پہ کیوں بجلی
کیا مری آہ سے بخار آیا

مریضِ عشق کا لرزا جو دل کو کہتے ہیں
یہ اضطراب نہیں ہے اسے بخار آیا

کیوں حال کا اُس کے ہے خیال اب مرے دل میں
ہندو کو تو اللہ کے گھر میں نہیں دیکھا

مجھ کو یہ آیا یقیں آتے ہیں وہ
ایسا قاصد نے مجھے بھرّا دیا

غیر کی قسمت سے ہوں میں کم نصیب
بانٹ کیسی تھی یہ تھی تقسیم کیا

لو لگائے خدا سے بیٹھے تھے
آ گیا بیچ میں خیال ترا

یہ ترکِ راہ و رسم وفا کا سبب ہوا
ناصح کی بات پر جو گئے ہم غضب ہوا

سمندِ ناز کی جب باگ اٹھّی
ہؤا پامال کیا لشکر دلوں کا

شمار دیکھیے روزِ شمار کیوں کر ہو
گناہ گار ہے دنیا میں بال بال اپنا

کیوں پھیرتے ہیں اس کو خریدار دیکھ کر
کیا جنسِ دل کا بھاؤ الٰہی اتر گیا

وہ اودھر ہی اودھر ملا غیر سے
بڑا پیچ پیغام بر نے کیا

ثمر کیا لائے کیا جانے یہ بڑھ کر
اُگا ہے دل میں پودا آرزو کا

نہیں سوزشِ غم سے دل کا نشاں
جلا اور جل کر بھسم ہو گیا

شیشہ ہے تری بغل میں زاہد
اب تو یاروں نے اسے بھانپ لیا

صوفی سے کہا وجد میں یہ پیرِ مغاں نے
واللہ ہمیں بھاؤ بتانا نہیں آتا

اس قدر گستاخ ہوتا ہے کوئی
حوب مجھ پر آپ کا جہرا کھلا

جلا کر اپنے عاشق کو نہ سنبھلی
بدن بگڑا ہے کیا شمع لگن کا

خدا پر ہے بھروسہ ناخدا کیا
لگا دے گا وہ بیڑا پار میرا

برا کہہ کے کب مول دل کا لگایا
کھرے مال کو تم نے بٹا لگایا

جینا نظر اپنا ہمیں اے دل نہیں آتا
پھرا ہوا شیر آتا ہے قاتل نہیں آتا

سوزنِ عیسٰی کا بھی بخیہ اُدھڑتا ہے یہاں
اپنے وحشی کا ذرا چاکِ گریباں دیکھنا

ناصح تو بات بات میں بڑ مارتا ہے اب
دیوانہ ہوگیا کہ یہ مجذوب ہوگیا

محتسب نے جو نکالا مجھے میخانے سے
ہاتھ میں جام لیا شیشہ بغل میں مارا

دل ہمارا اب وطن سے اُٹھ گیا
آب و دانہ اس چمن سے اُٹھ گیا

باقی نہیں نشان کسی کے مزار کا
اس جا ہوا ہے مرے شہسوار کا

بے ستون تیشۂ فرہاد نے کاٹا تو کیا
کاٹتا جڑ کو قضا کی بھی وہ آلہ ہوتا

بھائے جان کیوں کر تجھ سے تیرا چاہنے والا
نگہ اُلفت کا پرکالا تو رخ آتش کا پرکالا

یاروں نے پیشتر تو نہ لی کچھ مری خبر
اب پوچھتے ہیں مجھ کو سرے یار کیا ہوا

اتنے کوڑے دل پہ مارے زلف نے
ہائے بے چارے کو آتو کر دیا

مقابل اس کے جو ابروے یار کل آیا
ہلالِ چرخ کا اتنا سا منہ نکل آیا

ہم تو کہتے ہیں وہ تھی کوہ کنی کی عادت
تیشہ فرہاد نے سر پر جو اٹھا مارا تھا

وہ زیادہ یہ کم ، الٰہی خیر
غم تو اتنا ہے دل مرا اتنا

عشق کی عقل سے رہی کشتی
آخر اس نے اسے اٹھا مارا

کہہ دیا مجھ سے دوست ہے دشمن
خوب ناصح نے اشغلا چھوڑا

اب تک نہیں ملایا کیوں خاک میں فلک کو
کیا رہ گیا ادھر میں اڑ کر غبار اپنا

لاکھوں بندھے ہیں وہم اک آفت میں آ گیا
محب تیرے دل کا محرمِ اسرار کیا ہوا

ہاتھ کب قاتل کا پورا پڑ گیا
نیم جانوں پر ادھورا پڑ گیا

کوے جاناں کی ہمیشہ ہے بہار
وہ ارم ہی تھا جو بن کر مٹ گیا

افسانہ مرا سن کے بھلا دیتے ہو یہ کیا
اس کان سے اس کان اڑا دیتے ہو یہ کیا

اے طائرانِ باغ مبارک ہو زندگی
صیّاد کی علیل کا ٹوٹا ہے پھٹکنا

واعظ کی بزمِ وعظ میں کیا بھیڑ بھاڑ تھی
اتنے میں رند آئے تو میدان صاف تھا

زلف نے اس کی مار کر کوڑے
دلِ عشّاق کو اُدھیڑ دیا

میں کہوں کچھ تم اور کچھ سمجھو
ایسی اُلٹی سمجھ کا کیا کہنا

نگہِ دوست کا جب ہم نے اشارا پایا
بزمِ دشمن میں ٹھہرنے کا سہارا پایا

سمجھیں آنسو ہم تو لال و یاقوت
مل جائے اگر آکال تیرا

کبھی دیکھے نہ مرا زائچہ کوئی رمّال
پڑ نہ جائے مری تقدیر کا پانسا اُلٹا

چھوڑا جو ہم نے کہا کے تو کھایا عدو نے غم
تھوڑا سا وہ ہمارا آتش تھا بجھا ہوا

تجھ سے یہ التماس ہے میرا
غیر کا ہے کہ پاس ہے میرا

اللہ رے پروانے ترا ضبطِ محبت
جلتا ہے مگر منہ سے کبھی اُف نہیں کرتا

نہ انشا ہے صحیح اس کی نہ املا ہے صحیح اُس کا
مرا خط غیر سے لکھوا کے بھیجا نامہ بر یہ کیا

سامنا زلف سیہ سے کل جو میرا ہو گیا
کیا مری آنکھوں کے آگے گھپ اندھیرا ہو گیا

وہ جو سرگرمِ اختلاط ہوا
کس قدر دل کو انبساط ہوا

رنج فرقت میں تری ہم نے اُٹھایا کیسا
تجھ سے آئندہ ملے گا کوئی ایسا ویسا

دنیا کے کام پورے انسان سے ہوں کیونکر
یہ تو وہی مثل ہے ''اک سر ہزار سودا''۔

پھر تیری تیغ ناز نے تڑپا دیا ہے دل
پھر میرے دل کے زخم کا انگور پھٹ گیا

لیلۃ القدر میں جاگے ہیں جناب زاہد
اونگھتے گزرے گا دن بھر تو تماشا ہوگا

لطف جب ہے کہ غم فرقت میں
ایک سا حال ہو میرا اُن کا

ساقی کہاں خم اور کہاں شیشہ خیر ہے
جو دل میں آگیا وہی اندازہ کرلیا

روکے نہ رکیں جوش پہ آکر مرے آنسو
پانی نہ کھڑا ہو کبھی اس سیل رواں کا

لے کی معاملے کی بات زلف نے تیری
سمجھ کے مفت کا مال اُس نے دل کو اینٹھ لیا

بات کا میری نہیں دیتا جواب
وہ بت کافر تو پتھر ہوگیا

پھنس گئے اُس کے داؤں میں آخر
غیر کا پیچ آپ پہ چل ہی گیا

اُس کو عیّار کہو تم یہ یقیں ہے کس کو
غیر کے نام سے آوازہ یہ مجھ پر پھینکا

عدم سے آئے، جائیں گے عدم کو
ہماری ابتدا کیا ، انتہا کیا

کام سب بن گئے لکھے میرے داغ
میری قسمت نے پیچ ڈال دیا

ب

بوندا باندی ہو رہی ہے ، چلتی ہے ٹھنڈی ہوا
ہے کہاں ساقی ادھر آئے چلے دورِ شراب

تو نے پھکوایا ہے بجلی سے ہمارا آشیاں
آتشِ گل سے یہی کہتی ہے جل کر عندلیب

چھالیاں اس کی سخت پتھر ہیں
ان میں پھنس نہیں ہے کوئی سبب

پ

روٹھنے کا بھی سبب کوئی ہوا کرتا ہے
آپ ہوجاتے ہیں باتوں میں خفا آپ ہی آپ

ٹ

ہوتی ہے مردمک مانند ماہی
پھوٹے آنکھ کے پانی کی پتی ہوٹ

ت

انکار ہے فرض بعد اقرار
یہ تو ہے تری بندھی ٹکی بات

کرتے ہو شکوے تم سہاگ کے وقت
بھیرویں گاتے ہو بہاگ کے وقت

ہاتھ میں ہاتھ لیا ہم نے یہ کہہ کر اُن کا
ہے بڑی دیکھیں ہماری کہ تمھاری بالشت

آپ کے منتظر تھے ہم دمِ نزع
تھا برا وقت آئے اچھے وقت

ہم سے سنتے ہیں کب وہ ساری بات
کہ اُلٹتے ہیں وہ ہماری بات
بات آئے نہ ہم پر اے قاصد
یوں ادا کیجیو ہماری بات
بات بڑھ جائے گی جو چپ نہ رہوں
خیر سچی سہی تمھاری بات
با وفا کہہ کے بے وفا نہ کہو
کیوں بدلتے ہو ایسی پیاری بات
تیغ اُن کی زبان ہے وقتِ سوال
کاٹ دیتے ہیں وہ ہماری بات
کہتے ہو کیوں چبا چبا کر تم
ایسی شیریں ہے کیا تمھاری بات
بات پکڑے نہ تیری اے قاصد
اُس سے کرنا نہ ہوشیاری بات
بات دل کی نہ پھوٹ جائے کہیں
رکھ لے میری یہ رازداری بات

بات پر بات یاد پھر آئی
لکھ چکا تھا اگرچہ ساری بات
ایک دن ہم نہ ہوں گے دنیا میں
اور رہ جائے گی ہماری بات

جواب کیوں نہ دیں کچھ اس کا ہم کو دینا ہے
کہ تیر لگتی ہے دشمن کی ہم کو آدھی رات

واہ رے اُن کی نازکی کی بات
اُن سے اُٹھتی نہیں کسی کی بات
اپنے مطلب کی بھی نہیں سنتے
زہر لگتی ہے اُن کو میری بات

ج

قبر کیا اچھا مکاں ہے ہم غریبوں کے لیے
فرش کی حاجت نہ جس میں قالیاں کی احتیاج

یا الٰہی کچھ خوشی کی ہو خبر
نامہ بر آتا ہے بھاگا بھاگ آج

سب باتوں سے کی توبہ نہیں کچھ غمِ پرسش
بے باق کیا ، پاک کیا ہم نے حساب آج

چرخِ اطلس پر بنادیں بوٹیاں
اس مری آہِ شرر افشاں نے آج

غیر سے ہم سے بیچ لڑتے تھے
کیا کٹا ہے جو ہم نے کاٹا بیچ

ح

نامہ بر کو نہیں کچھ عقل تو ذاتی لیکن
جو پڑھاتے ہیں وہ پڑھتا ہے یہ طوطے کی طرح

شیخ جی کے ہاتھ میں پکڑادی لکڑی رند نے
نشہ بھی تھا اور پیری بھی تھی چلتے کس طرح

لگ گئی آگ ایسی دولت کو
کہ روپے بھنتے ہیں چنوں کی طرح

آج باندھی تھی جو اس بت نے مرھٹی ساڑی
پنڈلیاں صاف چمکتی رہیں کندن کی طرح

خ

کیسی چھل بل ہے کس بلا کا شوخ
وہ پری وش ہے انتہا کا شوخ

د

بہا کرتا ہے چشمِ تر سے پانی
یہ پرنالا کبھی ہوتا نہیں بند

وہ ملیں عید کے جو دوسرے دن
عید سے بڑھ کے ہو یہ باسی عید

و

مانوں گا میں نہ تجھ کو ستم گر کہے بغیر
محشر میں چین آئے گا کیوں کر کہے بغیر
بھولے ہو تم نہ سمجھوگے بات ایک بار کی
مجھ کو نہ بن پڑے گا مکرّر کہے بغیر
مجھ کو مزا ہے چھیڑ کا دل مانتا نہیں
گالی سنے بغیر، ستم گر کہے بغیر

اپنا پتّا ہم نے مارا دوست کی خاطر سے آج
غصہ آیا تھا بہت دشمن کی صورت دیکھ کر

نالۂ سوزاں میں بلبل کے اگر ہو کچھ اثر
بھاگ جائے باغباں بوٹی دور پتّا توڑ کر

باغِ جہاں سے نکہتِ گل کی طرح چلے
مانندِ سرو ہم نہ رہے پاؤں گاڑ کر

بوسہ مانگا تو یہ جواب ملا
منہ تو دیکھو تم آئنہ لے کر

کوہ کن سر پھوڑ کر مر ہی گیا
اے فلک پتّھر پڑیں اس چاہ پر

وہ نازک ہیں نہ ہوں گے اس کے پرزے اُن کے ہاتھوں سے
نہیں بے وجہ لکّھا ہم نے خط کاغذ کے پٹھے پر

وصل کی شب ہے کرو آرام کچھ
ہو گیا تکرار میں پچھلا پہر

جمنے نہ پائے پر جو نکل کر گریز ہے
صیاد باغ باغ ہے بلبل کو دیکھ کر

جوشِ گریہ وہ ہے طوفاں گر نہ روکیں اس کو ہم
پار ہو سدِّ سکندر کو یہ پانی توڑ کر

چل سکے پیغام بر کی کیا وہاں
غیر پھلجی مارتا ہے بول کر

غیر کو قتل گہِ عام میں لے جاتے ہو
امتحاں گاہ میں ٹھہرے گا بھگوڑا کیونکر

شبِ فرقت تو کہا جائے گی ہم کو
چڑھائیں بھینٹ کس کو اس بلا پر

جس نے مے پی نہ ہو پی کر ہو یہ اُس کی حالت
سب کہیں دیکھ کے کیا بھوت چڑھا ہے اس پر

ہو گئے گم راہ جو بے رہ نما
ایسے بھٹکے پھر نہ آئے راہ پر

کوہ کن ہم تو نہیں ہیں جو سر اپنا پھوڑیں
جھوم کر چھوڑ دیا کرتے ہیں بھاری پتھر

خوشی پیرِ مغاں کی کیا کہوں میں
جو بیعت میں نے کی دستِ سبو پر

برسا وہ بدمزاج جو کل مجھ غریب پر
میں نے بھڑاس اپنی نکالی رقیب پر

وہ ہو گئے ہیں طرف دار کیوں نہ اِترائیں
غرور کرتے ہیں دشمن پرائے برتے پر

ناتوانی قیس کی لیلیٰ کو تھی دل سے پسند
کیوں نہ بھاتی وہ بھدا اور بھونڈا دیکھ کر

چرکے دے دے کے تیغِ قاتل نے
بیل بوٹے کھلائے ہیں تن پر

آڑے زخموں کی جو قاتل نے پنہائی بدھی
آج مقتل میں شہید آئے ہیں دولھا بن کر

ملا ہے نامہ بر بھی ہم کو ایسا
کہ آنسو کرتا چلتا ہے زمیں پر

شراب ناب سے آبکاری جس کو آتی ہو
وہ کیا کرے گا الٰہی مئے طہور کی قدر

دنیا کو تیرے عہد میں ملتا نہیں ہے امن
فریاد و الاماں ہے ہر اک کی زبان پر

ہر طرح پھر اس کی خاطر چاہیے
دل کو چھوڑا ہے ترے ایمان پر

جا پڑی ہے لکۂ شوقِ رخِ قاتل پر
باڑھ مارے صفِ مژگاں نہ ہمارے دل پر

مریضِ عشق کو گھن لگ گیا ہے
پنپتا ہی نہیں بیمار پڑ کر

تیری تلوار بجھی تھی کس میں
مڑ گیا زخمِ جگر پیا کر

ایسی جلدی ہوئی عاشق کے سوم میں آ کر
پنج آیت نہ سنی اٹھ گئے وہ گھبرا کر

نہ ملا غدر میں کفن بھی انہیں
تھے جو دلی میں پوتڑوں کے امیر

خط مرا دیکھ کے قاصد سے کہا اس نے یہ کیا
حرفِ مطلب پہ مرے دیر تک انگلی رکھ کر

غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا میری جان پر
آیا مگر نہ حرفِ شکایت زبان پر

قضا سے کون کر سکتا ہے کشتی
کہ چلتا داؤ پیچ اس کا ہے سب پر

وہ پھول والوں کا میلہ وہ لطف جھرنے کا
شناوروں کے وہ جھرنے پہ جمگھٹے اکثر

وہ جھولا ڈال کے امریتوں میں بڑھانی پتنگ
وہ اور چڑھ کے پھسلنا پھسلنے پتھر پر

بے ستوں کاٹ کے فرہاد ہوا ہے نامی
ہم نے کیوں چھوڑدیا چوم کے بھاری پتھر

س

قاتل لگا کے ہاتھ کہیں فیصلہ بھی کر
پھرتی ہے موت دیر سے بسمل کے آس پاس
آباد میکدہ ہو کہ مسجد ہو دیکھیے
تعمیر ساتھ ساتھ ہوئے دونوں پاس پاس

ک

آسیا چرخ کی بےکار گئی
پیس کر اس نے اٹھایا کیا خاک

پوپلے ہو گئے جناب شیخ
دختر رز پہ دانت ہے اب تک

ہے یہ باد خزاں وہ بادی چور
نہیں چھوڑا چمن میں تنکا تک

نہ چھوڑا کوئی زندہ تا قیامت
کیا ہے موت نے پیچھا کہاں تک
بھگایا شوق نے ہم کو بہت کچھ
نہ پہنچے ہائے گرد کارواں تک

دمِ آخر تو صورت دیکھ لوں میں
بلا لاؤ کوئی اُن کو یہاں تک

ہم نے اُس آستاں کو بوسہ دیا
نہ گزر ہو فرشتے کا جس تک

اُف رے اُف پھونک دیا آتشِ فرقت نے مجھے
کیا ہے آہ کی بھبک، کیا ہے قیامت کی بھڑک

پرانا دھرانا ہوا رختِ ہستی
چلے گا جابِ خضر یہ کہاں تک

توسنِ عمرِ رواں کا کوئی پیچھا نہ کرے
پھر سنبھلنے کا نہیں اُس نے جو ماری پشتک

گ

اب نئی روشنی ہے دنیا میں
ہائے کیا ہوگئے پرانے لوگ

ل

چھیڑ اُس برق وش سے کرتا ہے
ہے تو یہ ایک ہی شریر ہے دل

اہلِ عمل کو اُس نے لوٹ لیا
لے لیے ایک ایک کر کے دل

ایک آفت تھی نگاہ فتنہ گر
لا کھانی بیچ میں آیا ہے دل
نقش پی لیتا ہوں تیرے نام کا
جب کبھی فرقت میں گھبرایا ہے دل

م

محو قدِ یار ہو گئے ہم
سولی پہ چڑھے تو سو گئے ہم

ہوش آتے ہی محو ہو گئے ہم
جب آنکھ کھلی تو سو گئے ہم

بے خود شبِ ہجر ہو گئے ہم
قسمت کو سلا کے سو گئے ہم

مستِ مئے حسن ہو گئے ہم
زانو پہ کسی کے سو گئے ہم

پیری میں جوان ہو گئے ہم
جب صبح ہوئی تو سو گئے ہم

راحت سے عدم میں ہو گئے ہم
منزل پہ پہنچ کے سو گئے ہم

جاگے تھے بہت شبِ جدائی
جنت میں بھی جا کے سو گئے ہم

اُس بزم میں دل نے ساتھ چھوڑا
ایک آئے وہاں سے دو گئے ہم

وصل سے محروم ہیں دنیا میں ہم
مل چکے بس تجھ سے پھر عقبیٰ میں ہم

گریۂ بے سود پر ہنستے ہیں غیر
ڈوب مرتے کاش اس دریا میں ہم
آدمی پر اور ایسی سخت قید
دین کے پابند ہیں دنیا میں ہم
جام کے خسرو سے کیمت سوا
دیکھتے ہیں ساغرِ صہبا میں ہم
کیا تسلی کے لیے رکھتے ہیں ہاتھ
بے وفا دل کو کہاں تک تھامیں ہم
مائلِ خلد اس کو ہوگا رشکِ حور
گرد نامہ باندھیں گے طوبا میں ہم

دل نے تڑپایا بہت روزِ فراق
تھک کے آخر پڑگئے بستر پہ ہم

پھر رموزِ عاشقی سے ہوگی آگہی تجھے
عشق کے مکتب میں ناصح تجھ کو پڑھوائیں گے ہم

جو بے صبر مشہور کرتے ہو تم
مرے ذمے بہتان دھرتے ہو تم

یوں پاس نہ آتے وہ صورت نہ دکھاتے وہ
امیدِ عیادت میں بیمار پڑے ہیں ہم

دل کے ہاتھوں پیش کچھ چلتی نہیں
کیسے بے بس ہو گئے اللہ ہم

دل نے ہم کو پھنسادیا آخر
پڑ گئے ہیں پرائے بس میں ہم

چڑ گئے ذکرِ ملاقات سے تم
بدمزہ ہوگئے اس بات سے تم

دل جو لیتے ہو تو آدھوں آدھ دو حصے کرو
ایک میرے پاس رکھو، ایک اپنے پاس تم

کھلے ہیں بال آئے کہیں سے نہا کے تم
آنکھوں میں خاک ڈالتے ہو خاک اڑا کے تم

ن

بعد مدت جو ادھر آتے ہیں
دل میں کیا کیا وہ لیے جاتے ہیں

چلیے خلوت ہی میں کچھ باتیں ہوں
آپ محفل میں تو شرماتے ہیں

کیا زانوے رقیب بسا ہے نگاہ میں
تکیہ نہیں ہے آج تری خواب گاہ میں
آتے ہیں اس روش سے تری جلوہ گاہ میں
ہم پاؤں پھونک پھونک کے رکھتے ہیں راہ میں
اتنا ملا ہمیں دلِ پُر داغ کا نشاں
کچھ روشنی سی ہے تری زلفِ سیاہ میں

چے نہ پائے منزل مقصود تک کبھی
پاؤں پھٹتے ہی رہے اُس کی راہ میں

چلے کوچۂ دل دار سے میت میری
یکھیں لوگ اسے جا کے کہاں رکھتے ہیں

پھید چار میں کہہ دوں
کہنا ہزار میں کہہ دوں
مہرباں وہ ہوئے ہیں ڈرتا ہوں
راز دل کا نہ پیار میں کہہ دوں
کیا ہو کون رہتا ہے
بے قرار میں ، کہہ دوں
کبھی کہتا ہوں دل کی کچھ نہ کہوں
کبھی کہتا ہوں پیار میں کہہ دوں
کہتے ہیں وہ یہ روز شمار
جس شمار میں کہہ دوں
غیر کو رازدار کون کرے
راز دل گوش یار میں کہہ دوں
بات چبھتی ہوئی ترے منہ پر
دل ہو کر اختیار میں ، کہہ دوں

پائمال خرام یار نہیں
عرصۂ حشر میں مزار نہیں
وعدہ کرنے کی تم کو عادت ہے
مجھ کو وعدے کا اعتبار نہیں
گو ہے عاشق مزاج و شاہد باز
داغ لیکن شراب خوار نہیں

اپنے مطلب کے لیے کیا نہیں کرتے عاشق
ہاتھ بھی جوڑتے ہیں پاؤں پہ سر رکھتے ہیں

دل مرا رات سے نہیں ملتا
تم کو بھی کچھ پتا لگا کہ نہیں

دل کا سودا ہوا تھا بوسے پر
تم نے لی میری جان پھوکٹ میں

شب کو میں کرتا جو آہِ پر شرر
پھول پڑتے چادرِ مہتاب میں

چھل کر میرے زخمِ دل کو وہ
پیاز کے سے پرت اُتارتے ہیں

منزلِ عشق میں ثابت قدمی مشکل ہے
اچھے اچھوں کے وہاں پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں

عیادت کو ہماری آشنا کیوں آئے بیٹھے ہیں
کہ ہم تو پاؤں اپنے گور میں لٹکائے بیٹھے ہیں

سادگی اُس نازنیں کی دیکھنا
بالیاں ہیں کان میں پتے نہیں

ہنگامِ ذبح وہ ہے مری سختیِ گلو
گویا وہ اپنی تیغ کو پتھر چٹاتے ہیں

تو یہ کیا دھوکا ہوا ہے شیخ صاحب آپ ہیں
میں سمجھتا تھا کہ یہ پیر مغاں کے باپ ہیں

توڑ کر کس کس کو نالہ جا سکے
تہ بہ تہ سات آسماں ہیں کیا کروں

جب مری راہ سے گزرتے ہیں
اپنی پرچھائیں سے وہ ڈرتے ہیں

میرے نالے سنے تو وہ بولے
کان کے پردے پھوٹے جاتے ہیں

دل کا پردہ فاش آنکھوں نے کیا
پیار کی نظریں کبھی چھپتی نہیں

توسنِ عمرِ رواں پر کس طرح پکڑی جمے
تیز رو ایسا ہے دم بھر یہ ٹھہرتا ہی نہیں

میرے رونے سے ماتمِ دل میں
سخت پٹس پڑی ہے محفل میں

مدعی پر نہ چلے گا کبھی فقرا میرا
وہ بڑھا جن ہے نہ آئے گا مرے قابو میں

اس سنگ دل کو میری زباں کیا اثر کرے
پتھر کو جونک لگتے کسی نے سنی نہیں

منزلِ عشق میں وہ سختی ہے
خضر بھی پھسلے پاؤں ہٹتے ہیں

کیونکر انساں کا اُس رشکِ پری تک ہو گزر
آدمی کیا کہ فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں

قفس تنگ سے ہے ہمتِ پرواز کہاں
ٹوٹ کر بلبلِ ناشاد کے پر جھڑتے ہیں

باغِ عالم کی وہ بہار گئی
اب نئی پود ہے زمانے میں

یوں ہی پاپڑ بیلتے گزرے گی عمر
وہ سخن گوئی سخن دانی کہاں

بحرِ اُلفت میں بہت ڈوب کے مر جاتے ہیں
جو شناور ہیں وہی پار اُتر جاتے ہیں

پنج تن کا مرتبہ بھی کم سوا آپس میں ہے
ہو نہیں سکتیں برابر سچ ہے پانچوں انگلیاں

میں جو رویا اُس کے کوچے میں تو جھنجھلا کر کہا
دور بھی ہو، پانی مرتا ہے در و دیوار میں

دے دیا ہے آپ نے غیروں کو گھر کا انتظام
اب تو پانچوں انگلیاں ہیں گھی میں جو چاہیں کریں

کم اُٹھاتے ہیں وضو میں بھی تو زاہد پانی
ایسی خسّت ہے کہاں ساقیِ دریا دل میں

وہ فیّاض حاتم زمانے کے ہیں
اللے تللے خزانے کے ہیں

دیکھیے پھنستے ہیں اس جال میں دل کس کس کے
دوش پر بال بکھیرے وہ چلے آتے ہیں

ادھر اُڑتی ہے مے، گھلتی ہے افیون، بھنگ گھٹتی ہے
اُدھر پینے کی شرطیں ہو رہی ہیں نشہ بازوں میں

کبھی آتی ہے کام آزادی
دل کی کہتا ہوں بولی ٹھولی میں

زلفیں ہیں تیری ناگن آتا ہے اس کو منتر
منہ پر بھبوت مل کر جوگی بنا ہے دشمن

میں اور دشمنوں سے شکوہ کروں تمہارا
بہتان جوڑتے ہیں بہتان باندھتے ہیں

خانقاہوں میں جو اُٹھتا ہے مناجات کا شور
برہمن بت کدے میں ضد سے بھجن گاتے ہیں

رہی وہ زلف یوں دشمن کے دل میں
کہ جیسے سانپ ہو چوہے کی بل میں

تو کرے گا علاج کیا جرّاح
دل کا پھوڑا ہے بال توڑ نہیں

صورِ محشر کو بھی تو اس کے مست
بانسری کی بھنک سمجھتے ہیں

پار ہو کشتی ہماری کس طرح
جب بھنور پڑتا ہو بیچوں بیچ میں

چمن آرائے دہر میں یہ حسین
یہی بوٹے تو گل کھلاتے ہیں

دلِ عاشق کو راحت تھی رہے جب تک وہ پردے میں
نگہ ملتے ہی برچھی بھونک دی میرے کلیجے میں

تنگ ہو ہو کے دل میں کھچتے ہیں
غیر کے ذکر پر وہ بھچتے ہیں

لکۂ ابر گہربار چلے آتے ہیں
بھیگتے بھاگتے میخوار چلے آتے ہیں

فرہاد سے پوچھیں ہجر میں ہم
کس طرح کٹے پہاڑ سا دن

ہمارے قتل کا ہے مشورہ یا اور جھگڑا ہے
سنا ہے مدعی آپس میں کچھ کھچڑی پکاتے ہیں

خدا سے بھی نہیں ڈرتے وہ بے ایمان ایسے ہیں
فرشتوں کو پکڑ رکھیں ترے دربان ایسے ہیں

پڑ پیچ رہِ عشق میں ایسے کہ نہ پوچھو
یہ بھول بھلیاں تو سمجھ میں نہیں آئیں

کوئی کرتا نہیں خدا کو یاد
پڑ گئی بھول اک خدائی میں

غیر کو سمجھے تم بھلے مانس
یہ بھلے آدمی کی باتیں ہیں

رقیبوں کا کب ہم برا چاہتے ہیں
بروں کا بھی ہم تو بھلا چاہتے ہیں

حرفِ سوالِ وصل کی برداشت ہی نہیں
اس بات سے بھڑکتے ہیں وہ اس کو کیا کریں

قتل کر کے بھی اپنے عاشق کا
وہ جدا بند بند کرتے ہیں

عشق کی راہ ہے بہت دشوار
چلتے چلتے بھٹک گئے لاکھوں

تم خفا ہو کر چلے ہو، لے چلے سامان بھی
بھولی بسری کوئی شے دیکھو نہ رہ جائے کہیں

بے جوڑ تیری باتیں ہیں ساری پیام بر
تو چھپیاں لگانے لگا بات بات میں

نہیں اچھی ہے یہ تری بک بک
سن کے افسانہ میرا کہتے ہیں

میرے اشکوں کا جا ہے دریا
اپنے کوچے میں وہ پل باندھتے ہیں

آم تخمی پسند ہے ہم کو
اس کو ہم پلپلا کے کھاتے ہیں

اس نے جب آنکھ سے ملائی آنکھ
لے گیا دل پلک جھپکنے میں

روز وہ بدگمان ہوتے ہیں
ہر طرف پاسبان ہوتے ہیں

نہ بھولیں وعدہ کر کے آپ کل تک
گرہ دے لیجیے بندِ قبا میں

غیر کو دو پان مجھ کو ایک دو
بانٹنا حصہ تمھیں آتا نہیں

نوبت جنگ پہنچی ناصح سے
بڑھ گئی بحث باتوں باتوں میں

ہم ہوتا نہیں کیا جانبِ ملکِ عدم پہنچیں
ہم پہنچے اگر سامان جانے کا تو ہم پہنچیں

ہمیں رہتا ہے نہلا دست وحشت
گریباں پھاڑتا ہوں فصلِ گل میں

بزم میں اُن کی خطاوار بہت ہیں عاشق
دیکھیں کس کس کو وہ محفل سے بدر کرتے ہیں

زمانہ ہم نے دیکھا ہے زمانہ ہم نے برتا ہے
ہمیں دیتے ہیں وہ دھوکے ہمیں بالا بتاتے ہیں

مضمونِ کمر میں تیرے شاعر
کیا بال کی کھال کھینچتے ہیں

بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہا ہے
فرطِ خوشی میں میکش بالسوں اچھل رہے ہیں

کبھی وہ محفلِ عشاق میں جو آتے ہیں
نیازمند تواضع میں بچھے جاتے ہیں

ہم بچھے جاتے ہیں تواضع میں
کبھی مہمان وہ جو آتے ہیں

دبے ناصح نے گو اُتار چڑھاؤ
اُس کی باتوں میں ہم کب آتے ہیں

میں نے ہنسی کی کہہ کر لی ہے جو دل میں چٹکی
غصے میں بھر کے کیا کیا وہ بڑبڑا رہے ہیں

خدا کی شان ہے محفل میں تیری
عدو بھی ہم سے باتیں چھانٹتے ہیں

ہمراہ غیر تھے وہ درختوں کی ساڑ میں
ہم دیکھتے رہے دمِ گل گشت آڑ میں

بوسہ لے کر اور کچھ خواہش جو کی کہنے لگے
بھک منگا تجھ سا زمانے میں کہیں دیکھا نہیں

پڑے تیرِ نگہ دل پر ہزاروں
پڑی بھاگڑ نہ اک دن فوجِ غم میں

نہ ترکِ عشق ہے ممکن نہ شرطِ عشق آسان
دلِ خراب نے ڈالا ہے کس بکھیڑے میں

پند کو یہ مجھے سمجھاتے ہیں
یا یونہیں خواب میں بَراتے ہیں

کب انجمن میں وہ بے کار آ کے بیٹھے ہیں
ہمارے قتل کا بیڑا اٹھا کے بیٹھے ہیں

چکی تھی تہمتِ دل ایک بوسہ وہ نہ ملی
یہ مال ڈال دیا ہم نے بٹّے کھاتے ہیں

رنگت تپ دروں سے مری ہوگئی ہے زرد
ان کو مگر سنت کی اب تک خبر نہیں

وہ قہر کی نگہ سے جب ہم کو گھورتے ہیں
لے لے کے ہچکیاں ہم کیا کیا بسورتے ہیں

دل کا بدلہ دل ہے مجھ سے لو تو اپنا دو مجھے
آپا دھاپی اس قدر اے مہرباں اچھی نہیں

بے سبب کیا آپ پر مرتا ہوں میں
کوئی کیا جانے کہ کیا کرتا ہوں میں

دوستی دشمن جتاتا ہے مجھے
آستیں کے سانپ سے ڈرتا ہوں میں

یہ تو کہیے اس خطا کی کیا سزا
میں جو کہہ دوں آپ پر مرتا ہوں میں

تیر کو تیرے کلیجے سے لگایا ہم نے
اپنے مہماں کی یوں آؤ بھگت کرتے ہیں

وہ نشاں میرا مٹائے یا نصیب
آج حسن کے نام پر مرتا ہوں میں
جو سنا ہے میں نے چرچا آپ کا
آپ سے کہتے ہوئے ڈرتا ہوں میں

جو نہیں ڈرتے ڈراتا ہوں انھیں
ڈرنے والوں سے بہت ڈرتا ہوں میں

گردن دل میں تری زلف کی پھانسی جو پڑی
بے خطا جان دی بیچارے نے اس رسّی میں

ہمارا ہی وہ روز وصل ہو کاش
تمھارا میں جو ہوتا ہے بڑا دن

عیادت کو مریضِ غم کی اب آئے
اسے گزرے ہوئے ہے تیسرا دن

بالوں پہ میرے گوش برآواز تھے وہ آج
آواز میری بیٹھ گئی اس کو کیا کروں

کس قیامت کی ہے اٹھان تری
یہ قیامت اٹھائے گی اک دن

دے کے دل ایک فتنہ قامت کو
جان آئی ہے اپنی آفت میں

وہ جو مہمان بن کے آتے ہیں
اک نیا اشغلا اٹھاتے ہیں

مجھ سے برہم ہوئے ہیں وہ اس پر
اشتعالک رقیب دیتے ہیں

اے صبا تو پیغام پہنچا دے
ایلچی کو کوئی زوال نہیں

خدا کے گھر سے بھرا ہے مریض غم تیرا
تجھے کچھ اے بت کافر خبر بھی ہے کہ نہیں

رقیب ایسا ہے آنکھوں کانٹھ کمبخت
نہ آ جانا کہیں تم اس کے دم میں

مری قسمت کا لکھا پڑھ کے لکھتے
کراماً کاتبین اب پڑھ نہیں ہیں

گالیاں غیر کو دیں تو نے انتجاس ، یہ کہا
کل میں کیوں ایک ہو کم پوری ہی صلواتیں ہوں

عشق کی سرکار میں ہے کیا اندھا دھند ان دنوں
دل لٹے جاتے ہیں ان کا کوئی بھی پرساں نہیں

کیوں نہ یوسف کو چاہتے یعقوب
اندھا کیا چاہتا ہے دو آنکھیں

دیکھتا ہے نبض کیا مردے کی تو اے چارہ گر
دم کہاں ہے مجھ میں اولا ہو گیا ہے تن بدن

نام ناصح کا لیا تھا میں نے
اے لو حضرت وہ چلے آتے ہیں

دل کو لے کر دیکھتے ہو کیا ہمیں
واہ جی کیا اس کی ہے پروا ہمیں

نہ کھلے گی عدو کے دل کی گرہ
آپ کیوں پیچ و تاب کھاتے ہیں

غیر نے کھولے ترے بند قبا
کیوں نہ اپنا چاک پیراہن کروں

دل کا پردہ فاش آنکھوں نے کیا
پیار کی نظریں کبھی چھپتی نہیں

نہ رہ نما ہے نہ منزل کا ہے پتا کوسوں
طریقِ عشق میں ہم ایڑیاں رگڑتے ہیں

اس طرح ہم سے ملاقات کیا کرتے ہیں
اوٹ میں بیٹھ کے وہ بات کیا کرتے ہیں

ایمان کانپتا ہے اُن کی شہادتوں سے
جو کوڑیوں پر اپنا ایمان بیچتے ہیں

وہ ایسے سمجھیں نہ سمجھیں دیکھیے
ڈال دی ہے بات اُن کے کان میں

کہے وعدے وفا کس دن یہ دھوکے ہیں یہ گھاتیں ہیں
جو تم کہتے ہو وہ کرتے نہیں باتیں ہی باتیں ہیں

دیکھو ناصح تجھ کو سمجھاتے ہیں ہم
عاشقوں سے جتنا اچھا نہیں

دمِ رخصت تم آنچل میں مرا دل باندھ لے جانا
ابھی تو رات باقی ہے چلے جانا دھندلکے میں

پناہ دیتے ہیں اُن کو بھی وہ دمِ رفتار
پناہ لیتے ہیں فتنے بھی اُن کے دامن میں

اُس کے شہ بازِ نظر نے پنجہ مارا ہے غضب
پھڑپھڑا کر طائرِ دل چھوٹنے پاتا نہیں

مقدر میں نہیں کیا وصل ؟ جب پوچھا تو کہتے ہیں
بلاؤ تم کسی پنڈت کو یہ دکھواؤ پوتھی میں

بانکپن اپنا وہ دکھاتے ہیں
اینڈی بینڈی مجھے سناتے ہیں

منہ لگایا تم نے غیروں کو بہت
کیوں نہ اپلے کھلے اترائے پھریں

لشکرِ غم نے کیا کعبۂ دل کو برباد
اینٹ سے اینٹ بجادی ہے خدا کے گھر میں

دل بھی شاکی ہے تیرا میرے ساتھ
ایک منہ اک زبان ہیں دونوں

نہیں ہے پیچ سے خالی تمہاری کوئی بات
یہ ایچ پیچ کی باتیں سمجھ میں کیا آئیں

ایسے ویسوں سے کیا ملے کوئی
ایرے غیرے ہیں تیری محفل میں

کی یہ پوجا اُس صنم کو دیکھ کر
پوج آئے دل پرستش گاہ میں

آہ جو کھینچتا ہے محفل میں
پوست اُس کا وہ کھینچ لیتے ہیں

رہا کم ہو کے اُن کا غصہ مجھ پر
گلابی سے ہوئیں اب لال آنکھیں

دل چڑھا آسان کوہِ عشق پر
اب اُتار اس کا ہے مشکل کیا کریں

پروانہ شمعِ کعبہ کے پھرتا ہے ارد گرد
ایسی لگی ہو جس کو تو پاسِ ادب کہاں

حضرتِ شیخ اپنی ریشِ دراز
چھاج کی طرح سے پھٹکتے ہیں

وہ اس ٹھاٹ سے آتے ہیں رہگزر میں
کہنچے کی لچک ہے نازک کمر میں

میں وہاں پہنچوں نہ پہنچوں یہ تو پہنچے گا ضرور
ناتوانوں کا تصور ناتواں ہوتا نہیں

اب وہ انجان بنے جاتے ہیں
نتنے نادان بنے جاتے ہیں

دیکھیے اُن سے ملاتا ہے خدا کون سے دن
کون سی رات ہو مقبول دعا کون سے دن

و

جاگے ہیں اعتکاف میں جو بہت
پینک آتی ہے شیخ صاحب کو

خالی نہیں پیچ سے کوئی بات
ہر بات میں پخ نکالتے ہو

جان کے جانے کا غم ہے تو فقط اتنا ہے
مشکلیں ہوتی ہیں پردیس میں پردیسی کو

خط میں کچھ لکھ دے تو کیا اس کا علاج
نامہ بر کوئی پڑھا لکھا نہ ہو

درِ دلدار پہ کیا کیا نہ پچھاڑیں کھائیں
دلِ بے تاب نے کیا کیا نہ ستایا ہم کو

عمر پانی پہ اس کی ہے بنیاد
بے ثباتی حباب کی دیکھو

کدھر سے کدھر لے گیا وائے قسمت
بھلاوا دیا راہ بر نے بھی ہم کو

نہ رکھنا پاؤں تم تربت پہ میری
مبادا سگِ مرقد بھربھرا ہو

تو نے ہلکی شراب دی ساقی
بھربھری چاہیے کزک مجھ کو

نام سے اپنے تمھیں غیر نے خط بھیجا ہے
نہ پڑھو پرزے کرو نامے کے لعنت بھیجو

وہ تو شیطان ہے بہکاتا ہے
غیر کے نام پہ لعنت بھیجو

شرم آئی انھیں پاس بلاتے ہوئے مجھ کو
پٹ بھیڑ دیے دیکھ کر آتے ہوئے مجھ کو

ہولی کھیلی ہے تم نے کس سے آج
رنگ میں شور بور آئے ہو

داغ کیوں دل کو رازدار کیا
بھید دیتا ہے کوئی دشمن کو

بحل گرم کرتا وہ کہا شمع سے
کہ اتنی کہاں تاب پروانے کو

بات مطلب کی کیا اڑاتے ہو
تم تو بھولے نہیں ہو سیکھے ہو

شرماؤ گے وہ سن کے جو گزری ہے رات کو
کہہ دوں گا میں پکار کے پردے کی بات کو

گرفتارِ محبت ہم کریں گے ان کو یہ ضد ہے
پکڑے ہے آج آزادوں کی یا رب دیکھیے کیا ہو

ناصح نے کہی جو میرے دل کی
وہ بات بھلی لگی ہے جی کو

عشق کرتا ہے زبر دستوں کو زیر
دل کا بودا ہو اگر رستم بھی ہو

تیغِ نگاہِ یار نے میدان کر دیا
پل مارنے میں مار لیا ہے ہزار کو

کرو میری مٹی نہ برباد یوں
دوپٹے کا آنچل اٹھا کر چلو

وہ صبح شبِ وصل نہ ٹھہری یہی کہہ کر
جانے دو ہمیں جلد، بڑا کام ہے ہم کو

عہد کرنے سے وہ گھبراتے ہیں
ان سے پیمان ہوا اور نہ ہو

نہ کر ناصحا ایسی دیوانی باتیں
یہ کیا کھینچ مارا جو پتھر کسی کو

مطلب میں ہمارے کچھ مطلب ہے تمہارا بھی
سمجھو تو سہی تم تو باتوں میں اڑاتے ہو

تڑپتا ہے، جلن دل میں بڑی ہے، دیکھتے جاؤ
نگاہِ شوخ کی بجلی پڑی ہے، دیکھتے جاؤ

قارون کے مزاج میں کس درجہ بخل تھا
دولت سے فائدہ نہیں ہوتا بخیل کو

ماہ رو ہم نے کیوں کہا اُن کو
کہتے ہیں بے نقط سناتے ہو

اے نجومی آسمان پر بھی تو بارہ برج ہیں
کیوں نہ سودا اپنی قسمت کا بھی بارہ باٹ ہو

متاعِ دل کا ہے بیوپار دیکھتے جاؤ
کھلا ہوا ہے یہ بازار دیکھتے جاؤ

تھے ہم بغل عدو سے اُس وقت یہ نہ سوجھی
سن کر اتنے کی ہم سے اب بغلیں جھانکتے ہو

آپ کی بزم میں تماشا ہے
غیر دیتا ہے بھبکیاں مجھ کو

پڑھ پڑھ کے بولتے ہیں سب سے جناب واعظ
حضرت کی خیر بھی ہو ممبر کی خیر بھی ہو

چیستاں سمجھے وہ دہن کا وصف
کہتے ہیں کچھ اتا پتا تو کہو

آنے کا وعدہ کرتے ہو کیا اس کا اعتبار
بلوا دو ابھی اول میں میرے رقیب کو

حضرت دل نہیں قرار تمہیں
اسکو پہلو سے ، اور گھر دیکھو

چھوڑ کر گیسو نہ پھرنا رات کو
تم گرہ میں باندھ لو اس بات کو

اور تمنا نہیں بس ہے یہی آرزو
آکے مرا حال تم ایک نظر دیکھ لو

حال دل کہہ کے بنے ہم نادان
وہ یہ کہتے ہیں انھیں بھی لکھو

نہیں کوڑی پیار کفن کو بھی
اس سے لو جو بڑی اسامی ہو

رگ جاں سے نزدیک ہے میری جاں تو
مگر پھر جو دیکھا کہاں میں کہاں تو

حقیقت میں ہے سارا چیز ہی کیا
اِدھر تو اُدھر تو، یہاں تو وہاں تو
نہ تو مجھ کو چھوڑے نہ میں تجھ کو چھوڑوں
وہیں تو جہاں میں، وہیں میں جہاں تو

٭

تھا سیدھا سادا اُن کا چلن کل کی بات ہے
اب اینٹھتے وہ پھرتے ہیں کس بانکپن کے ساتھ

اک نظر سے اک جہاں کو دیکھتا ہے آئنہ
ورنہ چُندھی کس قدر ہے حلقۂ جوہر کی آنکھ

کون منہ دھوئے اٹھ کے صبحِ فراق
غم ہی کھاتے ہیں ہم تو باسی منہ

بندہ عاجز ہے اور وہ ہے قدیر
پیش چلتی نہیں خدا سے کچھ

بڑا پتنگ اُڑاتے ہیں وہ، مجھے ڈر ہے
ہوا میں بھر کے نہ اُڑ جائیں وہ پتنگ کے ساتھ

پہنچوں درِ قبول پہ مرے بھی یہ شوق ہے
اٹھتے ہیں میرے پاؤں بھی دستِ دعا کے ساتھ

عاشقوں کو غلام سمجھے ہو
بِک گئے ہیں وہ کیا تمھارے ہاتھ؟

مجھے وحشت ہے کیا میں جان لوں ناصح کو فرزانہ
وہ پشتینی ہے سودائی ، وہ موروثی ہے دیوانہ

نہ چھوڑا تیرِ مژگاں نے مرا دل
اڑایا سال باندھا یہ نشانہ

ریشِ سفیدِ شیخ تر آبِ وضو سے ہے
رندوں کو ہے گماں کہ پھپوندی لگی ہے یہ

ی

دل جو ناکام ہوا جاتا ہے
شوق کا کام ہوا جاتا ہے

نہ مٹاؤ کسی عاشق کا نشاں
نام بدنام ہوا جاتا ہے

لطفِ ایذا طلبی کیا کہیے
درد آرام ہوا جاتا ہے

دلِ بیمار میں چٹکی لے لو
ابھی آرام ہوا جاتا ہے

رنگ لایا ہے ترا رنگ عتاب
چہرہ گل فام ہوا جاتا ہے

آج کل کثرتِ عشّاق سے عشق
شیوۂ عام ہوا جاتا ہے

دیکھ کر مست وہ کافر آنکھیں
خونِ اسلام ہوا جاتا ہے

گلۂ مہر و وفا مجھ سے نہ کر
شکوہ دشنام ہوا جاتا ہے

ہونے کو تو کیا اُن سے ملاقات نہ ہوگی
جس بات کی خواہش ہے وہی بات نہ ہوگی

دل صاف نہ ہوگا تو کوئی بات نہ ہوگی
جھگڑے کی ملاقات ، ملاقات نہ ہوگی

کیا حور سے جنّت میں ملاقات نہ ہوگی
یہ روپ یہ سج دھج یہ پری گات نہ ہوگی

پیتا بھی ہوں کہتا بھی ہوں ناصح سے یہ ہر بار
پھر ایسی خطا قبلۂ حاجات ! نہ ہوگی

اس بت کو ذرا دیکھ ہی لیں حضرتِ صوفی
دیکھے سے تو کچھ سلب کرامات نہ ہوگی

لکھا ہے مرے خط کا جواب اس نے بہت کچھ
آخر میں یہ فقرہ ہے "ملاقات نہ ہوگی"

عاشق کو بھی واعظ تو بناتا ہے نمازی
دیوانے سے پابندیِ اوقات نہ ہوگی

سو بار بلا کر مجھے محفل سے نکالا
مہمان کی ایسی بھی مدارات نہ ہوگی

فریادِ قیامت سے ڈرایا تو وہ بولے
اللہ سے ایسوں کی ملاقات نہ ہوگی

خالی ہی سہی، شیشے میں تو گھول دے پانی
اک بوند بھی کیا پیرِ خرابات نہ ہوگی ؟

ہنس ہنس کے یہ کہتے ہیں شبِ وصل وہ مجھ سے
چھیڑو گے تو پھر ہم سے ملاقات نہ ہوگی

میرے قاتل کے وہ ہے دستِ حنائی میں اثر
دہنِ زخم سے بھی لوٹے حنا آتی ہے
وقت معلوم اگر ہو تو سنبھل جائے کوئی
کیا قیامت ہے کہ چپکے سے قضا آتی ہے

پچکارنے سے گر یہ ٹھہرتا تو خوب تھا
ممکن نہیں کہ توسنِ عمرِ رواں تھمے

ہاتھ سے دوستوں کو کھو بیٹھے
ہنسنے والوں کو ہم تو رو بیٹھے

ابھی آئے ابھی تم آ کے چلے
اور میری نظر بچا کے چلے
الاماں الاماں کہے گا فلک
تیر جس دم مری دعا کے چلے

خاک اس سے عشق نے چھنوائی تھی
دشت میں مجنوں کی مٹی لائی تھی

چلے آتے ہی ایسے بے قرار آئے تو کیا آئے
کہ گھوڑے پر ہوا کے تم سوار آئے تو کیا آئے
کسی میں کچھ بہانہ ہے کسی [illegible]
لگاتار آ[illegible] میرے نام تار آئے [illegible]

[illegible] عشق کی بازی میں دل [illegible]
اب تو ہو بارے تمہارے [illegible]

مرے دشمن سے تم کو دوستی ہے
مگر کم بخت وہ تو پوستی ہے

ساقی بھی تنگ دل ہے یہ مفلس بھی فاقہ مست
مےخوار پوست پیتے ہیں بدلے شراب کے

ہم کو پتا ملا ہے کر اے محتسب تلاش
زاہد کی پوٹلی میں ہے بوتل شراب کی

عدم کو لے کے یہ بارگراں چلا ہوں میں
کہ میرے سر پہ گناہوں کی پوٹ بھاری ہے

فلک دیتا ہے ہم کو درہمِ داغ
یہ پنشن ہو گئی ہے عمر بھر کی

شہرے تھے کبھی عالمِ اسباب میں اپنے
وہ جوش کہاں اب دلِ بے تاب میں اپنے
نکلیں گے نہ ہم ڈوب کے اے بحرِ محبت
رہنے دے ہمیں حلقۂ گرداب میں اپنے
مہماں سے کیا کہتے کہ دل تم نے چرایا
وہ باندھ کے چلتے ہوئے اسباب میں اپنے

ساقی کا دل نہ توڑیں گے ترکِ شراب سے
حاصل کسی طرح ہو غرض ہے ثواب سے
عاشق بچائے جان کو کس کس عذاب سے
تیرے عتاب سے کہ عدا کے عتاب سے

آتی ہے کیا ہنسی مجھے تیرے حجاب سے
میری نگاہِ شوق رکے گی نقاب سے ؟
مےخوار مفلسی میں مٹاتے ہیں خواہشیں
ٹوٹے ہوئے پیالے سے ، جھوٹی شراب سے
مشکل سے اختیار کیا جبر عشق میں
دل کو دیا ہے صبر بڑے اضطراب سے
سب پوچھتے ہیں کس پہ دل آیا وہ کون ہے
آتی ہے مجھ کو شرم تمھارے حجاب سے
کافی ہو آئنے میں جو دیکھے وہ چشمِ مست
اس نازنیں کو شوق ہے ہلکی شراب سے
اہلِ نظر کے واسطے ہیں سب خرابیاں
نرگس کی آنکھ خیرہ ہو کب آفتاب سے
اے خضر مےکشوں کو بھی ہو لطفِ زندگی
بھر جائے کاش چشمۂ حیواں شراب سے
داغِ جگر سے آگ لگی دل کی آہ میں
روشن یہی چراغ ہوا آفتاب سے
تیغِ نگاہِ مست کے چرکے میں ہے مزا
دھوتا ہوں اپنے زخمِ جگر کو شراب سے

عاجز جو طبیب آ گیا ہے
اب وقت قریب آ گیا ہے

کیوں مکانی ہے یہ پنڈول ، تمھیں
لیٹنا ہوتنا بھی آتا ہے ؟

ہم اسی سے پونچھتے ہیں درد سے
صاف ہے اب تو پوچھ ہو گئی

یہاں رنگ بدرنگِ سب رہ گیا
وہاں آن کی بازی میں ہو رہ گئی

روح گھٹتی ہے مری ، رات جہاں کٹتی ہے
کہیں وہ یہ نہ کہیں جانے دو پو پھٹتی ہے

جو کہا میر نے سمجھ سوچ کے وہ مان گئے
شکر ہے آج مری بات اکارت نہ گئی

پیار میں تیرے کیا دھرا ہے
او پر کے دم وہ بھر رہا ہے

قاصد مری بات کچھ نہ سمجھا
کیا اول جلول آدمی ہے

گھاس کے پولے کی صورت خشک ہیں سب ہڈیاں
ناتوانوں کا تمھارے عشق میں یہ حال ہے

اپنے کوچے میں رکھ سنبھل کے قدم
میرے اشکوں سے زمیں پولی ہے

ہم نے دیکھا ہی نہیں ناصح سا کوئی بے وقوف
اوندھی پیشانی کا ، اوندھی کھوپڑی کا آدمی

اب متاع دل پرائی ہو گئی
اوے ہونے بیچ ڈالیں گے اسے

محتسب کا ہو برا پیر مغاں کہتا ہے
اینٹ سے اینٹ بجا دی مرے میخانے کی

دل کو وہ مول لے کر کہتے ہیں فکر کیا ہے
یہ چیز آئی کر لی قیمت بھی مل رہے گی

کیا مری جان اعتبار اس کا
دولتِ حسن آئی جانی ہے

دل انھوں نے بھی بعدِ مرگ بھرا
میرے مرقد کے تختے اینٹھ گئے

دردِ سر مجھ کو ہوا بگڑا مزاج
حضرتِ ناصح تمھاری پند سے

دل کے مقدمے میں نہ ملے گا نہ کوئی پنچ
پنچایت ایسے جھگڑے کی کس کی بلا کرے

دل مجھے کیونکر تمھارے ہاتھ سے
تم تو پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑے

اس نزاکت پر جو وہ پنجہ کرے
پنجۂ مرجاں کا پنجا پھیر دے

جس کو ہو شوقِ اسیری اُڑ کے وہ جائے کہاں
تو مرے پنجرے کی اے صیاد کھڑکی کھول دے

بوڑھے جنابِ شیخ ہیں کیونکر چبائیں پان
پھنکنی اب کے واسطے لوہے کی چاہیے

سائل سے خفا یوں میرے پیارے نہیں ہوتے
کیا مانگنے والوں کے گزارے نہیں ہوتے

اب تو نبھتی نظر آتی نہیں پیارے تم سے
ہم سے بیزار ہمارے ہیں، تمھارے تم سے

سوزِ دل بعدِ جراحت بھی رہا
زخم پر باندھا نہ پن کپڑا کبھی

گرجتا ہے جو بادل کہتے ہیں مست
یہ چلتی ہے فلک پر باڑ کیسی

جب شبِ وصل اُن سے بات چلی
بات کی بات ہی میں رات چلی

حشر پر تم نے ملاقات اُٹھا رکھی ہے
آج کی کل پہ عبث بات اُٹھا رکھی ہے

آپ نے میرے ستانے کے لیے
کون سی بات اٹھا رکھی ہے

مرض عشق کی دنیا میں دوا تھی کہ نہ تھی
اس سے محفوظ کبھی خلقِ خدا تھی کہ نہ تھی

ہم اپنے کاتبِ اعمال کو ملا لیں گے
گنـاہ سہل ، ثبوتِ گنـاہ مشکل ہے

بکنٹ مرے مزار پہ آیا وہ شہسوار
توسن کو اتنی دیر میں سو بار ایڑ کی

بہت ہے شیشۂ و خم میں کم و بیش
یہ اندازہ ترا ساقی غلط ہے

دود آہِ آتشیں کا ابر تر ہے احتمال
میں نے جانا برسے انگارے اگر اولے پڑے

نہیں معلوم شبِ غم رہی کتنی باقی
آج کیا ٹوٹ گئے سارے گھڑی کے پرزے

پڑے ہیں چھید فلک میں نہیں ہیں یہ اختر
پڑی ہے باڑ کوئی دل جلوں کے نالوں کی

ہجر میں دیکھیے جیے نہ جیے
دل نے ایذا بہت اٹھائی ہے

کریں گے ہم تو نہ مصحف رحِ کتابی کو
یہ سچ مثل ہے کہ ایمان ہے تو سب کچھ ہے

بوسے پہ نہیں مہنگا کچھ جان کا سودا ہے
ایمان سے تم کہہ دو ایمان کا سودا ہے

اک کھیل ہے اُن کو وعدہ کرنا
اک بات ہے جھوٹ بولنا بھی

شور محشر نے اُٹھایا مجھ کو کچی نیند اگر
اونگھ پر اونگ آئیگی صبح قیامت بھی مجھے

مجھ بادہ کش کے سینے پہ زاہد نے بعدِ مرگ
انگور رکھ دیا ہے نشانی کے واسطے

چھائی ہیں زلفیں رخ پہ تیرے اک بلا برسائیں گی
کیا یہ گھٹائیں نیچی نیچی اوپر اوپر جائیں گی

تم تو امید توڑ دیتے ہو
تم سے امید کوئی کیا رکھے

تم حرفِ دل شکن نہ نکالو زبان سے
امّید ٹوٹ جائے گی امیدوار کی

رات مصیبت کی بسر ہو گئی
آنکھوں ہی آنکھوں میں سحر ہو گئی

بلایا جب مری آہ و فغاں نے
زمیں پکڑی ہے کیا کیا آسماں نے

اب مشقِ جفا اُس نے بڑھائی ہے غضب کی
اُمّید بر آئی دلِ آزار طلب کی
وہ حسن وہ انداز وہ پھر بانکپن اُس کا
چھل بل ہے قیامت کی تو انوٹ ہے غضب کی

دل کا نقصان جس میں ہوتا ہے
کام کرتا ہوں ادبدا کے وہی

اس کی قسمت میں ہے وازونی ازل کے روز سے
عقل اوندھی کیوں نہ ہوتی آسمانِ پیر کی

کچھ طبیعت ٹھہر ہی جائے گی
اور یوں بھی گزر ہی جائے گی

بیٹھے ہیں بام پر وہ ہر ایک مشتری ہے
لیتے ہیں نفع کیا کیا اونچی دکان والے

دیدار یار سے مجھے صحت نہیں ہوئی
آئیس دمِ بھی تپِ فرقت نہیں ہوئی

مے کے دینے میں جو صرفہ ہے بھلا دے پانی
دیکھ خالی نہ رہے اوک ہماری ساقی

اُس کے دروازے پہ کیونکر ہو رسائی میری
کر دیا بند محلے ہی کا پھاٹک اُس نے

بہارِ گلشنِ عالم تھی جن سے
انھی پھولوں کو توڑا باغباں نے

دے چکا مال تو سب دل ہی رہا ہے باقی
مہرباں اس کے علاوہ مری پونجی کیا ہے

ہمیں بھی رات دن اس تاک میں گزرتی ہے
کبھی اندھیرے اجالے وہ مل ہی جائیں گے

ایک دل کہتا ہے کیجے ان سے رسم و راہ ترک
ایک دل کہتا ہے کچھ دن او دیکھا چاہیے

کھائے جاتا ہے غم الناپ شناپ
بڑھ گئی دل کی اشتہا کیسی

ہانکتا ہے یوں ہی الاپ شناپ
کوئی ناصح کی بات کیا سمجھے

تجھ سے یہ اہلِ زمیں اے آسماں مانگا کیے
الحذر مانگا کیے سب الاماں مانگا کیے

کیا ملاقات اس جفا پر نبھ سکے
ہم نے القط کی اب القط ہو گئی

قدِ رعنا سے اس کے ہوں رو کش
اصل ہی کیا ہے سرو و طوبیٰ کی

کیا لکیرپن میرا عذر سنیں
اُن کو اونچا سنائی دیتا ہے

میرے اشک و آہ کی تاثیر سے
ابر رویا برق نے فریاد کی

کہاں جوانوں کو دنیا سے دل لگی کا مزا
یہ پیر زال بلا سے ادھیڑ ہی ہوتی

جرّاح میرے زخم کے ٹانکے نہ کاٹ ڈال
رہ رہ کے کچھ ادھیڑ کہ ایذا بھی کم رہے

حیا و شرم سے چپ چاپ کب وہ آ کے چلے
اگر چلے تو مجھے سیدھیاں سنا کے چلے
ہمارے دودِ جگر میں کہاں ہے یہ طاقت
یہ ابرِ تر ہے کہ گھوڑے پہ جو ہوا کے چلے

اتراتی ہوئی آتی ہے تو کوچۂ صنم سے
اے بادِ صبا اڑ کے کہاں جائے گی ہم سے

مسیحا کو آتاریں گے فلک سے
پڑے گی پھر بھی حاجت نردبان کی

دل نہ رکھ زلف میں آچکا ہے
کانٹھ کترا ، اٹھائی گیرا ہے

غیر سے کیا گلہ محبت میں
اپنے ہاتھوں خراب ہم تو ہوئے

حضرتِ خضر اپاہج تو نہیں ہیں یا رب
دو قدم بھی نہ رہِ عشق میں ہمراہ چلے

عجیب صانعِ قدرت نے کی تراش خراش
یہ کانٹ چھانٹ تجھے باغباں نہیں آتی

صافِ مے کو کیا پیر مغاں نے تقسیم
شیخ جی کعبے کے جاہے کی ہوا آکر لائے

قبر سے اٹھیں گے جس وقت کرے فریادی
صورِ محشر کی بھی آواز دبے گی ان سے

دید کے قابل ہیں یہ موتی کی لڑیاں دیکھیے
آنسوؤں کا تار باندھا چشم گوہربار نے

ہوئے بزم میں جب سے اغیار داخل
برستی ہے پھٹکار محفل پہ تیری

ٹھہر ٹھہر کے پھڑکتی ہے دہنی بائیں آنکھ
شگون کون سا اچھا برا ہے کیا کہیے

موت کس کے ہاتھ سے تھی عاشقِ ناشاد کی
دھوم ہے اہلِ عدم میں بھی مبارک باد کی

قبر دشمن میں بہت چنگاریاں دوزخ کی تھیں
کیوں نہ ٹھیرے کیا فرشتے آگ لینے آئے تھے

قبر دشمن میں نہ ٹھیرے ایک دم
کیا فرشتے آگ لینے آئے تھے

آ کر کھڑے ہوئے ہو تم اوجھل کواڑ کی
جب تم نے بات کی تو عبث ہم سے آڑ کی

میں کروں پوری شکایت اُن سے کیا
جب بری لگتی ہو آدھی بات بھی

کیوں نہ اے پیماں شکن جی چھوٹ جائے
کیا کروں جب آس بندھ کر ٹوٹ جائے

اس سے ملنے کی آس ٹوٹی ہے
اب مصیبت سے جان چھوٹی ہے

سوندھے سوندھے آب خوروں میں مزا آ جائے گا
تو جما دے برف اے ساقی مئے انگور کی

آدمی وہ ہے جو ڈھونڈے نہ سہارا کوئی
کہ برے وقت میں آڑے نہیں آتا کوئی

نرگسی باغ کو بھی ہم نے نہ دیکھا بیمار
حیدرآباد کی کیا آب و ہوا اچھی ہے

نورِ سویدا کی تاب دیکھیے کب تک رہے
ذرے میں یہ آفتاب دیکھیے کب تک رہے

صاف دیکھی نہ بادہ خوار کی آنکھ
کچھ نہ کچھ رنگ آ ہی جاتا ہے

جس پہ قربان ہو بلبل وہ سخن کس کا ہے
غنچہ منہ پھوڑ کے مانگے وہ دہن کس کا ہے

آئینے میں لیے ہو جو زلفوں کی بلائیں
آسیب نہ پہنچے کہیں ہاتھوں کو تمھارے

کریں نہ قدر جو دل کی تو اور کس کی کریں
اڑے تھڑے میں ہمارے یہ کام آتا ہے

بے ستوں کے واسطے تیشہ لیا فرہاد نے
کوہ غم جس سے کٹے ہم کو وہ آلا چاہیے

فرش سے تا عرش ڈھونڈا ہے اسے
اور بس آگے خدا کا نام ہے

وعدے پر جب مکان سے آئے
وہ لڑی آن بان سے آئے

غیر کی محفل میں مجھ کو مثل شمع
آٹھ آٹھ آنسو رلایا آپ نے

تیرے بیمار میں رہا کیا ہے
اب تو آئی گئی کا سودا ہے

لطف جب شعر کا ہے لطف سے خالی نہ رہے
اس میں بھرتی ہو تو اوروں کی بھرتی نہ رہے

مر کے اٹھیں گے اگر اٹھیں گے ہم
بیٹھے ہیں اس در پہ آسن مار کے

آئنہ رکھ کے یہی بات ہوا کرتی ہے
آمنے سامنے دن رات ہوا کرتی ہے

قدِ جاناں کے تصور میں سحر ہوتی ہے
شبِ فرقت مری سولی پہ بسر ہوتی ہے

دستِ بسمل سے چھٹ گیا دامن
ہاتھ پکڑی نہ اس نے قاتل کی

وہ ہم نشیں ہوں اس کے یہ بھی نصیب میرے
بغلیں بجا رہے ہیں کیا کیا رقیب میرے

دعویٰ الفت پہ میرے اس ستم گر نے کہا
چاہنے والے ملیں گے تجھ سے بہتیرے مجھے

کیسی بک بک لگائی ناصح نے
بھر گئے کان اس کی بک بک سے

باغِ طیبہ میں کیا عجب آ کر
طائرِ سدرہ بھی بسیرا لے

دیکھ کر آئنہ اونچی تری گردن نہ ہوئی
سچ کہا ہے کہ بڑے بول کا سر نیچا ہے

ساقی جو ہیں سے تو ہمیں کھول دے افیون
انگڑائیاں آتی ہیں، بدن ٹوٹ رہا ہے

لڑتی ہیں کیا چھری کٹاری سے
بانک دیکھو تو آن نگاہوں کی

مار رکھتی دل کو اس کی کاٹھ ہے
زلف کی بھی گانٹھ کیسی کاٹھ ہے

ہمارے پاس جو بیٹھے تو کسمسا کے اٹھے
چرا کے آنکھ وہ اپنا بدن چرا کے اٹھے

ہم نے دیکھا نہ محبت میں اثر دیکھیں گے
ہائے نالہ بھی کیا آہ بھی کر دیکھیں گے
ہم سے بیزار اگر ہو تو خدا حافظ ہے
تم سلامت رہو، ہم اور ہی گھر دیکھیں گے

ضبط ایسا ہے ہزاروں غم کے پی جاتے ہیں وہ
حضرتِ ناصح سے کم ہیں بھاری بھرکم آدمی

دل ہمارا موردِ آفات ہے
رنج کی بہتات سی بہتات ہے

سن چکے ٹرواس تیری آلھ ہمارے پاس سے
دردِ سر ہونے لگا ناصح تری بکواس سے

داغ کی دیوانگی وہ دیکھ کر کہنے لگے
ایسے بگڑے دل سے ڈر ہے دیکھیے کیونکر بنے

پاس مسجد کے ہے مےخانہ بھی ، ہنگامِ نماز
مست سکارتے ہیں ، دیکھیے کیا ہوتا ہے

کھینچی ہیں سرد آہیں کس نے شبِ جدائی
یہ اوس پڑ رہی ہے یا برف پڑ رہی ہے

پھونک دینگے ایک دم میں یہ شرارے آہ کے
آسماں رہتا ہے کیا گنبد میں بسم اللہ کے

اُس کا قامت دیکھ کر سب کٹ گئے
بڑھ چلے تھے سرو بھی شمشاد بھی

قامتِ موزوں قیامت ہے ترا
کیا ہے گر سرو و صنوبر بڑھ چلے

جنازہ اپنے عاشق کا اُٹھا تو
بہت ہلکا ہے یہ ، بوجھل نہیں ہے

کھیلے وہ قافہ مست لنگوٹی میں کیوں نہ پھاگ
ہولی میں پھاگ کھیلتے ہو تم رئیس سے

ڈال کر پردہ گئے سیر کو تم پردے میں
خوب بہلی کی سواری میں طبیعت بہلی

وہ شہسوار ادھر کو جب باگ موڑتا ہے
پامال کر کے مرقد کیا خاک چھوڑتا ہے

آن سے وہا میں دیکھیے کیا ہار جیت ہو
بازی بدی ہوئی ہے یہ بازی لگی ہوئی

جیت کر بازی سرِ مقتل بھی باری لے گئے
ہم نہ تھے ایسے کہ جاں بازی کی بازی ہارتے

پتھر ہے مرا گلا بھی قاتل
تلوار کی باڑھ کر نہ ہو جائے

چھٹ گئی بدلی فلک پر اڑ گئی باد بہار
توبہ کرتے ہی ہمارے یہ نحوست چھا گئی

سن کے افسانہ مرا یہ داد دی
واہ باتونی تری کیا بات ہے

راز میرا عدو سے کہتے ہو
بات پچتی نہیں ذرا تم سے

میں نے آن پر ڈھال دی جب بے وفا مجھ کو کہا
اک مزا ہے اس محل پر بات دہرانے میں بھی

سرِ محفل مرے پہلو میں جو بیٹھا ہے رقیب
ایسی تکلیف ہے، گویا بغلی گھونسا ہے

ہاتھ سے دوستوں کو کھو بیٹھے
ہنسنے والوں کو ہم تو رو بیٹھے

رقیبوں سے بس توڑ کی لیجیے
چلا میں، مری بندگی لیجیے

دل کی سوزش ہوتے ہوتے ہو گی کم
آبلہ کا سلسلہ پانی کا ہے

بے لطف کریں آن کی ملاقات تو یہ ہے
منظور نہیں بات کوئی رات تو یہ ہے

راز ہے پردہ نشیں کا مرے منہ کو سی دو
بات جب پھوٹ گئی پھر نہیں چھپتے دیکھی

پیغام انھیں دے کر کیا ریشہ دوانی ہو
یہ بیل منڈھے چڑھتی معلوم نہیں ہوتی

یہ سوزِ داغِ محبت سے پک رہا ہے دل
نفس کے ساتھ نکلتی ہے بھاپ سینے سے

سوالِ وصل اُن سے کیا کروں میں دل دھڑکتا ہے
وہ سن کر کہہ نہ بیٹھیں مجھ سے کیا بیہودہ بکتا ہے

مسلسل اشک ہیں پلکوں پہ دیکھو
یہ موتی سوزنِ مژگاں نے بیندھے

پارسا کے جو پڑ گئی پلّے
دخترِ رز کے خوب بھاگ کھلے

اُس نے مانی نہ کوئی میری بات
منتیں کر کے بات بھی کھوئی

دنیا میں آبرو سے گزر جائے کوئی دن
سب کچھ رہا بشر کی اگر بات رہ گئی

نہ رہ جائے الٰہی کوئی خامی
پیامی بات پکی کر کے آئے

جانتا ہوں مری نہ مانیں گے
آ گئے ہیں وہ بات پر اپنی

ہم تو اشارہ فہم بھی ہیں زود فہم بھی
ملتے ہی آنکھ بات ترے دل کی پا گئے

چہرے ہوئے ہیں زرد مریضانِ عشق کے
پھولی ہے کیا بسنت تماشا تو دیکھیے

بھونڈی ہے بے ہنگم عجب ہے ڈول زاہد کی ہے قطع
رند اُس کو دیکھ کر کیا سخت بھوچکتے ہوئے

آپ کیجے نہ اس میں بیچ بچاؤ
ہونے دیجے رقیب سے میری

دل نہ تھا پاک یہی وجہ تو ہے اے قاتل
دہنِ زخم سے دشمن کے جو بدبو آئی

دل کو ہے خوف زلف کا تیری
اس بلا سے بخار آتا ہے

جس کی موقوفی ہوئی ہوتا نہیں پھر وہ بحال
عشق کی سرکار میں قانون جاری ہے یہی

خرابی میں ہیں کیا کیا اُس کے عاشق
کہ ہر طرف بحالی روز کی ہے

عشق میں ہم نے کی تھی سربازی
بچ گئی جان، خوب بچ کھیلے

سودے میں جس دل کے دوالا نکل گیا
بیوپار وہ کسا تھا کہ جس میں بچت نہ تھی

اس سے عاجز ہوا افلاطون بھی
موت سے کب بچاؤ ہوتا ہے

ہے یہ بیمارِ محبت کو میسّر پانی
کہ وہ تلوار کا دیتے ہیں بجھا کر پانی

دل کو پھنسا کے بل بھی دیے ہیں کہ چھٹ نہ جائے
رسّی بٹی ہے آپ نے زلفِ دراز کی

فرقت میں چشمِ تر سے دریا نکل رہا ہے
وہ جوش ہے کہ پانی بانسوں اُچھل رہا ہے

ہم بھی کچھ کہتے وہ بھی کچھ کہتے
بات چیت اُن سے اب نہیں ہوتی

جگر پر داغ سینے پر نشاں ہیں اُن کے چھلّے کے
یہی عاشق کا تمغہ ہے، یہی بالکے کا بالا ہے

کچھ اور میرے پاس بجز دل تو نہیں ہے
یہ چیز مگر آپ کے قابل تو نہیں ہے

دوزخ جگہ عذاب، کی جنت ثواب کی
بھرتی کہاں کروں دلِ خانہ خراب کی

آج مے خانے میں اس کی ہے خوشی
محتسب شہر بدر ہوگیا ہے

اُمّید میں وصال کی اپنا وصال ہے
خوش حال ہیں وہ ان کی طبیعت بحال ہے

غیر کی لاش کیوں اٹھاتے ہو
بارِ عصیاں سے بھاری بھرکم ہے

مرغِ بسمل ہے یا یہ ہے سیماب
دلِ بے تاب ہے کہ بجلی ہے

آم کی بجلی نہیں جس سے نہ پہنچے کچھ گزند
جان بر علی گرانے کی یہ بجلی کان کی

صحرا سجا ہوا ہے بنارس میں سیر کو
چل کر ہمارے ساتھ تماشا تو دیکھیے

غیر کہتا ہے رشک قیس ہوں میں
باولا ہے، سڑی ہے، پاگل ہے

اے پیر مے‌فروش لگائیں گے دام پھر
تو بانگی دکھا ہمیں پہلے شراب کی

کھیل سمجھے وہ اسے بھی جان پر کھیلے جو ہم
ہو گئی کم زور بازی چڑھ کے یہ کیا ہار ہے

کہتے ہیں دشمن کو مارِ آستیں
آستیں ہے یا کہ نالی سانپ کی

وہ بگڑ کر مجھ سے بولے تم بناتے ہو ہمیں
کیا کمر نازک ہماری بال سے باریک ہے ؟

آنکھ میں سرمہ لگا کر باڑھ رکھی آپ نے
اب نگاہِ ناز کی تلوار چلتی ہو گئی

سلسلہ بات کا بگڑتا ہے
نامہ بر بات ہی سے جوڑتا ہے

مرتے موئے میاں کی اور کیا تعریف ہو مجھ سے
یہ باریکی کمر کی ہے کہ باریکی نظر کی ہے

بے وفا مرتے وہ ہم پر ہم نے ہی برداشت کی
غیر کا جب ذکور کیا آیا، قیامت آ گئی

بعد مدت کے وہ آئے تو ملاقات ہوئی
مختصر قصہ ہوا آج بڑی بات ہوئی

وہ جھجکا جو دیکھی مری دل کی حالت
بڑھاوا دیا اپنے قاتل کو ہم نے

کھا کے ٹھوکر کہیں یہ گر نہ پڑے
فلکِ پیر کا بڑھاپا ہے

چرا لیا ہے مرے دل کو اور کہتے ہیں
یہ مفت مال ملا۔ خوب مرد ہات لگی

غیر سے کھیلتے تھے ہم شطرنج
اس طرف وہ تھے بُرد لی ہم نے

برقع اٹھا جو اُن کے رخِ تاب ناک سے
آنکھیں بلائیں لینے لگیں کس تپاک سے

گریۂ عاشقِ بے تاب پہ ہنس کر بولے
اب تو بے فصل بھی برسات ہوا کرتی ہے

بہت پچھتائے اے دل کیا کریں ہم
دعائیں مانگ کر تیری بقا کی

آپ نے کس کو بنایا رازدار
غیر بھڑ بھڑیا بھی ہے، عیّار بھی

کیوں کر ارمان نکالوں دل سے
عشق کا اس سے بھرم جاتا ہے

میری وحشت کی داد اُس نے یہ دی
خوب بہروپ تو نے بدلا ہے

شیخ ہیں پھرون وظیفا بھانتے
کام آ جاتا ہو ڈورا بھانتے

جچتا ہے اپنی آنکھ میں وہ خوش جمال بھی
تیری سی بول چال بھی ہو چال ڈھال بھی

داغِ فرقت سے مرے دل میں جلن پڑتی ہے
جوشِ گریہ ہے کہ ساون کی بھرن پڑتی ہے

ٹھہرو دم لو چاہیے اس وقت میں کچھ آڑ بھی
تیز چلتی ہے ہوا بھی ، مینہ کی ہے بوچھاڑ بھی

ہوے ہم تارکِ دنیا ، یہ دنیا ہی نہیں اچھی
لیا ہے آسماں اپنا ، لڑالی ہے زمیں اپنی

وصل کی رات اور یہ حجّت
بدمزہ ہو نہ بے مزہ کر کے

دلِ خانہ خراب کا ہو برا
اس نے بنیاد عشق کی ڈالی

احسان زمانے کے بہت تھے مرے سر پر
قاتل نے بڑا بوجھ اتارا مرے سے

دل جگر برقِ نگہ سے تلملا کر رہ گئے
طفلِ اشک آنکھوں میں اپنی بلبلا کر رہ گئے

چبتھی کبھی تو سنتے ہی وہ تلملا گئے
چٹکی جو میں نے لی تو عدو بلبلا گئے

معشوق سے شکایتِ بے داد جرم ہے
اس کو بری لگی تو خدا کو بری لگی

کیوں بگڑ کر برا بنوں آنے سے
تو تو ناصح مرے بگاڑ میں ہے

کون جیتے ، کون ہارے عشق میں
بد گئی ہے شرط میری آپ کی

دے کے مے زاہد کو بدلے میں یہ ہم لیں گے ثواب
آبِ زمزم سے بدلوانے کی نیّت ہو گئی

آئے شیطان کے دھوکے میں جنابِ آدم
وہ بشر تھے ، بشریّت تھی یہی ، کیا کرتے

وہ آئے اور اب آئے یہ آئے
بشارت دی مجھے بادِ صبا نے

داد خواہوں میں مرا ساتھ نہ دے گا کوئی
کہ جھجکتے ہیں ابھی سے یہ برابر والے

غیر کے گھر میں تم براج رہے
منتظر صبح سے ہم آج رہے

آپ سے رستے میں جو مطلب کی کہی
پھٹے سے منہ مجھ کو کہہ کر چل دیے

جو کوہِ عشق کروں طے تو ہو مجھے معراج
کہ ہے بلند بہت اس پہاڑ کی چوٹی

اپ نہ یہ چھوٹیں نہ دامن ان سے چھوٹے گا مرا
خارِ صحرائے جنوں پلّے بندھے پلّے پڑے

وہ کیوں اُن کو روکے وہ کیوں اُن کو ٹوکے
رقیبوں سے دربان کی پلول ملی ہے

سڑتے ہیں گلتے ہیں کوچے میں پڑے
عاشقوں کی پسال ڈالی آپ نے

نہ رہی اب ثمرِ عشق میں وہ کیفیت
بے مزہ ہوتا ہے وہ میوہ جو پل جاتا ہے

دل پہ دھاوا کرے گی یہ بے شک
لیس پلٹن ہے تیری مژگاں کی

محبت غیر کی ، میری کبھی تم تول کر دیکھو
کہ میزانِ خرد میں آج پلہ کس کا بھاری ہے

باتوں باتوں میں کہوں کیا میری شامت آ گئی
بے دھڑک بے ساختہ لب پر شکایت آ گئی

دیے میرے ناصح کو اُس نے خطاب
وہ پگلا ، وہ پاگل ، وہ دیوانہ ہے

بادِ صبا کے جھوکے سے بے آبرو کیا
غنچے کی ایک دھول میں پگڑی اتر گئی

بیاباں کو مری وحشت سے حاصل سرفرازی ہے
سرِ ہر خار پر باندھی ہے پگڑی تارِ داماں سے

خم کے خم پی گئے ہیں اک حضرت
پیٹ ہے یا پکھال چمڑے کی

ہمراہ اُن کے باغ میں کیا کیا مزے رہے
پکوان بھی تھا آج شراب و کباب بھی

لے گیا دل چرا کے دزد نگہ
کوئی اس چور کو پکڑوا دے

کرے جو مدح کوئی اُن کی کیا نہیں سنتے
کسی کی آہ ، کسی کی نکا نہیں سنتے

پہنچے کہاں یہ نالہ ، کیا کوئی اس کو جانے
جاتا ہے یہ مسافر بے ٹھور بے ٹھکانے

کوئی پل ایسا نہیں کٹتا کہ جس میں چین ہو
دل لگاتے ہی یہ ہم پر کیا قیامت آ گئی

دیوان کو داغ کے تو دیکھو
ہر بیت ہے انتخاب اس کی

کہتا ہے یہ کیا اپنی سمجھ میں نہیں آتا
ناصح کی بھی جو بات ہے مجذوب کی بڑ ہے

قد ہی چھوڑا ، رقیب بونا ہے
آدمی کیا ہے ، اک کھلونا ہے

ہوئے ہیں دختِ زر پر شیخ عاشق
مثل سچ ہے کہ بوڑھے منہ مہاسے

پاسباں لیتا ہے تنخواہ بھی رشوت بھی بہت
دو یہ خدمت ہمیں دیں مفت میں پہرا چوکی

ہم نے شیطان کی پھبتی جو کبھی دشمن پر
پھب گئی اور بھی ایسی کچھ آٹھ ہی نہ سکی

نعمتِ حق کی جس نے قدر نہ کی
لات ماری بہشت میں اس نے

قلزمِ عشق میں ہم تیرتے جاتے ہیں وہیں
جس جگہ جان کا خطرہ ہے بھنور پڑتا ہے

کیا تلون ہے طبیعت میں تری
دوست بن بن کے بگڑ جاتا ہے تو

کیسی جنابِ داغ کی تھی مے کشی میں دھوم
دو چلّوؤں میں آج وہ حضرت بہک چلے

شمع پروانے کو جلاتی ہے
بھور اس کا کہیں نہ ہو جائے

ہو ہی جاتی ہے بشر سے بھول چوک
ہم نے بھولے سے تمھاری یاد کی

صیاد کی چھری بھی ہے کیا تیز ان دنوں
سرِ طائرانِ بام کے بھٹا سے آڑ گئے

وہ جانتے ہیں نظرباز راہ گیروں کو
پکڑ دھکڑ ہے وہاں آج کل غریبوں کی

پکاؤ بات ابھی داغ دل ہی دل میں تم
کھلے گا رازِ محبت تو غیر کھٹکیں گے

کبھی معتکف شیخ صاحب نہ ہوں
جو اُن کو لت پتکا پکایا ملے

دخترِ رز سے نبھے گی کس طرح
یہ جوان ہے، شیخ پتکا پان ہے

وہ ہے مجرم وہ ہے ملزم میں سراسر بے خطا
آپ پشتی غیر کی لیتے ہیں کیا انصاف ہے

کٹی کچھ آسان سے اور آگے
لگایا بھید یہ آہِ رسا نے

بھیک بھی مانگے نہیں ملتی جو آڑ جاتا ہے رزق
غم میسّر ہو جو کھانے کو، غنیمت جانیے

یہ علامت ہے فقط قہرِ خدا کی آج تک
بھنبھناہٹ کیوں نہ مچھر قبر پر نمرود کی

کہتا ہوں چاند ، دیکھ کے ابروئے یار کو
آلیس بیس اس سے نہیں بلکہ بیس ہے

شبِ معراج میں شادی سائی تھی فرشتوں نے
نہ سمجھو کہکشاں اس کو یہ بدھو اور ناالدھا ہے

صبح کو وہ زلفِ مشکیں کی بہار
اور وہ سوناس داسی ہار کی

کھیچے ہوئے تیغ پھر رہے ہو
کیا بھوت سوار ہوگیا ہے

سوح چنچل شریر ہے بے چین
بوٹی بوٹی پھڑک رہی ہے تری

یا بسترِ دشمن سے ہوت گرم تم آئے
یا راہ کی گرمی سے پسینے میں نہائے

سحر کیا چشمِ فسوں ساز کیا کرتی ہے
دل سے وہ زلفِ گرہ گیر بھی بل بھرتی ہے

یہ حالت ہوئی داغ کا نام سن کر
پسینے پسینے وہ نازک بدن ہے

تڑپ کر نہ اپنا نکل جائے دل
بغل بھیچ لیتے ہیں ہم زور سے

چہکنے سے کبھی ہوتا نہیں بند
قفس میں بھی تو بلبل بولتا ہے

سرمایہ دلوں کا تری مژگاں نے ہے لوٹا
قزاقوں کی اس قافلے پر بھیڑ پڑی ہے

کچھ پس و پیش سوجھتا ہی نہیں
بھیڑیا چال ہے زمانے کی

کان رکھ کر نہ سنی گل نے صدائے بلبل
چیختے چیختے بھرا گئی آواز تری

کون مفلس سے بات کرتا ہے
کہ زمانہ بھرے کو بھرتا ہے

خدا جانے ہمارا حال صورت دیکھ کر کیا ہو
کہ اُس کا حسن سن سن کر طبیعت بھربھراتی ہے

سرگوشیاں رقیب سے کیں تم نے بزم میں
پہنچی تھی میرے کان میں کچھ کچھ بھنک سی

بزم میں گھیرے ہوئے آج اُن کو بیٹھے تھے رقیب
بھڑ کا چھتّا چھیڑ کر شامت ہماری آ گئی

تیری گلی کو دیکھ کے یہ یاد آ گیا
اپنی بھی اس زمیں میں کبھی بود و باش تھی

بارِ عصیاں سے یہ تھا میّت دشمن کا حال
چیخ اٹھے ، بول گئے لاش اٹھانے والے

نہ ہو کیوں جامہٴ ہستی سے حیرت
نہ بنوانا نہ سِیا اس کا آئے

ضبط کرتا ہوں بپِ غم میں جو میں گرم آنسو
دلِ بیمار کو دیتا ہوں بُھپارا اس سے

بوٹیاں لاکھ کرے جمع مہوّس لیکن
بے مقدّر کہیں اکسیر بنا کرتی ہے ؟

مجھ سے کہتے ہو ترے خواب میں حور آئی تھی
تم سلامت رہو بہتان لگانے والے

دل مفت نذر کرتے ہیں ، قیمت نہ پوچھیے
اس کا نہ بھاؤ تاؤ ، نہ کچھ مول تول ہے

تم کو لیلیٰ سے ہے جو یک جہتی
اپنا مجنوں سے بھائی چارہ ہے

ہوئے چاند سورج ستاروں سے ماند
غضب کی بھڑک تیری اشان میں ہے

توسنِ عمر نہ بھڑکا نہ بھڑک اس کی مٹی
بے دھڑک راہِ فنا میں یہ چلا جاتا ہے

بات پوری کرو ، تمہاری بات
کچھ میں سے تو لی نہیں جاتی

دیکھیے پھر نزاکتِ مضموں
جب طبیعت پہ بوجھ پڑتا ہے

کوئے جاناں تک نہ پہنچی اپنی خاک
بارہا پُروا چلی ، پچھوا چلی

گت بنی غیر کی دربان کے ہاتھوں بیشک
کوئے جاناں سے پڑاپڑ کی صدا آتی ہے

غیر سے چھوٹ ہو گئی تھی آج
میں نے سر روک کے پالٹ ماری

گلشن سے ہم تو لیں گے نشانی بہار کی
اے باغباں پھول نہیں پنکھڑی سہی

دردِ سر کی ہے شکایت آپ کو
غیر کے سر کا آتارا دیجیے

طوبیٰ کی بھی پھننگ پہ باندھے جو آشیاں
پھر بھی تو عندلیب نہ صیّاد سے بچے

علامت پھوٹ کی ہے یہ بھی قاصد
کہ پھوٹی ہے سیاہی اُن کے خط کی

زلفِ پیچاں میں مرے دل کی صدا
کم نہیں ہے سانپ کی پھنکار سے

اُن کی عادت میں جھوٹ ہے سچ ہے
وہ ہٹیلے ہیں بات کی پچ ہے

آمد آمد دیکھ کر اُس ترک کی
پاؤں اٹھ جائیں صفِ محشر کے بھی

اگر لائے جوابِ یارِ دل خواہ
تو پھر میں پاؤں پوجوں نامہ بر کے

ہاتھ سے دامن ہمارا چھوڑیے
پاؤں پوجے نہ چکی بس آپ سے

منزلِ مقصود کتنی دور ہے
چلتے چلتے پاؤں اپنے رہ گئے

ہم سے کیا چل سکے گا قاصد تیز
پاؤں سے پاؤں باندھ کر تو چلے

غیر ہوتا نہیں جدا اُس سے
پاؤں سے پاؤں اس نے باندھا ہے

لیں گے پھر مے فروش سے ہم قرض
کو چکایا ہے آنا پائی سے

بھاری تھی نعش غیر کی بارِ گناہ سے
تابوت اٹھانے والوں کے بھی پاؤں بھر گئے

باغ میں پت جھڑ ہوئی ، موسم خزاں کا آ گیا
مے کشو ! مژدہ کہ بعد اس کے بہار آنے کو ہے

پہلے ہی روزے میں طاقت گھٹ گئی
شیخ جی کا آج پتلا حال ہے

اہلِ دنیا کو جو دیکھا غور سے
یہ تماشا پُتلیوں کا سانگ ہے

اچھے برے کی اُن کو کہاں غصے میں تمیز
تقصیر تھی رقیب کی ، مجھ پر پھر پڑے

سادگی میں کیوں کیا تم نے بناؤ
زینتِ روئے نکو جاتی رہی

دل توڑنے کے واسطے طاقت نہیں رہی
کچھ کام کی بھی اُن کی نزاکت نہیں رہی

ایسی شبِ فراق میں حالت بدل گئی
میری شبیہ کی بھی وہ صورت نہیں رہی

منتظر ہی رہے دیدار کے ہم وقتِ اخیر
پتلیاں پھر گئیں آنکھوں کی وہ آ کر نہ پھرے

سنتے ہیں غیروں میں کشتی ہو پڑی
یہ نہیں معلوم کیا چٹ پٹ ہوئی

یہ تو ہے آس بہت سفاک یہ مرنے کے لیے
ایک دل اور ہو اللہ سے ڈرنے کے لیے
ضعف سے اپنے اسی واسطے خوش ہوں کہ مجھے
برسوں گزریں گے ترے جی سے اترنے کے لیے

ایسی بارش میں کہاں جاؤ گے بیٹھے بھی رہو
ایک طوفان ہے، پڑتے ہیں ٹپا ٹپ اولے

قیمتی ہو حسن قمری کا جب اے سرو چمن
طوق کے بدلے اسے پٹا طلائی چاہیے

توبہ کے بعد اپنا کیا دل ترس رہا ہے
بادل گرج رہا ہے، پانی برس رہا ہے

وصل کے ذکر نے رنجیدہ کیا کیا ہم سے
آ کھڑے آ کھڑے وہ رہا کرتے ہیں کیا کیا ہم سے

منزل دوست نہیں ایسی دور
نامہ بر پاؤں اٹھا کر تو چلے

مجھ سے وہ برہم بھی ہیں بیزار بھی
اور اچک دیتے ہیں اغیار بھی

اس کا سایہ ہے بلا ، کرتی ہے یہ سودائی
آپ بھی بچتے رہیں زلف کے پرچھائوں سے

بے وفا ہونے سے گو آرام ہے
مجھ پہ کیوں دشمن کا پرچھاواں پڑے

ان بے حجابیوں کی کوئی حد نہیں رہی
پردے پہ ہاتھ رکھتے نہیں وہ ستار کے

ہم نے دلی سے سوا پائی دکن میں راحت
کون کہتا ہے کہ پردیس برا ہوتا ہے

غنچے چٹک رہے ہیں پٹاخوں کی طرح سے
شادی ہے کیا چمن میں عروسِ بہار کی

میں سر جھکا کے آگے بڑھا بھی تو کیا ہوا
تلوار ہٹ پڑی مرے قاتل کے ہاتھ سے

یہ سر پٹکنے کی در پر ترے نشانی ہے
ہمارے ماتھے کا کوئی ورم ٹپکتا ہے

ٹکرا کے پھر ادھر کو نہ آ جائے تیرِ آہ
مضبوط چھت بنی ہے بہت آسمان کی

سچ تو یہ ہے قرض دے مجھ کو کہاں تک مے فروش
دام پٹ جائیں اگر اگلے تو پھر لگا لگے

آشیاں پورے بنانے نہ طیور
سرِ مجنوں پہ جو بیٹھے ہوتے

دیوِ غم سے لڑا ہے دل کشتی
یہ بھی پٹھا بلا کا نکلا ہے

ہے سمندِ ناز کی شوخی غضب
کب یہ ٹھہرا آپ کی پُچکار سے

سمند بادپا بھی زیرِ ران ہے
سوار اُس پر وہ پھرتیلا جوان ہے

دنیا کا مال و زر نہیں کچھ نام کے لیے
کرتا ہے جمع آدمی آرام کے لیے

ہے سادگی غضب کی، قیامت کا ہے بناؤ
وہ صبح کے لیے ہے تو یہ شام کے لیے

اُستاد پیرِ مےکدہ، شاگرد رند ہیں
اس مدرسے کی واہ پڑھائی کچھ اور ہے

دشنام سخت نام سے دیتے رہے مجھے
لڑھکائے پتھر آپ نے گویا پہاڑ سے

بات مطلب کی وہ پڑھتا ہی نہیں
خط مرا غیر سے پڑھواتا ہے

دل مرحوم کا اس بے کسی میں
دیا پُرسا کراماً کاتبین نے

خط سے روئے یار پر پرداز کی
دستِ قدرت میں بھی کیا پرکار تھی

دُلائی نہ کیونکر ہو بارِ نزاکت
کہ اس نازنین کا اکہرا بدن ہے

اُس سہی قد نے کر دیا سیدھا
سرو کی پھر اکڑ ہیں جاتی

پہلے پرداخت تھی مری منظور
اب تو پرخاش اُن کو رہتی ہے

تم چھپا بیٹھے ہو پرایا مال
دل کی نالش کریں گے حاکم سے

تو پچکتا ہے کیوں جو کوئی کہے
سیب پستان ترے پچکے لگے

مکان منحوس بے ڈھنگا ہے دشمن کا نہ تم لینا
نہ اکھواڑا ہی اچھا ہے، نہ پچھواڑا ہی اچھا ہے

دیکھو رندو شیخ صاحب کے نہیں ہیں منہ میں دانت
چھوٹے ہوں نرم چاول آن کی دعوت کے لیے

عبادت ہے یہ زاہدو ! انتہا کی
پرستش کرو بت کدے میں خدا کی

دل ہے تنہا ، یہ لڑائی کیسی
فوجِ مژگاں نے پرا باندھا ہے

ناصحِ پیر ہے پرانا کھاگ
اگلے وقتوں کی باتیں کرتا ہے

کہتے ہیں آؤ گے عدو کے ساتھ
یہ بری تم نے پخ لگائی ہے

کہکشاں ہے پرتلا اس کا ہلال اس کی ہے تیغ
یہ علامت کہہ رہی ہے آسماں خوں ریز ہے

وہ ہے خلوت سرائے ناز اے دل کیا خبر تجھ کو
پرندہ پر نہ مارے جس جگہ ، انسان کیا پہنچے

پڑ گئے لینے کے دینے دل کو واپس مانگ کر
اور لیجئے ہم کو الٹی بات دینی آ گئی

اے ہم صفیر میری فغاں کا ہے اور رنگ
آواز پاٹ دار کہاں عندلیب کی

دل میں کیا مہرباں نہیں آتی
بات کہنے میں ہاں نہیں آتی

وہ اشاروں میں کام لیتے ہیں
گفتگو درمیاں نہیں آتی
جل کے دل خاک ہوگیا شاید
بوے سوزِ نہاں نہیں آتی

کیا جانے دوسرا ہے کنارہ کدھر کہاں
دریائے عشق کا بھی سمندر کا پاٹ ہے

دل کو پتھر سا دیا ہم نے
اس کو پارا پلا دیا ہم نے

شبِ غم مر گیا مؤذن کیسا
آج بانگِ اذاں نہیں آتی

دل مرا چھین کے آنکھوں نے تری
حلقۂ زلف میں بندھوایا ہے

فتنہ برپا کر رہی ہے آپ کی رفتار بھی
پھر قیامت خیز ہے پازیب کی جھنکار بھی

عشاق کے دل راہ میں پامال کرو گے
آواز یہی دیتی ہے پازیب تمھاری

اچھا نہیں ہے پاس پڑوس اس کی فکر ہے
ہمسائے میں عدو کو بسایا ہے آپ نے

بارہا اس پہ گری برقِ تجلی اس کی
طورِ سینا نہیں پاسنگ بھی میرے دل کے

مجھ پہ رکھتے ہیں غیر کا الزام
الٹی گنگا بہائی جاتی ہے

بزم میں وعظ کی رندوں کو کہاں پاسِ ادب
پالتی مار کے بیٹھے ، نہ دوزانو بیٹھے

جو ملتی مول ہم کو بھر مرقد کوے جاناں میں
تو اشرفیاں بچھا کر پاٹ دیتے ہم زمیں آنی

روز حساب کیا نہیں کرنے کا سات پانچ
عیاریوں میں وہ بتِ پرفن تو پانچ ہے

عرق شرم نے محشر میں ڈبویا مجھ کو
پڑ گئے مجھ پہ خجالت سے گھڑے پانی کے

پیتے ہیں اب جنابِ مشیخت مآب بھی
پانی کے مول بکنے لگی ہے شراب بھی

اس قدر روزے کی گرمی ہے مجھے
منہ کو لگتا نہیں ٹھنڈا پانی

بظاہر آدمی ہیں ، آدمیت کب ہے غیروں میں
عجب خلقت ہے ، ان کا باوا آدم ہی نرالا ہے

جاتے ہیں بے انتہا پیاسے وہاں
چاہِ زمزم کا نہ پانی ٹوٹ جائے

پڑ گئے لینے کے دینے تشنۂ دیدار کے
منہ میں اب پانی چواتے ہیں ترے بیمار کے

چشمِ پُرآب میں عاشق کی بھرا ہے دریا
ایسے تالاب کا طوفاں ہے جو پانی پھوٹے

گر اڑے سوختہ جانوں کا غبار
جھلملا جائیں ستارے سارے

پی چکے سب، اب آئے زاہد آپ
جائیے بس جناب برکت ہے

اٹھا ہے ابر کعبے کی طرف سے مے کشو مژدہ
نہیں رہنے کا بے برسے کہ یہ برساؤ بادل ہے

تان کر بادِ صبا نے جو تمانچا مارا
تھرتھراہٹ سی رخِ گل پہ نظر آتی ہے

دل اس قدر ہے مرا ناتواں خدا کی پناہ
تری کمر کے تصوّر سے بوجھ پڑتا ہے

میں اور بزم غیر یہ قسمت کی بات ہے
آیا ہوں راہ بھول کے تیرے مکان کی

جب حسینوں میں ہوا شامل مراد یوسف جمال
حسن کے بازار میں بکری بہت اچھی ہوئی

دور سے تیری گلی میں اجنبی کو دیکھ کر
بھونکتے ہیں ساتھ کتّوں کے ترے دربان بھی

مہکا ہوا ہے مے کدہ اے مے کشو نوید
پیر مغاں نے کھول دی بھٹی شراب کی

واسطے افطار کے اے شیخ شربت چاہیے
قند کے کوزے کے بدلے گڑ کی بھیلی ہی سہی

اڑتی پھرتی ہے گو ہماری خاک
چھوڑ کر وہ گلی نہیں جاتی
دیکھ اس چشم مست کو زاہد
تجھ سے اتنی بھی پی نہیں جاتی

آئے تھے کیا رقیب کے گھر سے لڑے ہوئے
تم میرے پاس بیٹھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے

رہ گئی دل ہی کی دل میں حسرت
کہا کہیں موت اچانک آئی

ناز ہے تیغ ادا، تیر نگہ ہے برچھی
جان لے لے جو کسی کی تو اچنبا کیا ہے

میں تو مرتا ہوں وہ یہ کہتے ہیں
اچھا خاصا ہے ، بھلا چنگا ہے

اچھا ہے مے کشی میں جو اچھو ہوا مجھے
اس وقت میں شراب کا پینا حلال ہے

کون رو کش ہو محمدؐ کے تنِ پُرنور سے
ادلا بدلا جس کے سائے کا ہو برقِ طور سے

ترس کھا ذرا دل کو ترسانے والے
ادھر دیکھتا جا ادھر جانے والے
وہ جب آگ ہوتے ہیں غصے سے مجھ پر
تو بھڑکاتے ہیں اور چمکانے والے

کام کر جائے گی یہ خاموشی
ہم کو آہ و فغاں نہیں آتی

فارسی کی نہیں پرسش اے داغ
اس زمانے میں ہے اردو اچھی

مدام سر پہ مصیبت پڑی نہیں رہتی
ہمیشہ یار کس کی اڑی نہیں رہتی

گر غلط سمجھا اسے ہمنے تو اس میں کیا گناہ
آپ کی تحریر کچھ آیت نہیں قرآن کی

روز آنے لگی شب فرقت
یہ برا آئے دن کا جھگڑا ہے

کیوں بہانہ ڈھونڈھتی ہے موت آنے کے لیے
مجھ میں طاقت ہی نہیں دنیا سے جانے کے لیے

یہ جوش داغ محبت سے پک رہا ہے دل
نفس کے ساتھ نکلتی ہے بھاپ سینے سے

سب متاع دین و دنیا چاہیے
اے ہوس تجھ کو بھی کیا کیا چاہیے
لینے والے کی تو کوئی حد بھی ہے
دینے والے کو بہت سا چاہیے
دل مقابل اس صف مژگاں کے ہے
لڑنے مرنے کو کلیجا چاہیے
اڑ چکا باد خزاں سے آشیاں
مجھ کو تنکے کا سہارا چاہیے
گر فرشتہ ہو تو ہم کو کیا غرض
آدمی اچھے سے اچھا چاہیے

میہماں سرائے دہر میں دس آئے دس گئے
اتنا مگر ہے فرق کہ کچھ پیش و پس گئے
جب میں نے توبہ کرنے کا سامان کرلیا
کچھ بادل آسمان پہ آ کر برس گئے

کون بادِ خزاں کے ساتھ چلے
پاؤں بھاری عروسِ باغ کا ہے

مرگِ دشمن پہ روئے ہو کیا تم
ہیں پپوٹے جو آنکھ کے بھاری

سرمہ ضرور ہے نگہِ یار کے لیے
یہ ناز چاہیے اسی تلوار کے لیے
یہ جنسِ دل نہیں ہے خریدار کے لیے
رکھتا ہے اس کو رونقِ بازار کے لیے
یہ بارِ ناز ہم سے اٹھایا نہ جائے گا
بیکاری کوئی ڈھونڈے بیکار کے لیے
بیٹھے ہیں راہِ دوست میں ہم پاؤں توڑ کر
اب فکر کیا ہے منزلِ دشوار کے لیے
انکار کیجے آپ، مگر شکل آپ کی
کہتی ہے میں بنی ہوں ترے پیار کے لیے

پیاسی تو ہے کیا آنسو کا پٹھا
سمجھتا ہی نہیں کچھ بات میری

اُن کو جب میں نے ہلال ابرو کہا
کھینچ کر تلوار مجھ پر پل پڑے

دل پہ دھاوا کرے گی یہ بے شک
لیس پلٹن ہے تیری مژگاں کی

زمیں پر وہ سوتے ہیں غم میں عدو کے
پلنگ آج کل اُن کا سونا پڑا ہے

بوڑھے جناب شیخ ہیں کیونکر چبائیں پان
ہن کٹّی ان کے واسطے لوہے کی چاہیے ۱

دل بچے کیونکر تمہارے ہاتھ سے
تم تو پہلے جھاڑ کر پیچھے پڑے

سمندِ عمرِ رواں جب چلا تو تیز چلا
نہ کاوا ہے نہ اٹیرن نہ ہے پھرت اس کی

ایک دم میں جواب لے آیا
نامہ بر میں غضب کی پھرتی ہے

بیٹھے تھے جم کے بزم میں اُس حور وش کی غیر
دیکھا جو مجھ کو دیکھتے ہی پُھر سے اُڑ گئے

اشعار کچھ سنائے جو فریادِ داغ کے
سنتے ہی یہ فسانہ وہ مجھ سے بدک گئے

پہلے تو داغ صاحب اُن سے بگاڑ بیٹھے
اب جان جا رہی ہے اب دم نکل رہا ہے

کیا خوشی ہے کہ میرے پھولوں میں
دعوتِ خاص و عام ہوتی ہے

---

۱ شعر پہلے آ چکا ہے مگر اصل متن یہاں بھی موجود ہے ۔

اللہ اللہ وہ جوانی اور پھر وہ بانکپن
خوشنما ہیں پیچ کیا اُس لٹ پٹی دستار کے

نتیجہ محبت کا کیا پوچھتے ہو
بہت پیچ اس میں اٹھایا ہے ہم نے

پیرہن کے ٹکڑے مجھ وحشی کے جب بھی بچ رہیں
صرف ہوں کر ایک درجن پیچکیں خیّاط کی

لائے گی پیچ زلفِ پریشاں لئے لئے
یہ سادگی دکھائے گی ساماں لئے لئے

اُس کی تقدیر میں پڑا ہے پیچ
دل بری طرح پیچ و تاب میں ہے

اے شہ سوار! خاک اڑا کر کہاں چلا
پیچھا چھٹے گا کب مرے مشتِ غبار سے

سلجھتا ہی نہیں مضمونِ گیسو
طبیعت میں عجب پیچیدگی ہے

خاکساری چاہیے انسان کو
اس کی پیدایش ہوئی ہے خاک سے

عشق میں عاشق کی ایسی اے فلک بے عزّتی
ہو سوارِ ناقہ لیلیٰ قیس ہوں پیدل چلے

وہ نہ پیغام بر سے ہوں ناراض
ایسے پیرائے میں کلام کرے

خوبیِ قد سے تری نسبت ہے کیا
تو ہے انساں اور طوبیٰ پیڑ ہے

بری اولاد کو بھی بھرتے ہیں
کھوٹا پیسا بھی کام آتا ہے

تیری رفتار نے مرے دل کو
راہ میں پس پس ڈالا ہے

آپ شب کو جو چھپ کے جائیں گے
ہم بری طرح پیش آئیں گے

گر نہ دیتا ساقیا تو ہم کو مے
پیش دستی کر کے ساغر چھینتے

میں نے جانا یہ ہر مسافر کو
پیکِ دل بر جواب لاتا ہے

اس نے غیروں کو پلائی بزم میں
رشک سے ہم غصّہ پی کر رہ گئے

غم مجھے اس طرح دیتا ہے فشار
تیل پیلے جس طرح تیلی کوف

کیوں خضر زمیں کاٹتے ہیں
پیمائشِ طولِ عمر کرتے

کل تک تو سادگی تھی مگر آج کیا سبب
پیمک لگائی ہے جو دلائی میں آپ نے

دل سے پیوستہ ہے خارِ عشق وہ ہے نازنیں
مجھ کو یہ کھٹکا ہے کھٹکے کا یہاں آتے ہوئے

وحشت سے اس قدر ہیں مرے پیرہن میں چاک
پیوند بھی لگانے کی صورت نہیں رہی

اب ہمارے بخت نے پایا عروج
اس کی پستی بھی بلندی کے لیے

* * *

قصیدہ در مدح آقائے ولیِ نعمت حضور پُرنو رستمِ دوراں افلاطونِ زماں مظفر الممالک رستم جنگ نظام الملک آصف جاہ ، فرما فرمائے سلطنت حیدر آباد دکن ، صانہ اللہ ع الشرور و الفتن و خلد اللہ ملکہم

ہیں رخِ آصف سے کم تر آفتاب و ماہتاب
لاکھ چمکیں آسماں پر آفتاب و ماہتاب

اس خداوندِ تعالیٰ نے دیا شہ کو فرا
نور سے جس کے منوّر آفتاب و ماہتا

روئے روشن سے نہ کرتے اقتباسِ نور گر
اس قدر ہوتے نہ انور آفتاب و ماہتاب

آب و تابِ گوہرِ تاجِ مرصّع دیکھ
آب خجلت میں ہوتے تر آفتاب و ماہتا

شاہ کا بختِ بلند آن کو اگر نیچا دکھائے
فلسِ ماہی ہوں سراسر آفتاب و ماہتاب

شہ کے طالع میں جو ہے نجم سعادت کا درا
ایسے کب ہیں نیک اختر آفتاب و ماہتا

آب و تاب حسن سے شہ کی ہوئے کیا کیا خجل
شمع و انجم ، لعل و گوہر ، آفتاب و ماہتاب

وصفِ طبعِ روشنِ آصف نہ ہوں جب بھی ر
گر نہیں اوراقِ دفتر آفتاب و ماہتا

جبہہ و رخسارِ آصف جاہ ہیں بالذات ایک
ہیں دو گوہر ، ہیں دو جوہر ، آفتاب و ماہتاب

جلوہ افزائی کرے گر پرتوِ نورِ جمال
آسماں سے بھی ہوں بڑھ کر آفتاب و ماہتاب

شاہ کا بحرِ سخا جس وقت آئے جوش پر
ہوں حباب آسا شناور آفتاب و ماہتاب

رشکِ شوقِ دید ملنے ہی نہیں دیتا انھیں
روز و شب باہم ہوں کیونکر آفتاب و ماہتاب

جب لٹائے سیم و زر آصف تو پھیلائیں نہ کیوں
اپنا دامن ، اپنی چادر آفتاب و ماہتاب

آج جشنِ عید ہے اس طرۂ دستار پر
آسماں کر دے نچھاور آفتاب و ماہتاب

آج وہ دربار ہے لائے بجائے اشرفی
ندر شہ کو چرخِ اخضر آفتاب و ماہتاب

آج وہ دن ہے کہ دیوڑھی کے گردوں جائے گل
لائے ڈالی میں لگا کر آفتاب و ماہتاب

جلوہ گاہِ شاہ کا ثانی نظر آتا نہیں
ڈھونڈتے پھرتے ہیں گھر گھر آفتاب و ماہتاب

روز و شب ایوانِ شاہی پر سعادت بار ہیں
سعدِ اصغر سعدِ اکبر آفتاب و ماہتاب

قصرِ عالی ہے وہ روشن تر کہ جس کے فرش میں
ہیں بجائے سنگ مرمر آفتاب و ماہتاب

شمسہ و مہتابیِ ایوانِ شہ کے رشک سے
روز و شب کھاتے ہیں چکر آفتاب و ماہتاب

فرشِ قالیں دیکھ کر ایوانِ آصف جاہ میں
منفعل ہیں چرخِ اخضر آفتاب و ماہتاب

خواب گاہ شاہ میں گل تکیے ہیں زربفت کے
دو ہیں گویا زیبِ بستر آفتاب و ماہتاب

جشن و بزمِ جامِ مے ہے واعظانِ شہر بھی
کہتے ہیں بالائے ممبر آفتاب و ماہتاب

مدحِ حاضر میں پڑھوں وہ مطلعِ پرنور میں
جس کا ہر مصرع ہو یکسر آفتاب و ماہتاب

مطلع

اس درِ دولت سے لیں زر آفتاب و ماہتاب
کاسۂ دریوزہ ہیں کر آفتاب و ماہتاب

اے نظام الملک آصف جاہ اے شاہِ دکن
تیرے جلوے سے منور آفتاب و ماہتاب

جب ہوئے روکش تری چمکی ہوئی تدبیر سے
ہو گئے تانبے کا پتّر آفتاب و ماہتاب

بختِ روشن کے ترے ہیں زیر فرماں روز و شب
مثلِ خادم مثلِ چاکر آفتاب و ماہتاب

طالعِ فیروز تیرا ہے جوان روشن بلند
پیر ہے گردوں، معمّر آفتاب و ماہتاب

جلتے جلتے ہیں ترے آئینۂ رخسار سے
ہیں اصیبے کے سکندر آفتاب و ماہتاب

عینکِ چشمِ حقیقت ہیں کو تیری دیکھ کر
گر پڑے نظروں سے یکسر آفتاب و ماہتاب

ہے یہ شایاں خامۂ نارِ شعاعی سے لکھیں
وصف تیرے اپنے دل پر آفتاب و ماہتاب

یوں دلِ فیّاض روشن ہے ترا جس طرح سے
فیض گستر، نور گستر آفتاب و ماہتاب

نورِ حق پرتو فگن یوں تیرے قلبِ صاف میں
جیسے آئینے کے اندر آفتاب و ماہتاب

تیرے نقشِ پا سے ہے فرقِ زمین و آسماں
پھرتے ہیں اوپر ہی اوپر آفتاب و ماہتاب

خاک تیری جلوہ گہ کی اُن کو ہاتھ آئے اگر
مثلِ غازہ مل لیں رخ پر آفتاب و ماہتاب

تیری چشمِ نقشِ پا سے گر نہ پائیں فیض نور
ذرے ذرے سے ہوں احقر آفتاب و ماہتاب

یوں دلِ روشن ترا ہر ہر نفس کا رہ نما
جس طرح رہ رو کے رہ بر آفتاب و ماہتاب

تیری خاکِ راہ کے ذرے ہیں روشن اس قدر
چمکے ہیں گویا زمیں پر آفتاب و ماہتاب

آرزو ہے مسندِ کمخواب کے بوٹے نہیں
پھرتے ہیں بے تاب و مضطر آفتاب و ماہتاب

تیری بزمِ عیش سے کیا رتبہ بزم جم کو ہو
ہے یہاں ہر جام و ساغر آفتاب و ماہتاب

قطرۂ بحرِ کرم تیرا اگر ہو اوج گیر
اس کو سمجھیں شیرِ مادر آفتاب و ماہتاب

شعلۂ جوّالہ کے مانند ہونے کو نثار
گرد تیرے کھائیں چکّر آفتاب و ماہتاب

گرم و سردِ عالمِ اسباب سے واقف ہے شاہ
کیا دکھائیں اپنے جوہر آفتاب و ماہتاب

قرصِ مہر و ماہ کی کیا اصل ، شہ کی تیغ تیز
گر پڑے ٹکڑے ہوں یکسر آفتاب و ماہتاب

کیا سپر سے رک سکے شمشیر آصف جاہ کی
مثلِ جواز ہوں دو پیکر آفتاب و ماہتاب

گردِ لشکر جب اڑے سوئے فلک وقت مصاف
ہوں مکدّر سے مکدّر آفتاب و ماہتاب

فتح جنگ آصف کے لشکر کے جہاں چمکیں علم
ہوں وہاں لاکھوں منوّر آفتاب و ماہتاب

ہیں منوّر کس قدر شہ کی سپر کے چار پھول
چار ہیں گویا سمٹ کر آفتاب و ماہتاب

ایسے سر لشکر ہیں لشکر کے یہاں روشن دماغ
جیسے کل انجم کے افسر آفتاب و ماہتاب

شاہِ آصف کی جو بے حد مثل انجم ہے سپاہ
ہیں علم بردارِ لشکر آفتاب و ماہتاب

شاہ آصف کا جو وقتِ جنگ ہو نیزہ بلند
برج سے نکلیں نہ باہر آفتاب و ماہتاب

نقرہ و شبدیز تیرے گر اڑیں سوئے فلک
کیا تعجب کھائیں ٹھوکر آفتاب و ماہتاب

ہیں ترے نقشِ سمِ توسن بھی یوں زیبِ زمیں
آسماں پر جیسے زیور آفتاب و ماہتاب

وقتِ جولاں گر سمندِ شاہ کی لے جائے خاک
مانیں احسانِ صرصر آفتاب و ماہتاب

چاند سورج زیبِ پیشانی ہیں فیلِ شاہ کے
کیوں نہ شرمائیں فلک پر آفتاب و ماہتاب

تیری چشمِ قہر اٹھ جائے اگر سوئے فلک
خوف سے ہو جائیں پتھر آفتاب و ماہتاب
عکس افگن ہو اگر بدخواہ کا بختِ سیاہ
خال سے بھی ہوں سیہ تر آفتاب و ماہتاب
طالعِ دشمن میں ہے بے کار ایسی روشنی
جیسے کاغذ پر مصوّر آفتاب و ماہتاب
کب ستمگاری عدو کی چھپ سکے روزِ جزا
مُہر ہوں گے بہرِ محضر آفتاب و ماہتاب
کیا عجب ہے تیغ کھینچیں طالعِ بد خواہ پر
تُرکِ گردوں کے برابر آفتاب و ماہتاب
داغِ دل داغِ جگر دشمن کے تیرے ہاتھ سے
آ گئے یہ زیرِ خنجر آفتاب و ماہتاب
لائے گر عہدِ مبارک میں نحوست کی گھڑی
ہوں زحل پر حملہ آور آفتاب و ماہتاب
اس طرح فخرِ سلاطیں شاہ و شہزادہ ہیں آج
جیسے سیّاروں میں انور آفتاب و ماہتاب
شاہِ آصف اور شہزادہ رہیں تا دورِ چرخ
ہیں یہ دو فرخندہ گوہر آفتاب و ماہتاب
ہے یہ زیبا آئینہ ان کو دکھائیں روز و شب
مثلِ خادم ، مثلِ چاکر آفتاب و ماہتاب
ہے یہی زیبا کہ ہوں فرقِ مبارک پر نثار
بن کر نقرہ و زر آفتاب و ماہتاب
ہو دوبالا بخت روشن قلبِ روشن کا فروغ
چرخ پر جب تک ہیں انور آفتاب و ماہتاب

جلوہ گر اُن کی محبت دل میں آصف کے رہے
تھے جو سبطین پیمبر آفتاب و ماہتاب

داغ یہ شاہ دکن کی مدح ہے کیونکر نہ ہوں
شعر تیرے اے ثنا گر آفتاب و ماہتاب

آسماں نے دو دکھائے اور مدح شاہ میں
ہم نے چمکائے اکھتّر آفتاب و ماہتاب

ولہ فی المدح

جود و سخا نظام کی ہمت کے ساتھ ہے
وابستہ خلق دامن دولت کے ساتھ ہے

دنیا میں نام آپ کا شہرت کے ساتھ ہے
شہرت بھی ہے اگر تو حکومت کے ساتھ ہے

دل میں جو حوصلہ ہے تو جرأت کے ساتھ ہے
آنکھوں میں ہے حیا تو مروت کے ساتھ ہے

آصف کو اُلفت ایسی رعیّت کے ساتھ ہے
جیسی رسول پاکؐ کو امّت کے ساتھ ہے

چوبیسویں ہے سال گرہ اب حضور کی
ساعت یہ نیک یمن و سعادت کے ساتھ ہے

کیونکر خطاب میں نہ فلاطون عصر ہو
جو بات ہے وہ فہم و فراست کے ساتھ ہے

جو ہے خدا کا حکم وہی بادشاہ کا
طاعت کا لطف ہم کو اطاعت کے ساتھ ہے

کیا اتباع حکم شریعت ہے رات دن
کیا اعتقاد اہل طریقت کے ساتھ ہے

بدخواہ کا نظر سے کلیجا نکل پڑے
وہ دبدبہ حضور کا سطوت کے ساتھ ہے
اولاد سے زیادہ ہے منظور پرورش
کیسی رعایت اپنی رعیّت کے ساتھ ہے
جو کام مقتضیٰ ہے ریاست کے واسطے
سطوت کے ساتھ ہے وہ سیاست کے ساتھ ہے
کیونکر ہرا بھرا نہ رعیّت کا باغ ہو
مثمر یہ بادشاہ کی نیّت کے ساتھ ہے
مسکیں نواز بھی ہے، مسافر نواز بھی
کیا پرورش اہالیِ غربت کے ساتھ ہے
دنیا کی ہے زبان پہ شاہِ دکن کا لطف
چرچا یہی تو حرف و حکایت کے ساتھ ہے
جرم و خطا کے واسطے تفتیش ہے بدیر
عفوِ خطا اگر ہے تو عجلت کے ساتھ ہے
یہ اقتصاد چاہیے انسان کے لیے
سیرت کا حسن خوبیِ صورت کے ساتھ ہے
نوکر کی آبرو سے ہے آقا کی آبرو
کیا پرورش ہر ایک کی عزّت کے ساتھ ہے
آصف دلیر و شیرفگن وہ ہے جس کی دھاک
سارے بہادروں میں شجاعت کے ساتھ ہے
آصف ہے وہ خلیق کہ داعِ جہاں میں آج
خوشبوئے خلق جس کی لطافت کے ساتھ ہے
آصف کا ہے وہ طالعِ فیروز و ارجمند
جس کا عروج شوکت و حشمت کے ساتھ ہے

آصف کا حق تھا حق نے جو شاہِ دکن کیا
جو کام ہے خدا کا وہ حکمت کے ساتھ ہے

کیا منصفی ہے طبع میں بدوِ شعور سے
کیا راستی مزاج میں خلقت کے ساتھ ہے

اہلِ زمیں کو فخر نہ کیوں ہو کہ واسطہ
اک آسمانِ جاہ و جلالت کے ساتھ ہے

دستِ نظام میں رہے یارب عنانِ دیں
اسلام جب تک اسمِ شریعت کے ساتھ ہے

آصف رہے ہزار برس جس کی سلطنت
شان و شکوہ و شوکت و عظمت کے ساتھ ہے

یارب ! دعا ہو داغِ دعا گو کی مستجاب
اس کی دعا امیدِ اجابت کے ساتھ ہے

قطعہ در تعریف انبہ دکن

شاہ نے دیں آم بھری کشتیاں
بحرِ عطا کیا ہی ہوا موج زن

کشتیوں میں آم جو ہیں رنگ رنگ
داغ کا گھر آج ہے رشکِ چمن

سرخ میں ہے لالہ رخوں کی بہار
سبز میں ہے سبز خطوں کی پھبن

زرد میں ہے رنگِ گلِ زعفران
کیسری پوشوں کی ہے اک انجمن

آم سے منھ پر ہے سیاہی کہ ہے
سرمگیں چشمِ بتِ سیم تن

الفت و مرغوبہ الـذا لثمّر
ذائقے میں غیرت شہد عدن
ایسے کہاں پریوں کے پر سبزسبز
ایسے کہاں حوروں کے سیب ذقن

طوطا پری لال دیا دل پسند
کہتے ہیں نامی انھیں اہلِ دکن
آم ہرا جامِ زمرّد کی شکل
لال دیا صورتِ لعلِ یمن

سونگھ کے ہو جائے معطّر دماغ
منہ پہ مگر اُن کے ہے مشکِ ختن
رنگ ہے وہ شوخ کہ جیسے پری
اور وہ خوش بو کہ معطّر دلھن

گر کبھی ان آموں کا رس چوس لیں
ہونٹ ہی چاٹا کریں شیریں دہن
البتہ شیریں جو آئے ہو نصیب
نام بھی شیریں کا نہ لے کوہ کن

جنّتِ دنیا کے یہی تو ہیں آم
اُن کا ہی مصلح ہے بہشتی لبن
ایسے رسیلے ہیں وہ نازک ہیں پوست
جیسے کہ ہوں دل بر نازک بدن

سینکڑوں قسمیں اسی میوے کی ہیں
پھر ہے یہ افراط کہ لاکھوں ہی من
واقعی ان آموں کی تعریف میں
کم ہے جہاں تک کہیں اہلِ سخن

قاش بنے اس کی جو اپنی زبان
قند کا کوزہ بنے اپنا دہن
دیکھیے شیرینیِ گفتار پھر
نطق بھی چپکے دمِ عرضِ سخن

نام تو ہے گرچہ یہ معنی نہ ہوں
شرکتِ اسمی ہے شیریں ہے دہن
مجھ کو یہ مصرع بہت آیا پسند
انبتہا اللہ نباتاً الحسن

پھولے پھلے شاہ کا باغِ مراد
اور ثمریاب ہوں اہلِ زمن
فیض رساں داغ کو یارب رہے
خسروِ محبوب نظامِ دکن

قطعہ بطور ہدایت نامہ کہ حسبِ استدعائے خاکسار احسن وقتِ تالیفِ جلوۂ داغ برائے فصیح اللغات ارشاد فرمودند فی البدیہہ

اپنے شاگردوں کو یہ عام ہدایت ہے مری
کہ سمجھ لیں تہ دل سے وہ بجا و بے جا
شعرگوئی میں رہیں مد نظر یہ باتیں
کہ بغیر ان کے فصاحت نہیں ہوتی پیدا

چست بندش ہو نہ ہو سست یہی خوبی ہے
وہ فصاحت ہے گرا شعر میں جو حرف دبا
عربی فارسی الفاظ جو اردو میں کہیں
حرف علت کا برا اُن میں ہے گرنا دبنا

الف وصل اگر آئے تو کچھ عیب نہیں
لیکن الفاظ میں اردو کے یہ کرنا ہے روا

جس میں کنجلک بھو تھوڑی بھی صراحت ہے وہی
وہ کنایہ ہے جو تصریح سے بھی ہو اولیٰ

عیب و خوبی کا سمجھنا ہے اک امرِ نازک
پہلے کچھ اور تھا ، اب رنگِ زباں اور ہوا

یہی اردو ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے
اہلِ دہلی نے اسے اور سے اب اور کیا

مستند اہلِ زباں خاص ہیں دلّی والے
اس میں غیروں کا تصرّف نہیں مانا جاتا

جوہری نقد سخن کے ہیں پرکھنے والے
ہے وہ ٹکسال سے باہر جو کسوٹی نہ چڑھا

بعض الفاظ جو دو آئے ہیں اک معنی میں
ایک کو ترک کیا ، ایک کو قائم رکھا

ترک جو لفظ کیا اب وہ نہیں مستعمل
اگلے لوگوں کی زباں پر وہی دیتا تھا مزا

گرچہ تعقید بری ہے مگر اچھی ہے کہیں
ہو جو بندش میں مناسب تو نہیں عیب ذرا

شعر میں حشو و زواید بھی برے ہوتے ہیں
ایسی بھرتی کو سمجھتے نہیں شاعر اچھا

گر کسی شعر میں ایطائے جلی آتا ہے
وہ بڑا عیب ہے کہتے ہیں اسے بے معنیٰ

استعارہ جو مزے کا ہو مزے کی تشبیہ
اس میں اک لطف ہے اس کہنے کا پھر کیا کہنا

اصطلاح اچھی ، مثل اچھی ، ہو بندش اچھی
روزمرہ بھی رہے صاف فصاحت سے بھرا
ہے اضافت بھی ضروری مگر ایسی تو نہ ہو
ایک مصرع میں جو ہو چار جگہ بل کہ سوا
عطف کا بھی ہے یہی حال یہی صورت ہے
وہ بھی آئے متوالی تو نہایت ہے برا
لف و نشر آئے مرتّب وہ بہت اچھا ہے
اور ہو غیر مرتّب تو نہیں کچھ بے جا
شعر میں آئے جو ایہام کسی موقع پر
کیفیت اس میں بھی ہے وہ بھی نہایت اچھا
جو نہ مرغوبِ طبیعت ہو بری ہے وہ ردیف
شعر بے لطف ہے گر قافیہ ہو بے ڈھنگا
ایک مصرع میں ہو تم دوسرے مصرع میں ہو تو
یہ شترگربہ ہوا ، میں نے اسے ترک کیا
چند بحریں متعارف ہیں فقط اردو میں
فارسی میں ، عربی میں ہیں مگر ان سے سوا
شعر میں ہوتی ہے شاعر کو ضرورت اس کی
گو عروض اس نے پڑھا وہ ہے سخن ور دانا
مختصر یہ ہے کہ ہوتی ہے طبیعت استاد
دین اللہ کی ہے جس کو یہ نعمت ہو عطا
بے اثر کے نہیں ہوتا کبھی مقبول کلام
اور تاثیر وہ شے ہے جسے دیتا ہے خدا
گرچہ دنیا میں ہوئے اور ہیں لاکھوں شاعر
کسبِ فن سے نہیں ہوتی ہے یہ خوبی پیدا

سید احسن جو مرے دوست بھی شاگرد بھی ہیں
جن کو اللہ نے دی فکرِ رسا طبعِ رسا
شعر کے حسن و قباحت جو انہوں نے پوچھے
اُن کی درخواست سے اک قطعہ برجستہ کہا

پندنامہ جو کہا داغ نے بے کار نہیں
کام کا قطعہ ہے یہ وقت پہ کام آئے گا

سہرا بتقریبِ مسرت قریب کدخدائی حضور پُر نور آصف جاہ سادس خلد اللہ ملکہ و ضاعف اجلالہ

یہ سجا آصفِ نوشاہ تجھی پر سہرا
عیش کا طرّہ ہے، شادی کا ترے سر سہرا

ہے جو نوشاہ کی پُر نور جبیں پر سہرا
اس سے چمکانے لگا اپنا مقدّر سہرا

مردمِ دیدہ بھی یہ چاہتے ہیں پیش کریں
کشتیٔ چشم میں مژگاں کا لگا کر سہرا

لاگ سے لڑتی ہے ایک ایک لڑی مل مل کر
گل و گوہر کا جو ہے سہرے کے اوپر سہرا

گل ہیں شاداب تو موتی ہیں نہایت خوش آب
تولیے دونوں کا نظروں میں برابر سہرا

گرمیٔ حسن سے بے چین ہیں ساری لڑیاں
رخِ نوشہ پہ ہوا کھائے نہ کیونکر سہرا

اپنے ہاتھوں کی بھی لیتی ہے بلائیں مالن
کوسی اترائی ہے شاہانہ بنا کر سہرا

ایسے سہرے کے لیے چاہیے تقدیر بھی شرط
کب ہوا خسروِ جم کو یہ میسّر سہرا
کیا خوشی اس کو ہے پھولا یہ سماتا ہی نہیں
اپنے جامے سے ہوا جاتا ہے باہر سہرا
تیرے ہی فرقِ مبارک کے لیے زیبا ہے
یہ معنبر ، یہ معطّر ، یہ منوّر سہرا
سرِ مو برقِ تجلیٰ سے نہ پایا کچھ فرق
رخ سے سرکا جو ذرا بال برابر سہرا
دوش پر دونوں فرشتے بھی ہیں محو و بےخود
کیا فرح بخش ہے خوش بو سے معطّر سہرا
آئنہ سکتے میں تھا آرسی مصحف کے وقت
آلو کیا دولہا دلھن کا جو برابر سہرا
جیسے دریا میں ہو سورج کی کرن جلوہ نما
یوں ہوا عکس فگن فرشِ صفا پر سہرا
آئنہ ہے رخِ نوشاہ کا جو اس کے پاس
بن گیا اپنے نصیبے کا سکندر سہرا
یہی شہرہ ہے ، یہی دھوم ، یہی چرچا ہے
آدم و حور و پری گاتے ہیں گھر گھر سہرا
جاں نثاروں کو ترے شوق ہے یہ آج کے دن
لائیے اپنی رگِ جان کا بنا کر سہرا
یہ وہ نوشہ ہے محبوب نظام آصف جاہ
ہو مبارک اسے یا خالق اکبر سہرا
مصحفِ روئے کتابی کی ہیں سطریں لڑیاں
رخِ نوشہ کا محافظ ہے مکرّر سہرا

یہ بنا اور بنی کے لیے زیبا ہے بناؤ
بیاہ کی رسم یہے ، شادی کا ہے زیور سہرا

حق بجانب ہے اگر شاہ سے ہو داد طلب
تو نے اے داغ کہا سب سے بھا کر سہرا

جھولا جو شاہزادۂ ولیعہد بہادر کے لیے تیار ہوا تھا

واہ کیا لاڈلے پیارے کا ہے پیارا جھولا
نہیں دیکھا نہیں دیکھا کہیں ایسا جھولا

پنج شاخوں کی نظر روشنی آئی جس وقت
انگلیاں اٹھنے لگیں سب کی وہ آیا جھولا

حرکت قلب کی جس طرح سے ہے روح فزا
استراحت کے لیے چاہیے ایسا جھولا

کل ہے یہ راحت و آرام و سکوں کی گویا
وہیں نیند آ گئی جس وقت جھلایا جھولا

ہوگیا رات کا دن روشنی ایسی پھیلی
مثل خورشید جہاں تاب جو چمکا جھولا

لوریاں دینے لگیں گائیں دھیمے سُر میں
شاہزادے کو جو آہستہ جھلایا جھولا

مردم چشم کو تھا شوق کریں استقبال
بڑھ چلے آنکھوں سے جس دم نظر آیا جھولا

نفع دیتا ہے بصارت کو طلائے خالص
بڑھ گیا نور جب آنکھوں میں سمایا جھولا

موجیں کرتی ہے جو کھاتی ہوا اس کی نسیم
فرحت افزا ہے کہاں ایسی ہوا کا جھولا

سینکڑوں پلتے ہیں اس پالنے کے باعث سے
اہلِ خدمت کا یہ ہے پالنے والا جھولا

اس کی جنبش بھی ہے مثلِ نفسِ جاں پرور
بڑھ گیا پالو کا دم جس نے جھلایا جھولا

ایسی تصنیف کو زیبا ہے یہ موسم اے داغ
ہم نے ساون میں اسی واسطے لکھا جھولا

سلام

ہائے یوں پیاس میں مانگے علی اصغر پانی
آبِ پیکاں سے ملے بوند برابر پانی

رن میں جب پہنچے نہ تا آلِ پیمبر پانی
عرقِ شرم میں کیونکر نہ رہے تر پانی

قحط پانی کا ہوا آلِ نبیؐ پر ایسا
ہو گیا خشک عناصر میں بھی یکسر پانی

بولی تقدیر پلاؤ گے کسے لے جا کر
چلے مشکیزے میں عباسؓ جو بھر کر پانی

وائے تقدیر بہا خون کا دریا اُن میں
مانگتے تھے جو بہتّر کے بہتّر پانی

وائے حسرت کہ پئیں اہلِ حرم خونِ جگر
اور اعدا کا پیے سامنے لشکر پانی

تیر باراں کریں اعدا یہ قیامت دیکھو
آسماں سے نہ گرے بوند برابر پانی

اتنی مدت رہے بے آب وہ بچے پیاسے
یاد اُن کو نہ رہا پیتے ہیں کیونکر پانی

شاہ کی تشنہ لبی یاد جو آئی اس وقت
پھینکا عباسؓ نے چلّو میں اٹھا کر پانی

ہائے وہ بحرِ کرم ابر عطا ہوں ترعے
تیسرے دن بھی نہ ہو شہ کو میسّر پانی

ڈوب جاتی عرقِ شرم میں تو بہتر تھا
اے زمیں تجھ میں رہا نام کو کیونکر پانی

خیمۂ شاہ میں گم نام تھا پانی ایسا
نہ پھرا عابدِ بیمار کے منہ پر پانی

اشقیا سب ہوئے فی النار برس ہی دن میں
حشر سے پہلے سزائیں تھیں مقرر پانی

العطش سب کی زباں پر تھا کوئی دے نہ سکا
باپ بیٹے کو، برادر کو برادر پانی

خون کے گھونٹ بھی مشکل سے پیے جاتے تھے
مانگتے سبطِ نبی کیا تہِ خنجر پانی

آبرو خاک ہو دنیا میں تری نہرِ فرات
آلِ احمدؐ کو دیا تونے نہ بڑھ کر پانی

بچے رو رو کے کریں اپنا لہو پانی ایک
اور ترسائیں لعیں ان کو دکھا کر پانی

چشمِ نقشِ کفِ پا میں بھی تو آنسو بھر آئیں
خاک پر گر کے جو مانگے علی اکبر پانی

یہ بھی ہمراہ اگر آلِ نبی کے ہوتے
خضر و الیاس کو ہوتا نہ میسّر پانی

موج سمجھو نہ اسے تشنہ لبی پر شہ کی
پھیرتا اپنے گلے پر ہے بہ خنجر پانی

یہ دعا داغ کی ہے میں نہ رہوں تشنہ دہن
مجھ کو دیں ساقیِ کوثر لبِ کوثر پانی

قطعات تاریخ

قطعۂ تاریخ عطیہ گھوڑی از بارگاہ سلطانی حضور نظام خلداللہ ملکہ

شجاعت سخاوت ہمیشہ ہے توام
وہ آصف میں پائی وہ آصف میں دیکھی

اِدھر شیر مارے اُدھر توڑے پنجے
خدا نے یہ جرأت یہ ہمت عطا کی

عناں جب اٹھائی تو پھر کون روکے
نہ ندی نہ نالا نہ جنگل نہ جھاڑی

ہوا یہ کسے شوق صید افگنی کا
نہ برسات مانے، نہ گرمی نہ سردی

بہت سے مرے سامنے شیر مارے
لگی شیر کے سر میں یا دل پہ گولی

دل و دست جب تک نہ قبضے میں ہونگے
لگے گی نہ ہر بار بندوق ایسی

اڑائے روپے پھینک کر آسماں پر
لگی ہر روپے کے نشانے پہ گولی

جو لی بائیں شانے پہ بندوق شہ نے
تو حیرت ہوئی چشمِ مردم پہ طاری

خصوصاً مجھے تھا تحیّر کا عالم
کہ حضرت لگاتے ہیں بندوق یوں بھی

اڑائے بہت اس طرح بھی نشانے
کسی میں سنی تھی نہ یہ بات دیکھی

کوئی کیوں پریشاں ہو جب تجھ پہ ہے ہو
ع ترحّم، تلطّف، تسلّی، تشفّی

توجہ بسر اک پر، خبرگیر سب کے
پھر اس پر خیالاتِ مسالی و ملکی
فراست میں رشکِ فلاطون و لقمان
طبیعت میں کانِ سخا جانِ معنی
مرے حال پر جو عنایت ہے اب تک
وہ مشہورِ عالم ہوئی ہے کہانی
سراسر کرم ہے یہ شاہِ دکن کا
بھلا کیا ہوں میں اور کیا میری ہستی
سلاطینِ عالم سے کیا مجھ کو مطلب
کسی سے غرض ہے، نہ پروا کسی کی
نہیں ہفت اقلیم سے کچھ تمنّا
کہ اپنے لیے ہے یہ سرکارِ عالی
ہوئی ابتدا سے وطن ہی میں حاصل
نمک خواریِ شاہِ جم جاہِ دہلی
پسِ غدر تھا رام پور اپنا مسکن
مری قدر کی سب نے لیکن نہ ایسی
یہاں مجھ کو بختِ رسا کیوں نہ لاتا
اب و جد ہوئے سب رئیس و سپاہی
ملا بادشہ قدردانِ ہنرور
بگڑ کر بنی ہے یہ قسمت کی خوبی
سعادت کا ہو اپنے طالع کو مژدہ
مبارک ہو بختِ رسا کو ترقی
یہی آرزو ہے، یہی ہے تمنّا
کوئی کام انجام ہو حسبِ مرضی

ادا ہو نہ حقِ نمک جب بھی ہرگز
تصدّق ہو سو جان سے گر یہ فدوی

کرم پر کرم ہے ، عطا پر عطا ہے
یوں ہی یا الٰہی ! رہے لطفِ شاہی

نمک خوار کی پرورش ہر طرح ہے
زہے دل نوازی ، زہے سرفرازی

گھڑی جب ملی مجھ کو میں نے یہ جانا
مرے بخت کی ساعتِ نیک آئی

ستاروں سے روشن وہ ہیرے جڑے ہیں
کہ خورشید کی آنکھ بھی جن سے جھپکی

لکھو اس گھڑی داغ تاریخ زیبا
مرصّع منوّر گھڑی شاہ نے دی

۱۳۱۱ھ

تاریخ عطیہ توڑا طلائی از حضور پرنور دام اقبالہم

عطیاتِ پیہم کا کیا شکر ہو
کہ فدوی کو کیا کیا عنایت ہوا

بدیہہ کہو داغ تاریخ تم
یہ سونے کا توڑا عنایت ہوا

۱۳۱۲ھ

تاریخ عطیہ تیغ آبدار از اعلیٰ حضرت دام اقبالہم

تیز ہیں تیز نگاہوں سے بھی ان کی دھاریں
یہ وہ تلواریں ہیں زخموں کا نہیں جن کے علاج

گھاٹ دونوں کے خوش اسلوب ہیں دونوں یکتا
جوہر و آب کی یہ شکل کہ بحرِ مواج
مغربی اور جنوبی ہیں یہ دونوں بے مثل
سربسر ہیں سرِ بدخواہ الٰہی کے محتاج
تیرے قبضے میں ہے تاریخ عطائے شاہی
لکھ دے اے داغ عنایت ہوئیں تلواریں آج

۱۳۱۲ھ

تاریخ اضافۂ تنخواہ خود

ہوگیا میرا اضافہ آج دونے سے سوا
یہ کرم اللہ کا ہے ، یہ عنایت شاہ کی
اس ترقی کی کہو اے داغ یہ تاریخ تم
ابتدا سے اپنی ساڑھے پان سو نقدی پڑی

۱۳۱۲ھ

تاریخ شرف حضوری دربار حضور نظام دام ملکہم

قدم بوس حضرت کا حاصل ہوا
بڑے شوق سے اور ارمان سے
حضوری کی تاریخ پوچھیں اگر
یہ کہہ دو ملے داغ سلطان سے

۱۳۰۵ھ

قطعۂ تاریخ طبع جلوۂ داغ یعنی سوانح عمری خود

زندگی کے مرے احسن نے سوانح لکھے
عمر کے باغ کا یہ آنکھ سے جلوہ دیکھو

داغ نے مصرعِ تاریخ کہا برجستہ
جلوۂ داغ کا یہ آنکھ سے جلوہ دیکھو

۱۳۱۰ھ

قطعہ تاریخ سال گرہ حضور نظام دکن (ناتمام)

بالیدگی نشاط کو ایسی ہے آج کل
بارش میں جس طرح کہ زراعت کو ہو نمو
دن رات ہے یہ داغِ نمک خوار کی دعا
خوش حال خیرخواہ ہوں بدحال ہوں عدو
کیا شاندار مصرعِ تاریخ ہے یہ داغ
پینتیسویں ہے سال گرہ جشن شانہ

۱۳۱۸ھ

تاریخ شکار کردن اعلیٰ حضرت خلداللہ ملکہ

بال بالدھا ہے نشانہ شہ کا
ایسی بندوق سے کیا بچ کر جائے
داغ نے سن کے کہی ہے تاریخ
ایک زخمی سا گیا دو شیر آئے

۱۳۱۱ھ

تاریخ طبع "لطیفات ضیا" مولفہ مرزا حافظ منیر الدین صاحب ضیا دہلوی

کتاب اچھی لکھی جناب ضیا نے
زہے محنت بے حد و سعیِ موفور
جو پوچھے کوئی داغ تاریخِ اتمام
یہ کہہ دو پسندیدہ تصحیح دستور

۱۳۲۱ھ

تاریخ انتقال محبوب خاں صاحب مرحوم

در عہد برنائی کشیدہ رخت رحلت از جہاں
حامد تخلص* داشت آں فرزانہ عالی خانداں
پرسید چوں سال وفات از ہاتف غیبی ہمیں
در گوش داغ آمد ندا شد در جناں محبوب خاں

۱۳۲۱ھ

تاریخ طبع "خمکدۂ خیال" دیوان احسان شاہجہانپوری

کان معنی جان مضمون حسن عشق و حسن عشق
ہے عجب دیوان کیا کہنا ہے اس دیوان کا
خوب لکھی داغ نے تاریخ سن کر یہ سلام
گوش اہل عشق پر احسان ہے یہ احسان کا

۱۳۱۰ھ

تاریخ وفات حسرت آیات یگانۂ روزگار فرد فرید امیر الشعرا جناب منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی مرحوم

وائے ویلا چل بسا دنیا سے وہ
جو مرا ہم فن تھا میرا ہم صفیر
مصطفےٰ آباد سے آیا دکن
یہ سفر تھا اس مسافر کا اخیر
کیا کہوں کیا کیا ہوئیں بیماریاں
کیا لکھوں تفصیل امراض کثیر
مبتلائے حدت صفرا و تپ
مورد آزار اسہال و زحیر

گو بظاہر تھا امیر احمد لقب
در حقیقت باطناً پایا فقیر
شاہ مینا سے ہے نسلی سلسلہ
شاعری میں خاص تلمیذِ امیر
ہے دعا بھی داغ کی تاریخ بھی
قصرِ عالی پائے جنت میں امیر

۱۳۱۸ھ

ایضاً

چل بسے داغ کے بہت احباب
رات دن جن کے غم میں ہے دلگیر
آج اس غم کی یہ کہی تاریخ
اب ہوا آہ ! دل پہ داغ امیر

۱۳۱۸ھ

ایضاً

کر گئے رحلت امیر احمد امیر
اب نشاطِ زندگی جاتا رہا
مل گئی تاریخ ، دل سے داغ کے
آہ لطفِ شاعری جاتا رہا

۱۳۱۷ + ۱ = ۱۳۱۸ھ

تاریخِ تالیف رسالہ مثلث مثلاً مولفہ خاکسار احسن مارہروی

ایسی محنت کی داد دیتا ہوا
مرحبا احسنِ خجستہ خصال

مثلیں خوب جمع کیں تم نے
نظم اُن کو کیا ہے حسب الحال
گرچہ ہے یہ مفید سب کو مگر
پائیں گے منفعت سوا اطفال
لکھ دو اے داغ مصرع تاریخ
یہ بنا ہے خزینۃ الامثال
۱۳۱۸ھ

تاریخ اجرائے اخبار پنجۂ فولاد لاہور، حسبِ فرمائش
منشی محمد الدین صاحب فوق ایڈیٹر

ہوا ہے پنجۂ فولاد جاری
خریدارو! نیا اخبار دیکھو
جنابِ فوق کی گلکاریوں سے
ہوا اخبار یہ گلزار، دیکھو
نئی خبریں بہت سچی ملیں گی
جو ہو کر طالبِ دیدار دیکھو
نظر چڑھ جائے گر اہلِ نظر کی
پھر اس کی گرمیِ بازار دیکھو
یہی پرچہ تو پرچاتا ہے دل کو
نہ ہوگا اس سے دل بیزار دیکھو
اٹھاؤ رکھ کے سو سو بار اس کو
اگر دیکھو تو سو سو بار دیکھو
سنادو مصرعِ تاریخ اے داغ
یہ لو اخبار جوہر دار دیکھو
۱۳۱۹ھ

تاریخ انتقال بوٹا پہلوان پنجابی حسب فرمائش ایڈیٹر پنجہ فولاد

وہ دلادر اور وہ شہ زور دلیا سے گیا
جس کی شہ زوری سے تھا شیر نیستاں منفعل
داغ نے یہ مصرع تاریخ برجستہ کہا
رستم ہند آہ بوٹا پہلوان دیو دل

۱۳۲۲ھ

تاریخ طبع دیوان اول جناب سید ظہیرالدین حسین صاحب ظہیر دہلوی

ہوئی شہرت کلام خوش بیاں کی
سنی ہم نے نوید جاں فزا اب
لکھا ہے داغ نے یہ مصرع سال
ظہیرالدین کا دیواں چھپا اب

۱۳۱۶ھ

تاریخ طبع دیوان جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب راسخ دہلوی

کہا دیوان اور اچھا کہا وہ
غنیمت ہے غنیمت ہے یہ شاعر
کہی ہے داغ نے تاریخ اتمام
کلام مولوی راسخ ہے نادر

۱۳۱۴ھ

تاریخ طبع دیوان سید محمد اختر صاحب اختر نگینوی شاگرد مصنف

کرشمہ طبع روشن نے دکھایا
دیکھ کراں کو خوش ہوں خاص و عام[۱]
کہا ہے داغ نے یہ سال اس کا
زہے جادو چھپا دیوان اختر

۱۳۱۹ھ

---

۱ - یہ مصرع اصل میں اسی طرح چھپا ہے -

تاریخ طبع دیوان موج نسیم مصنفہ مولوی سید نذیر احسن صاحب نسیم پلسوی عظیم آبادی شاگرد مصنف

چھپ گیا ہے نسیم کا دیوان
دیکھ کر اس کو خوش ہوں خاص و عام
داغ سے سن کے مصرعِ تاریخ
چاہو موجِ نسیم باغ کلام

۱۳۱۸ھ

تاریخ طبع دیوان عالی جناب معلی القاب بابو سید سعادت علی خان صاحب والیِ ریاست پیغمبرپور ضلع دربھنگا شاگردِ مصنف

کلام ایسا چھپا ہے دیکھیے حضرت سعادت کا
سخن کے قدردانوں پر یہ احسانِ سعادت ہے
یہ وہ جانِ سخن سب جس کو جانِ عشق کہتے ہیں
یہ وہ شانِ سخن جس سے عیاں شانِ سعادت ہے
زباں نے گل فشانی کی ہے ہر ہر شعر میں کیا کیا
سخن سے یہ پھلا پھولا گلستانِ سعادت ہے
مبارک باد باہم پتلیاں آنکھوں کو دیتی ہیں
یہ وہ دیواں ہے جس میں جمع سامانِ سعادت ہے
کہا یہ مصرع تاریخ دیکھو داغ نے کیسا
مبارک انجمن افروز دیوانِ سعادت ہے

۱۳۲۲ھ

تاریخ طبع دیوان صنم خانہ عشق حضرت امیر مینائی مغفور

واہ کیا دیواں کہا ہے لاجواب
ابتدا سے انتہا تک بے نظیر

شوخیِ الفاظ ہے یا برقِ شوخ
بارشِ مضموں ہے یا ابرِ مطیر
لفظ، مصرع، بیت سب جادو بھرے
دل فریب و دلستاں و دل پزیر
ہر نکیلا شعر دل میں چبھ گیا
اس سے بڑھ کر کوئی کیا مارے گا تیر
یہ سخن ہے لایقِ بزمِ سخن
یہ سخن ہے قابلِ شاہ و وزیر
یہ کلام! ایسا کلام! ایسا کلام!
ہے نشانِ مصحفی شانِ اسیر
محو ہو جاتے جو اس کو دیکھتے
ناسخ و آتش تو کیا مرزا و میر
فیض لیں اس سے فغانی و فغاں
داد دیں اس کی ظہیرا و ظہیر
مستند کیونکر نہ ہو ایسا کلام
جو کہا گویا ہے پتھر کی لکیر
بھاگنے کی راہ ڈھونڈیں عیب جو
اپنا اپنا کان پکڑیں حرف گیر
آج ہے یہ طوطیِ معجز بیاں
بلبلِ ہندوستاں کا ہم صفیر
ایسا اُستادِ زمانہ پھر کہاں
زندہ رکھے تو اس کو یا ربِ قدیر
ہے یہی اے داغ اس کا سالِ طبع
کہہ دے تو زیبا خیالاتِ اسیر
۱۳۱۲ھ

ایضاً

این گنجِ سخن سے تاقیامت
محروم نہ ہوں گے طالبِ فیض
یہ داغؔ نے سالِ طبع لکھا
دیوانِ امیر صاحبِ فیض
۱۳۲۳ھ

قطعۂ تاریخ سالگرہ حضور نظام دکن خلداللہ ملکہ

اے شاہ دیں پناہ ترے عہد میں نہ کیوں
حج و زکوٰۃ و کلمہ و روزہ نماز ہو
شاہا یہ تیری ذاتِ خجستہ صفات ہے
زیبا ہے اہلِ ملک کو جو فخر و ناز ہو
آباد کیوں نہ ملک ہو مخلوق کیوں نہ شاد
جب تجھ سا بادشاہ رعیّت نواز ہو
آصف کے عہدِ عدل میں ممکن نہیں کبھی
آمادۂ فساد کوئی فتنہ ساز ہو
بدخواہ و نیک خواہ کی حالت یہی رہے
یہ سرنگوں ہمیشہ ہو ، وہ سرفراز ہو
گزرے تمام عمر نشاط و خوشی کے ساتھ
دل پر ترے ہمیشہ درِ عیش باز ہو
دونوں جہاں میں کام بنیں حسب مدّعا
ہر دم معین کار ترا کارساز ہو
کیونکر نہ نیک و بد سے زمانے کے ہو خبر
اچھے برے میں جبکہ تجھے امتیاز ہو

لکھتی ہے یہ دعائیہ تاریخ داغ نے
سینتیسویں ہے سالگرہ سن دراز ہو

۱۳۲۰ھ

تاریخ انتقال محمد عبداللہ خاں مرحوم ساکن کرنال

ایزد غفار آمرزش کند
مرد لائق شخص فائق بود آں
مصرع تاریخ رحلت گفت داغ
آہ شد از دہر عبداللہ خاں

۱۳۲۰ھ

تاریخ شکار حضور نظام

رستم دوراں نظام الملک سلطان دکن
نام نامی فتح جنگ اس کا کیا اللہ نے
داغ اس شیر افگنی کا مصرع تاریخ لکھ
آپ مارا شیر اچھا شاہ آصف جاہ نے

۱۳۱۱ھ

تاریخ تسمیہ خوانی شاہزادۂ حضور نظام

تسمیہ خوانی ہوئی ہے شاہزادے کی جو آج
بادشہ کے ساتھ یا اللہ مبارک سب کو ہو
داغ نے یہ مصرع تاریخ برجستہ کہا
چھوٹے شہزادے کی بسم اللہ مبارک سب کو ہو

۱۳۱۱ھ

تاریخ سالگرہ حضور نظام

حضرت کی جو ہے سالگرہ کی شادی
عالم کو غم و رنج سے ہے آزادی
اے داغ چلو تم بھی پڑھو یہ تاریخ
دو آج نظام کو مبارک بادی

۱۳۱۱ھ

تاریخ ختم سیپارہ شہزادۂ حضور نظام

یہ ہوئی ہدیۂ سی پارہ کی شادی ایسی
جس سے لوگوں کو ہزاروں کا بٹا ہے انعام
نذر کر مصرع تاریخ یہ کہہ کر اے داغ
کیا شہرادہ فلک جاہ نے سی پارہ تمام

۱۳۱۱ھ

تاریخ ختنہ حضور ولیعہد حضور نظام

یہ شادی مبارک ہو مسعود ہو
ادا ہوگئی سنّت مصطفا
یہ برجستہ لکھ داغ مصراع حال
ولی عہد صاحب کا ختنہ ہوا

۱۳۱۱ھ

قطعۂ تاریخ ناتمام بہ تہنیت عید قرباں برائے حضور نظام

نہیں ہے آنکھ کی پتلی کو تاب نظّارہ
اسی لحاظ سے چلمن نئی ہے مژگاں بھی
کہا ہے داغ نے کیا خوب مصرع تاریخ
نصیب شاہ کے قرباں ہے عید قرباں بھی

۱۳۱۰ھ

ناتمام تاریخ انتقال محمد حسن خاں مرحوم

سرِ لفظ جنّت سے تاریخ سن لو
محمد حسن خاں نے فردوس دیکھا

۱۳۱۱ + ۳ = ۱۳۱۴

ناتمام تاریخ طبع واسوخت نامعلوم

یہ لکھی داغ نے تاریخ اس کی
جلے دل کا بھی ہے دمساز واسوخت

۱۳۱۵ھ

اشعارِ متفرقات

قطعاتِ تاریخی جو "فصیح اللغات" کی سند کے لیے اصل مسودۂ یادگارِ داغ سے انتخاب کر لیے تھے

کیا آج کے دن ہے شہِ محبوب کی بخشش
اس جود و سخاوت کا تو حاتم بھی ہے محتاج
دارا سے جو انکار کیا تھا تو بجا تھا
اس عہد میں دیتا ہے سکندر بھی اسے باج
یہ ملک دکن تا بقیامت رہے قائم
محبوب علی خانِ نظام اس میں کرے راج

شیروں کا بن تھا جنگل ، جنگل میں اب ہے منگل
بھر دی شکار کر کے کیا صید گاہ دیکھو
شیرِ خدا ہے حامی سلطانِ شیر دل کا
کس کی پناہ میں ہے اُس کی پناہ دیکھو

شاہِ عادل شاہِ باذل مہربان و قہرمان
بر محل ہے لطف اس کا بر محل ہے اُس کا قہر
کیا دکن کیا ہند دونوں کی ہے خلقت فیض یاب
شاہ آصف جاہ کے دم سے ہے ساری لہر بہر

یہ باغِ سخن ہے وہ فرح بخش
پہنچی ہے مشامِ جاں میں نکہت
کیا کیا ہے ترقیِ مضامین
کہتے ہیں اسی کو بڑھتی دولت

پھولا رہے شاہی کا چمن عید مبارک
اے شاہِ دکن شاہِ زمن عید مبارک
اس وقت مسافر بھی پکاریں بہ دل آمین
جب دل سے کہیں اہلِ وطن عید مبارک

کہتا ہے عطارد بھی یہی اے شہِ خاور
با یمن و شرف شوکتِ نوروز مبارک
نوروز کا جو سرخ لباس اب کے برس ہے
اس رنگ سے یہ زیبِ نوروز مبارک

اقتدار اُس کا سبھی ملک پہ ہے
غیر ملکی بھی ہے خوش دل خرّم

برسے جو ترا سحابِ بخشش
لبریز ہوں کوہ اور ہاموں

تن بدخواہ کو بے شک ڈسے گا
سوارِ مار ہے اس سال نوروز

وہ بہادر ہے رستمِ دوراں
اسدِ چرخ جس سے کانپ اٹھا
سینے پر آتے ہی چلی بندوق
کر لیا ہے شکار جلدی کیا

شیر افگن ہے شاہ آصف جاہ
کیفیت اس شکار کی سن لو

شجاعت سی شجاعت ہے، دلیری سی دلیری ہے
وہ اب آصف میں دیکھا جو تہوّر تھا تہمتن میں

ہوئے جس دم سوار آصف جاہ
نہ لگی صیدگاہ میں کچھ دیر

نظام دکن نے بہت شیر مارے
کہ اس بن میں آ کر شکار آپ کھیلا

یہاں ایک تالاب پاکھال کا ہے
فقط نام سنتے تھے اب آ کے دیکھا

چھپا اس کی شہرت سے آبِ بقا بھی
اسے دیکھ کر چشمۂ مہر سوکھا

رہا کچھ اگر دور یہ آبِ شیریں
تو ساحل بھی لب اپنے چاٹا کرے گا

نہ جانے کوئی کوہ اس کو یہ جانے
جہاز اس میں ہے قدرتی آ کے ٹھہرا

کنارے پہ تالاب کے کنٹرولر سے
ہوئی نصب جب بارگاہ معلی
دو رویہ ستادہ ہوئے سب کے خیمے
شریک آن میں داغ غمخوار بھی تھا
ہر اک اس کا مصرع ہے تاریخ دیکھو
یہ مطلع زبان پر مرے دل سے آیا

شہ محبوب آصف جاہ کا عہد
غنیمت ہے نہیں حاجت بیان کی

دامن ابر گہربار سے ہے ہم پلہ
دامن باغ سے ہے دست و گریباں سہرا
رحمت عام کا ہو دولہا دلھن کو یہ شگون
گوندھا ہے پڑھ کے مگر سورۂ رحمان سہرا

ہو مبارک تجھے نوشاہ حمید اللہ خاں
یہ دل آویز سجاوٹ کا ، پھبن کا سہرا
چارچاند اس کو لگائے ہیں اسی جلوے سے
رخ نوشاہ سے تھا ایسی پھبن کا سہرا
کیا مضامیں ہیں کہ موتی کی گندھی ہیں لڑیاں
کیا مسلسل یہ بنا تار سخن کا سہرا

خوشی سے یہ کہتے ہیں سارے براتی
بنائیں ہم اپنی رگ جان کا سہرا
وہ گاتا بھاتا رجھاتا لبھاتا
سماں باندھتا ہے خوش الحان کا سہرا

سعادت لگی ہے جو دامن سے شہ کے
نہیں چھوڑتا گوشہ داماں کا سہرا

جھوک سے بارِ جواہر کے گرا پڑتا ہے
کیوں نہ لیتا سرِ گوشہ سے سہارا سہرا

یہ شادیانہ دیتی ہے زہرہ بھی چرخ پر
شہزادہ ہونہار مبارک ہو بادشاہ
ہردم عروسِ دہر کا دیکھا کرے بناؤ
اس کا تجھے سنگھار مبارک ہو بادشاہ

یہ وہ کلامِ متیں ہے یہ وہ بیانِ فصیح
نہ کیوں کر اس پہ جمے اعتقادِ اہلِ ہند
سخن ورانِ زمانہ ہیں متفق قائل
بالاتفاق اسی پر ہے صادِ اہلِ ہند

دریا کو گہر، لعل بدخشاں کو مبارک
آصف کی عطا داغِ ثناخواں کو مبارک
اس رسم کا اس جشن کا یہ مژدہ ہے جاں بخش
اب جان پڑی ہو، تنِ بے جاں کو مبارک
ہم دیکھتے ہیں شاہ کا اپنے رخِ پرنور
وہ چاندنی اپنی مہِ تاباں کو مبارک
یہ مسند شاہی شہ آصف کو ہے فرخ
وہ تخت سلیماں کا سلیماں کو مبارک
اللہ رے یہ اوج، یہ رفعت، یہ بلندی
ہو شمس کا شمسہ ترے ایواں کو مبارک

گر اوج بھی پائے رہے بدیمن بلراجتر
رفعت نہ ہوئی کوکبِ کیواں کو مبارک
اشعار مرے شاہِ سخن داں کو ہیں مطبوع
بلبل کا چہکنا گلِ خنداں کو مبارک

کماں بنائی وہ مہد وزیر خادم نے
کہ اس کماں کی قوس فلک جواب نہیں

زہے احمد حسین فاضل دہر
فتاویٰ جس نے لکھا ہے بہ حنت

اے داغ تو بھی نشۂ صہبا میں ڈوب کر
وہ شعرِ تر سنا جو رہیں یادگارِ عید
باہم ہوں جس طرح سے بغلگیر مسلمیں
اس طرح ہیں نشاط و طرب ہم کنار عید
تیرِ قضا کا طائرِ غم بھی نشانہ ہے
آیا ہے دامِ شوقِ دل میں شکار عید
پرتو فگن ہے نیّرِ اقبالِ بادشاہ
چمکا ہے روزگار سبب گیا روزگارِ عید

وزیر سلطنت آئے، امیر مملکت آئے
ہر اک آداب کہ ہر باادبؔ مجرا بجا لایا
گورنر کا خریطہ جب دیا صاحب بہادر نے
عمادالملک نے آپ کو سنا اوروں کو سنوایا
مضامین محبت سے خوشی ایسی ہوئی ظاہر
سرورِ عشرت وبہجت ہراک کے قلب پر چھایا

ہوئی اقبال دولہ کو وزارت
باستقلال ، یہ ہے لطفِ سلطان

اے سامعہ ہو تجھے مبارک
یہ مژدۂ جاں نواز پہنچا
ہیں کوکبؔ و مہر و ماہ سب ماند
اس چاند کا ہے فروغ ایسا

قطعہ جو وقتِ ملاقات ایڈیٹر اخبار البشیر وغیرہ برجستہ کہا گیا

مجھ کو مہِ صیام میں ہے عید کی خوشی
ملنے کو میرے آئے ہیں اصحابِ باوقار
یہ داغ کی دعا ہے کہ چاروں سرے حبیب
اپنی مراد پائیں بحقِ چہار یار

★ ★ ★

رباعیات

مجھ سے جو ملا آج وہ رشکِ خورشید
چمکی مری تقدیر، بر آئی امید
میں خوش مرے احباب بھی خوش ہیں اے داغ
سچ کہتے ہیں گھر عید تو باہر بھی عید

اچھے برے مل جاتے ہیں بازاری آم
اب تو نظر آتے ہیں یہ دشواری آم
مرغوب و دل پسند و الذ اے داغ
سنتا ہوں کہ باغوں میں ہیں سرکاری آم

کیا بات ہے کیا گھات ہے اللہ رے شریر
سوجھی ہے نئی طرح کی تجھ کو تدبیر
کب دیکھنے والوں پہ کھلا دل کا حال
کھچوائی ہے کیا سینہ چھپا کر تصویر

وہ ضعف ہے دم سے نہیں نکلا جاتا
دنیا سے بھی اب تو نہیں اٹھا جاتا
گھر میں تو بہت طاق ہیں لیکن اے داغ
روزہ کہیں ہم سے نہیں رکھا جاتا

اللہ کرے شاد رہے اپنا شاہ
محبوب علی خان نظام آصف جاہ
ملتا ہے وظیفہ تو وظیفہ یہ ہے
گھر بیٹھے کیا کرتا ہوں اللہ اللہ

اس پانچ برس میں ہوئی ہر فصل تمـــام
لیکن نہ ہوا داغ کبھی شیریں کام
کولین میں بے مثل یہ دو میوے ہیں
فردوس کے سیب ، حیدر آباد کے آم

روکی ہے مددگار نے میری تنخواہ
گزرے ہیں سہ ماہی کی طرح یہ سہ ماہ
حضرت کا ہو یہ حکم بھلا کس کو یقیں
لاحول ولا قـــوۃ الا بـــاللہ

★ ★ ★

چند فارسی اشعار

مصنفہ حضرت استادی مغفور

کہ از مسودۂ پارینہ نقلش برداشتم

یافت ایں رتبہ وفاے من و تو
کہ رقیب الد فداے من و تو
شہرہ در عاشقی و معشوقی
در جہاں کیست سواے من و تو
آفریدند چو از عشق و جمال
حصہ گردید براے من و تو
دیگر آرم ز کجا داد گرے
کہ یکے ہست خداے من و تو
بہر تمثیل محبت بنگر
لب تراشید بجاے من و تو

عجب انداز وقت مرگِ من آں رشک مہ دارد
تبسّم زیرِ لبؔ داردؔ ، تاسف در نگہ دارد

با من شریک حال بشادی و غم شوی
تنہا نہ خندہؔ خوب ، نہ تنہا گریستن

شرارت خانہ زادستش ، تغافل زیر دستستش
بکارِ خویشتن ہشیار یارب چشمِ مستستش

ترا بایں ستم و کینہ و دل آزاری
چو باک نیست ز روزِ جزا ، جزاک اللہ !

ایں سزا نیست سزاوار چنیں جرم خفیف
محتسب بر سر بے کش خم صہبا دارد

در فراقت دل اگر یکالہ باشد باک نیست
صورت من از ہیولا می‌شود اکثر جدا

وہم دارد کایں مبادا با کسے شوخی کند
زود تر تصویر خود بنماید و مخفی کند

نہ قسم بادہ نہ مقدار نشہ می دانم
مئے طہور برائے فرشتگاں باشد

من و بزم حریفاں جائے رشک است
تواضع ہائے دشمن دل نشیں شد

دل پرداغ می آرم ز کعبہ
چراغ راہ بت خانہ نباشد

لذت عشق ہمی دہی یارب
فرصت زندگی نمی بخشی

دوست از داغ وفادار چہ نفرت دارد
خانۂ داغ بفہمید و دل دشمن سوخت

★ ★ ★

قطعاتِ تاریخ طبع دیوان ہذا

از نتیجۂ فکر سخن‌ور بے نظیر صدر نشین شعرائے مشاہیر
عالی جناب مولوی سید محمد نوح صاحب شہیر ، تعلقہ دار
مچھلی شہر ، تلمیذِ رشید و یادگارِ حضرت منیر

فقرۂ تاریخی

دیوان یادگارِ داغ چھپا

۱۳۲۳ھ

قطعہ

حاجیِ نواب مرزا خانِ داغِ دہلوی
وہ جہاں اُستاد ، شاگردوں میں جس کے بادشاہ

شاعرِ نامی دبیر الدولہ ناظم یار جنگ
بلبلِ ہند و فصیح الملک تھے بے اشتباہ

ہم‌صفیرِ مرغِ سدرہ ہوگئے فردوس میں
اُن سے خالی ہے زمانہ وہ نہیں ہیں آہ آہ !

تین دیوان اُن کے پہلے چھپ کے شائع ہوچکے
شاہدِ مضموں کا جن میں سے ہے ہر اک جلوہ‌گاہ

دیکھیے گلزار میں لطفِ بہارِ بے خزاں
سیر ہوتی ہی نہیں ہے سیر سے جس کی نگاہ

نورِ معنی سے بھرے ہیں آفتاب و ماہتاب
ہیں سپہر و آسمانِ شاعری کے مہر و ماہ

اور باقی رہ گیا تھا اس طرف کا جو کلام
اس کی بھی تدوین اب احسن نے کی شکر اللہ

جو جہاں اُستاد کے شاگردوں میں ممتاز ہیں
خالدانی جن کو حاصل ہے وقار و عزّ و جاہ
خرد وہ میرے ہیں میں تعریف اُن کی کیا کروں
جوہرِ قابل ہے خود اُن کی لیاقت کا گواہ
بہر سالِ طبع حالِ واقعی کہہ دو شہیر
داغ کا دیوان اب چھپوا دیا احسن نے واہ

۱۳۲۳ھ

ایضاً در سنہ عیسوی

سعیِ احسن کیوں نہ ہو مشکور با وجہِ حسن
اس طرح کا منطبع ہو جب کلامِ جاں فزا
فضلِ خالق سے بر آئی آرزوے اہلِ دید
شائقانِ منتظر کا مدّعا پورا ہوا
حبّذا اے احسن شیریں زباں فرخندہ خو
حقِ شاگردی کیا اُستاد کا اپنے ادا
عیسوی تاریخ چھپنے کی کہی میں نے شہیر
شکر ہے یہ داغ کا دیوانِ چارم اب چھپا

۱۹۰۵ع

ایضاً در فارسی

گلزار و آفتاب و مہتاب داغ
مطبوع شدند قبل ازیں دیوان سہ
تدوینِ باقیات احسن بنمود
ممنونِ او شدند از کہ تا مہہ

تحریر شہیر کرد سال طبعش
نقشے ست چہارمیں اس زیبا و بہ
۱۳ ۵ ۲۲

از جناب امام المورخین حضرت مولوی حافظ سید عبدالجلیل صاحب جلیل مارہروی لازالت شموس افضالہم

کرد دیوان داغ احسن جمع
ہر غزل در شگفتگی ست چو باغ
عاجلانہ جلیل تاریخش
گفت ''دیوان دلربائے داغ''
۱۳۲۲ھ

از نتیجۂ فکر شاعر بامذاق، سخن‌ور ذی ہنر منشی سید انور علی صاحب انور متوسل ریاست بھوپال تلمیذ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ

دیکھے تو سہی حضرت استاد کا دیوان
وہ سعدی اعجاز بیاں آج کہاں ہے
کھل جائے یہ اس پر بھی کہ وہ ہے جو پیمبر
دنیائے سخن کا یہ خداوند جہاں ہے
لاریب! کہ یکتا ہے یہ ہستی و عدم میں
ہاں داغ کا ثانی نہ یہاں تھا نہ وہاں ہے
دیوان ہے یا محمل لیلائے فصاحت
دیوان ہے یا یوسف معنیٰ کا مکاں ہے
دیوان ہے یا جلوہ گہ شاہد مضمون
دیوان ہے یا مسکن دلدار رواں ہے
آرام یہ دل کا ہے تو یہ جان کا ہے چین
جان و دل عشاق ہے جان دل و جاں ہے

کبھی جیسے اعجازِ سخن ور، یہ سخن ہے
کبھی جیسے اک سحر مؤثر یہ بیاں ہے
رنگینیِ مضموں سے ہر اک صفحۂ دیواں
غیرت دہِ صد تختۂ گلزارِ جناں ہے
کیا بیتوں کی موجیں بھی دکھاتی ہیں تماشا
اک صاف مضامین کا دریائے رواں ہے
ہر مصرعِ دل کش ہے قدِ یار سے بڑھ کر
جو لفظ ہے وہ رشکِ بناگوشِ بتاں ہے
ہر حرف صفائی میں ہے رشکِ دُرِ دنداں
اور خالِ رخِ حور کا نقطے پہ گماں ہے
دیوانِ چہارم کا سنِ طبع تم انور
لکھ دو ''یہ گلِ باغِ معانی و بیاں ہے''
۱۳۲۲ھ

از نتیجۂ افکار گہربار جناب نواب سید سعادت علی خاں صاحب والیِ ریاست پیغمبر پور ضلع دربھنگا تلمیذِ حضرت مصنف مغفور

حضرتِ داغ وہ تھے جن سے ہوئی
محکم ایوانِ سخن کی تاسیس
ہے کلام اُن کا فصیح اور بلیغ
اُن کے اشعار ہیں دلچسپ و سلیس
درد آمیز وہ ہیں داغ کے شعر
دل میں اٹھتی ہے جنھیں سنتے ہی ٹیس
اُن سا پیدا نہ ہوا اور نہ ہوگا
ہے کسی کو عبث اُستاد کی ریس

سعیِ احسن سے چھپا وہ دیوان
جس کے شائق تھے تلامیذ و انیس
سالِ تاریخ سعادت نے کہا
یہ چھپا داغ کا دیوان نفیس
۱۳۲۳ھ

از نتیجۂ فکر وقاد سخنور با کمال جناب مرزا وقار الاعظم صاحبزادہ
مشرف یار خاں صاحب شرف ، سب جج ریاست جاورہ
شاگردِ قدیم حضرتِ مصنف

لکھا ہے یہ احسن نے تاریخ بھیجو
کہ آیا ہے دورِ ایاغِ چہارم
خدائے سخن کا یہ آخر سخن ہے
شرف کہہ دو "دیوانِ باغ چہارم"
۱۳۲۳ھ

ایضاً

حضرتِ داغ کا کلامِ فصیح
گوہرِ آبدار ہے گویا
نظم رنگیں کہاں نصیب ایسی
شاعری کی بہار ہے گویا
جس کا ہر شعر جس کا ہر مصرع
قدِ موزونِ یار ہے گویا
علم اردو کی ہوگئی عزت
داغ سے افتخار ہے گویا
سن و تاریخ یادگار داغ
داغ کی یادگار ہے گویا
۱۳۲۳ھ

از نتیجۂ طبع سلیم جناب مولوی سید نذیر احسن صاحب نسیم پلسوی پرائیویٹ سیکرٹری والیِ ریاست پیغمبر پور، شاگرد حضرت مصنف

مرے بھائی احسن نے لاہور سے
یہ لکھا ہے چھپتا ہے دیوانِ داغ
کہوں کیا زمانے کے افکار سے
نہیں مجھ کو ہرچند حاصل فراغ
مگر یہ خبر اور ایسی خبر
کہ سنتے ہی دل ہوگیا باغ باغ
یہ دفتر ہے روشن خیالات کا
یہ دیوان ہے بزمِ سخن کا چراغ
سرِ جوش سے سال لکھا نسیم
ہوا طبع دیوانِ عالی دماغ
۱۳۲۰+۳=۱۳۲۳ھ

از نتیجۂ فکر سخنورِ ذی لیاقت منشی وجاہت حسین صاحب وجاہت صدیقی جھنجھانوی شاگرد حضرت مصنف

داغ سے بڑھ کر ہوا دلی میں کون
یادگارِ حضرتِ ذوق و نصیر
مطلعِ دیوان ہے ایسا پُر ضیا
مہر و مہ ہوتے ہیں جس سے مستنیر
اس پہ شاعر ہیں فدا سو جان سے
یادگارِ داغ ہے کیا دل پذیر
ہے سخن میں واہ بھی اور آہ بھی
جلوہ گر ہے طرزِ مرزا رنگ میر

داغ تھا شاہنشہِ ملکِ سخن
زیب دیتا تھا اُسے تاج و سریر

یہ فصاحت یہ سلاست یہ زباں
اب نظر آتی نہیں اُس کی نظیر

بلبلِ ہندوستاں کا کون تھا
ہم زبان و ہم نوا و ہم صفیر

اس کی دلچسپی میں فرق آتا نہیں
دیکھ لو، پڑھ لو از اول تا اخیر

داغ کا ثانی نہ ہوگا اب کوئی
لاکھ سر مارا کرے یہ چرخِ پیر

کر گئی مجروح اُس کی گفتگو
اُس نے مارے ہیں زباں سے دل پر تیر

معترض ہو کر کلامِ داغ پر
اُلٹے شرمندہ ہوئے سب حرف گیر

نیچری وہ خود نہ تھا ہرگز، مگر
نیچرل ہیں اُس کے اشعارِ کثیر

کھینچ کر اُس نے مناظر کی شبیہ
کی ہے ظاہر قدرتِ ربِ قدیر

وہ کلامِ داغ کو دیکھیں ذرا
شاعری کو جو سمجھتے ہیں حقیر

داغ ہرگز تھا نہ شکمی کاشتکار
تھی زمینِ شاعری میں اُس کی سیر

خوب برسایا ہے مضمونوں کا مینہ
تھی طبیعت اُس کی یا ابرِ مطیر

ہوگئی پانی جو تھی پتھر زمیں
کیا حقیقت رکھتی ہے اب جوئے شیر
کی ہے ایسی درفشانی داغ نے
شاعروں میں اب نہیں کوئی فقیر
جو کہا ہے سچ کہا ہے داغ نے
جانتے ہیں خوب اسے روشن ضمیر
بات اس کی ٹل نہیں سکتی کبھی
مٹ نہیں سکتی ہے پتھر کی لکیر
اے وجاہت مصرعِ تاریخ لکھ
ہے یہ دیوان واہ وا کیا بے نظیر

۱۳۲۲ھ

ایضاً

چھپ گیا کوششِ احسن سے یہ چوتھا دیوان
چوگنا اس سے ہوا دہر میں نامِ استاد
جب ہوا طبع وجاہت نے کہا سالِ مسیح
حیف و صد حیف ہوا ختم کلامِ استاد

۱۹۰۵ء

از نتیجۂ فکر رشکِ فردوسی و انوری جناب مولانا سید امجد علی صاحب اشہری

تھے فصیح الملک داغ دہلوی فخرِ زماں
ناز کرتی اُن کے اندازِ سخن پر ہے زباں
زمزموں سے اُن کے گلزارِ سخن فردوس تھا
آپ کو زیبا تھا خطابِ بلبلِ ہندوستاں

شہریار حیدر آباد دکن شاگرد ہیں
ایسے تلمیذِ گرامی کس کو ملتے ہیں کہاں

دلربا ہے داغ کا ہر ایک طرزِ جاں فزا
جاں فزا ہے دل ربائی میں عجب حسنِ بیاں

ہیں تغزل سے عیاں معنی موضوع غزل
ہیں تکلم میں نہاں جو ہیں رموزِ این و ان

داغ کا نظمِ سخن میں روزمرہ صاف تھا
دخل کیا تعقید کا آئے سخن کے درمیاں

بحث میں اہلِ زباں کی آپ فرماتے ہیں وہ
یعنی اردو ہی نہیں وہ جو نہیں اپنی زباں

سادگی اُن کے تغزل کی ہے سہلِ ممتنع
ہوگئیں مشقِ سخن میں مشکلیں آسانیاں

میں دکن میں سن چکا ہوں اُن کے نغمے چند بار
آفریں حسنِ تکلم، مرحبا لطفِ بیاں

ملک میں تھے ہم نوا اُن کے امیر لکھنوی
آہ دونوں چل بسے، سونا ہوا ہندوستاں

ایک تکیے پر دھرے سر سوتے ہیں داغ و امیر
اب نہیں باقی کوئی اردو میں ایسا نکتہ داں

داغ کا مرنے پہ ان کے بعد جو ماتم ہوا
یہ قبولِ عام کی حجت ہے ان کے بے گماں

سینکڑوں شاگرد اُن کے سوگوارِ غم بنے
ہم نوا اُن کے جنازے پر ہوئے سب نوحہ خواں

عید کا دن موت نے تھا ان کی رحلت کو دیا
عید میں جلوہ محرم کا ہوا سب پر عیاں

نام کے ہیں سینکڑوں شاگرد اُن کے ملک میں
کام کے نکلے ہیں احسن حسن افزائے بیاں
غنچہٗ باغ محبت اُن کا جلوہ دیکھیے
جلوۂ داغ مؤدت تذکرے سے ہے عیاں
داغ کے اشعار جو اب تک نہیں شائع ہوئے
اُن کو احسن نے کیا شہرت دہ ہندوستاں
بات کہنا ہے بہت آساں گو دشوار ہو
کر دکھانا سہل مشکل ہے سخن میں بے گماں
تذکرے بھی دوستوں نے اُن کے لکھے تین چار
جس سے حب قلب کا ہر اک کے ملتا ہے نشاں
کام یہ احسن کا ہوا میں سب سے اچھا جانتا
اس سے آئندہ رہیں گے داغ روشن بے گماں
اشہری ، احسن کیا احسن ہے اس سے آشکار
ملک کو کانِ جواہر ہے یہ گنجِ شائگاں

از احقر التلامذہ خاکسار احسن مارہروی

ہے یوں تو عام طور سے ہر دوست غم زدہ
مخصوص شاعروں میں ہیں سب سوگوار داغ
برسوں جنھوں نے لذت دیدار پائی ہے
افسوس دیکھتی ہیں وہ آنکھیں مزارِ داغ
آغاز کی خبر ہے کسے ، کیا تھا وہ مگر
ہے لائق افتخار کے انجامِ کارِ داغ
موجودہ شاعری کا ہوا ہے چراغ گل
اردو زبانِ حال سے ہے سوگوارِ داغ

اُن کی بہار کیا ہے ؟ بہارِ سخن ہے وہ
مہکا ہوا ہے جس کے سبب مرغزارِ داغ

چوتھا چمن یہی آسی باغِ سخن کا ہے
افسردہ جس کے بعد ہوئی نوبہارِ داغ

گلزار و آفتاب کہ فریاد و ماہتاب
ہر ایک اپنے رنگ میں ہے لالہ زارِ داغ

لیکن ہے یادگار ہر اک سے علاحدہ
ہے یہ بہارِ خاتمۂ روزگارِ داغ

کس ذائقے سے پڑھتے ہیں شیریں دہن اسے
کیا بامزہ ہے ہر غزلِ خوش گوارِ داغ

اس کا ہر ایک شعر ہے دیوان کا جواب
تفصیل سے زیادہ ہے ہر اختصارِ داغ

شہبازِ فکر صیدِ مضامینِ پست سے
کیا کام رکھے جبکہ ہو عنقا شکارِ داغ

اب تک چھپا نہ تھا جو یہ دیوان کسی جگہ
مشتاق و منتظر تھے سبھی دوستدارِ داغ

احسن صلائے عام ہے تاریخ لکھ کے تم
کہہ دو کہ آؤ دیکھو یہ ہے ''یادگارِ داغ''

۱۳۲۳ھ

ایضاً فارسی

غفراں مآب حضرت داغ آں فصیح ملک
بخود در جہاں نماند مگر قصۂ نکو

اعقاب اگرچہ نیست ز اولاد صلبیش
لیکن ز نکرِ فکر بود یادگارِ او

باقی ست تا بعالمِ فانی نشانِ شعر
دارد بہارِ گلشنِ معنیش رنگ و بو
دیوانِ چارمیں کہ بود آخری کلام
چون الطباع یافتہ با سعی و جستجو
احسن بصد ملال و الم سالِ فصلیش
بنگاشتہ ''ہمین شدہ آخر کلامِ او''
۱۳۱۳ فصلی

★ ★ ★

انّ من الشعر لحکمۃ و ان من البیان لسحراً
الحمدللہ کہ کلام معجز نظام اعنی کلام فصاحت التیام

المسمّٰی

ضمیمۂ یادگار داغ[1]

از تصنیف

جہان استاد بلبل ہزار داستان مقرب الخاقان زمن استاد السلطان دکن فصیح الملک دبیرالدولہ ناظم یارجنگ نواب مرزا خاں صاحب داغ دہلوی

حسبِ فرمایش

سخن سنج والا نظر قدردان علم و ہنر لالہ سری رام صاحب ایم ۔ اے مؤلف تذکرۂ ہزار داستانٗ المعروف بہ خمخانۂ جاوید ، خلف الرشید آنریبل رائے بہادر مدن گوپال صاحب ایم ۔ اے بیرسٹر ایٹ لا رئیس دہلی و لاہور

باہتمام لالہ موتی رام منیجر

مطبع مفید عام لاہور میں طبع ہوا

قیمت : ۸ آنے

---

۱ ۔ خمخانۂ جاوید میں ضمیمۂ یادگار داغ کے سرورق کی عبارت ۔

غزلیات

ردیف الف

۱

ہر شکل میں تیرا رخِ نیکو نظر آیا
آئینہ بھی دیکھا تو مجھے تو نظر آیا

تسخیر کیا دل لبِ گویا نے تمہارے
کیا بات ہے اعجاز میں جادو نظر آیا

دل میرا بنا جب تو محبت تری آئی
آنکھیں ہوئیں پیدا تو مجھے تو نظر آیا

یہ حسن پرستی بھی عجب شے ہے الٰہی
دل ٹوٹ گیا جب کوئی خوش رو نظر آیا

جو عاشق و معشوق کے ہیں دیکھنے والے
یا میں نظر آیا انھیں یا تو نظر آیا

جس بات میں پہلو ہو وہی بات کریں ہم
پہلو میں وہ بیٹھے تو یہ پہلو نظر آیا

وہ گھر کو سدھارے تو قیامت ہوئی برپا
جب صبح کو خالی ہمیں پہلو نظر آیا

وہ محفلِ عشرت تھی کہ تھی مجلسِ ماتم
ہر آنکھ میں عشاق کی آنسو نظر آیا

قربان ہوئی جان مری قتل سے پہلے
ابھرا ہوا قاتل کا جو بازو نظر آیا

کیا ضبط نے گریے کے جڑے دل میں نگینے
ہیرے کا کنول بن کے ہر آنسو نظر آیا

کس وہم میں ڈالا دلِ گم گشتہ نے مجھ کو
خالی جو ترا حلقۂ گیسو نظر آیا

فرقت میں نہ تھا مجھ کو مہِ عید کا ارماں
میں نے تو یہ جانا کہ وہ ابرو نظر آیا

ہے دید کے قابل دلِ بسمل کا تماشا
کھینچے ہوئے تلوار وہ ابرو نظر آیا

وہ دیکھ کے کہتے ہیں مرے داغِ جگر کو
خوش رنگ نہ یہ پھول، نہ خوشبو نظر آیا

اس گوہرِ نایاب کو تھا خاک میں ملنا
ٹپکا جو زمیں پر تو نہ آنسو نظر آیا

کیا کیا غمِ پنہاں نے نچوڑا ہے الٰہی
جب خون بدن میں کوئی چلو نظر آیا

ابرو میں جو بل ہے وہی گیسو میں شکن ہے
ہم کو تو نہ کچھ فرق سرِ مو نظر آیا

اس شست کے قربان ہوں میں اے قدر انداز
جب تیر چُھٹا دل میں ترازو نظر آیا

تھی قافلے والوں کی خوشی دید کے قابل
جس دم چہِ کنعاں میں وہ مہرو نظر آیا

وہ غیر کے دامن کو جو بیٹھے تھے دبا کر
وہ بزم میں مجھ کو تہِ زانو نظر آیا

بتخانہ ہو یا کعبہ ہو چھٹتا نہیں کوئی
دیکھا تجھے اے داغ جہاں تو نظر آیا

۲

یہ عشق کب دلِ خانہ خراب سے چھوٹا
بہشت میں بھی نہ میں اس عذاب سے چھوٹا

دل اُس کے گیسوئے پُر پیچ و تاب سے چھوٹا
بڑی بلا سے یہ نکلا، عذاب سے چھوٹا

نگاہِ مست نے سرشار کردیا مجھ کو
شراب مجھ سے چھٹی میں شراب سے چھوٹا

وہ تاک جھانک کا اول سے تھا مجھے لپکا
کہ آج تک بھی نہ عہدِ شباب سے چھوٹا

شمار میں نے کیا جب تری جفاؤں کا
عدو نہ ایک بھی میرے حساب سے چھوٹا

مٹی جو ملک نہ ذرا خونِ دل کی گریے سے
یہ رنگ کب مری چشمِ پُرآب سے چھوٹا

رہے نصیب وہ عاشق نصیب والا ہے
جو تیرے قہر سے، تیرے عتاب سے چھوٹا

عدو کی قبر پر کیوں فاتحہ پڑھی تم نے
غضب ہوا کہ وہ کافر عذاب سے چھوٹا

ہمیشہ ساتھ رہا ہے اس آب و آتش کا
کبھی نہ برق کا دامن سحاب سے چھوٹا

مجھے ہو قسمتِ برگشتہ کی شکایت کیا
زمانہ کون سے دن انقلاب سے چھوٹا

مجھے یہ ضد کہ نہ لکھوں گا اور کوئی خط
وہ دل میں شاد کہ فکرِ جواب سے چھوٹا

انھوں نے غور سے دیکھا جو میرے دیوان کو
نہ کوئی شعر مرا انتخاب سے چھوٹا

رہا نظارہ کسی چہرۂ کتابی کا
مطالعہ نہ مرا اس کتاب سے چھوٹا

نہ کیوں ہو رشک مجھے ایسے ملنے والوں پر
نہ رنگ گل سے، نہ نشہ شراب سے چھوٹا

ہمیں نے وصل میں مجبور پیش دستی کی
جب اُن کا ہاتھ نہ بند نقاب سے چھوٹا

نصیب میں ہو جو چکر تو کوئی چھٹتا ہے
یہ رات دن نہ مہ و آفتاب سے چھوٹا

اگرچہ سینکڑوں بیڈھب سوال میں نے کیے
نہ مدعا مرے حاضر جواب سے چھوٹا

کھلی جب آنکھ نہ دیکھا جمال یوسف کو
مگر خیال زلیخا نہ خواب سے چھوٹا

مرے حساب سے دن زندگی کے تھوڑے ہیں
حساب کر کے غم بے حساب سے چھوٹا

یہ جی میں ہے کہ کروں سیر بیت کلہ جا کر
خدا کا گھر دل خانہ خراب سے چھوٹا

قرار دل کو نہ آیا تو مجھ کو موت آئی
چھٹا وہ صبر سے، میں اضطراب سے چھوٹا

بیان اُن کے ہوں اوصاف داغ سے کیا کیا
کوئی نہ وصف شہ بوتراب سے چھوٹا

۴

حال دل کا آشکارا ہوگیا
یہ ہمارا تھا، تمھارا ہوگیا

راہ سے لیلیٰ کی جو ذرہ اُڑا
آنکھ کا مجنوں کی تارا ہوگیا

آتے آتے پھر گئے وہ راہ سے
بخت برگشتہ ہمارا ہوگیا

مل گئی کوچے میں اُس کے کچھ جگہ
بیٹھ رہنے کا سہارا ہوگیا

اشک پی کر، رنج کھا کر ہجر میں
ہوگیا جوں توں گدارا ہوگیا

باعثِ شہرت ہمارا عشق ہے
نام دنیا میں تمہارا ہوگیا

جب ستم اُس نے کیا انداز سے
وہ ستم گر مجھ کو پیارا ہوگیا

ہجر میں ہے یہ شرابِ ہوش کوار
زہر کھانا ہی گوارا ہوگیا

چھپ سکے رازِ محبت کس طرح
چھپتے چھپتے آشکارا ہوگیا

پہلے ناصح کا سخن تھا ناگوار
رفتہ رفتہ پھر گوارا ہوگیا

گرچہ وہ جھوٹی تسلی دے گئے
مجھ کو جینے کا سہارا ہوگیا

آئے کیا دنیا میں ہم، کیا سیر کی
چلتے پھرتے اک نظارا ہوگیا

منتظر تھے اک نگاہِ مست کے
پھر کہاں ہم جب اشارا ہوگیا

داغ اترائے ہوئے پھرتے ہو تم
کیا ملاپ آپ کا تمہارا ہوگیا

۲

خرید کر دلِ عاشق کو یار لیتا جا
نہ ہوں جو دام گرہ میں ادھار لیتا جا

نہ چھوڑ طائرِ دل کو ہمارے اے صیّاد
یہ اپنے ساتھ ہی اپنا شکار لیتا جا

نکل کے جلد نہ جا اس قدر توقف کر
دعائے خیر دلِ بے قرار لیتا جا

عدم کو جانے لگا میں تو بولی یہ تقدیر
کہ داغِ عشق ہے یادگار لیتا جا

ملک سے کی ہوسِ عشق جب کبھی میں نے
ندائیں آئیں غمِ بے شمار لیتا جا

مزے وصال کے اے دل خیال یار میں ہیں
خوشی کے ساتھ شبِ انتظار لیتا جا

چلا تھا رحمی تیغِ نگاہ میں ہو کر
کہا ادا نے کہ میرا بھی وار لیتا جا

ہوا کے جھونکے سے کہتا ہوں میں جب آتا ہوں
کسی کے دل سے اڑا کر غبار لیتا جا

وہ جان لیں مری افسردگی کو اے قاصد
بجھی ہوئی کوئی شمعِ مزار لیتا جا

وہ مجھ سے کہتے ہیں جب بن سنور کے اٹھتے ہیں
بلائیں ہاتھوں سے تو بار بار لیتا جا

اسے بھی کھیل سمجھ تو کہ ہر ادا کے ساتھ
ہمارے دل سے شکیب و قرار لیتا جا

نہ اٹھ سکے گا یہ کل بھی داورِ محشر
نہ بے گناہوں کا گردن پہ بار لیتا جا

مرے مزار کو تو اس طرح سے کر پامال
کہ بانکپن کی بھی اے شہسوار لیتا جا

مزہ جبھی ہے کہ بھر بھر کے داغ جامِ شراب
وہ دیتے جائیں تو اے بادہ خوار لیتا جا

۵

یہ علاج اچھا ہے اے قاتل ترے بیمار کا
دم بدم تو حلق[1] میں پانی چوا تلوار کا

کیوں ارادہ ہے ترا مجھ سخت جاں پر وار کا
دم نکل جائے گا اے قاتل تری تلوار کا

آہ سے ہو سامنا کیوں کر نگاہِ یار کا
روکنا دشوار ہے تلوار سے تلوار کا

سخت جاں پر شرم سے منہ پھر گیا تلوار کا
یہ پسینہ ہے کہ پانی ہے تری تلوار کا

گرچہ بسمل ہوں مگر دیکھا نہیں جاتا ذرا
آنسوؤں سے خون کے رونا تری تلوار کا

کیا محبت زخمِ دل کو ہے کہ ہر اک وار پر
پیار سے منہ چوم لیتا ہے تری تلوار کا

خون کتنوں کا پیا ہے تیغِ خوں آشام نے
وزن سیروں بڑھ گیا قاتل تری تلوار کا

کیا رگِ بسمل میں تھا سوزِ محبت کا اثر
آگ پانی ہو گیا قاتل تری تلوار کا

---

۱ - اصل متن میں "خلق" ہے ۔

غسل کر لے دل ہمارا ، جان بھی کر لے وضو
اس قدر قاتل بڑھے پانی تری تلوار کا

بزم بھی مقتل نہ ہو جائے الٰہی خیر ہو
کھول کر بیٹھے ہیں بیڑا آج وہ تلوار کا

لذت رحم جگر میں رہ گئی تھوڑی کسر
وار کچھ اوچھا پڑا قاتل تری تلوار کا

جان دی مقتول نے تیرے بڑی ملحی کے ساتھ
زہر پانی ہوگیا قاتل تری تلوار کا

یہ اثر دیکھا زباں کے ساتھ کٹ جاتے ہیں حرف
ذکر آ جاتا ہے جب قاتل تری تلوار کا

داور محشر کو اے قاتل دکھاتا ہے مجھے
زخم ہے یہ تیر کا ، یہ گھاؤ ہے تلوار کا

ہے گریباں کی یہ صورت دیدۂ خوں بار سے
رنگ دیکھا خون میں ڈوبی ہوئی تلوار کا

کاٹنا مشکل ہے میرے ہی گلوے سخت کا
ماننا ہے توہ بھی لوہا تری تلوار کا

دیکھ اے قاتل مرے سوز و گداز عشق سے
گھل کے پانی ہوگیا لوہا تری تلوار کا

اور اے قاتل زمانے میں کہاں تیرا جواب
ترک گردوں نام لیوا ہے تری تلوار کا

زندگی کے ساتھ ہی رہتا ہے شوق وصل بھی
مجھ سے بہتر ہے گلے ملنا تری تلوار کا

داغ گنجائش ابھی اس قافیے میں ہے بہت
گرچہ ہر مضموں اچھا بندھ گیا تلوار کا

۶

ہم تو نالے بھی کیا کرتے ہیں آہوں کے سوا
آپ کے پاس ہے کیا تیز نگاہوں کے سوا

معذرت چاہیے کیا حرمِ وفا کی آس سے
کہ گنہ عذر بھی ہے اور گناہوں کے سوا

میں نہیں کاتبِ اعمال کا قائل یا رب
اور بھی کوئی ہے ان دونوں گواہوں کے سوا

حضرتِ خضر کریں دشت نوردی بے کار
ہم تو چلتے ہی نہیں عشق کی راہوں کے سوا

خانۂ عشق ہے منزل انھیں مہمانوں کی
اور اس گھر میں دھرا کیا ہے تباہوں کے سوا

ان کے آنے کی خوشی ایسی ہوئی محفل میں
پگڑیاں بھی تو اچھلتی تھیں کلاہوں کے سوا

وہ کریں ملک پہ قبضہ، یہ کریں دل تسخیر
ان حسینوں کی حکومت تو ہے شاہوں کے سوا

ظلمتِ بخت مری، تیرگیِ زلف تری
کوئی بڑھ کر نہیں ان دونوں سیاہوں کے سوا

نہ سنے داورِ محشر تو کروں کیا اے داغ
سب سے اظہار ہوئے میرے گواہوں کے سوا

۷

اس دل کو کہا اس نے یہ خوش حال نہ نکلا
ہم جس کے خریدار تھے وہ مال نہ نکلا

اٹھ کر جو اسے فتنۂ محشر بھی اٹھائے
ایسا تو کوئی آپ کا پامال نہ نکلا

اک آن میں خم زلف کا شانے نے نکالا
قسمت کا مری پیچ کٹی سال نہ نکلا

بے کار ہوئی حسن کے دریا میں تری زلف
بے صید لیے بحر سے یہ جال نہ نکلا

آئے تھے عیادت کے لیے غیر کو لے کر
پچھتائے وہ میرا جو برا حال نہ نکلا

ہم اخترِ تاباں سے شبِ وصل ملاتے
اس روئے منور پہ کوئی خال نہ نکلا

ہم عشق کو سمجھے تھے کہ لڑکوں کا ہے اک کھیل
یہ کھیل تو بازیچۂ اطفال نہ نکلا

دل چوٹ جو کھاتا ہے تو رہتا نہیں ثابت
اس شیشے میں جس وقت پڑا بال نہ نکلا

جو پیچ ازل کے ہوں نکلتے نہیں ہرگز
سیدھا تری زلفوں کا کوئی بال نہ نکلا

میں داورِ محشر سے یہ پوچھوں گا الٰہی
کیا کچھ بھی غلط نامۂ اعمال نہ نکلا

در پردہ عتاب آٹھ پہر ہم پہ ہوئے ہیں
پردے سے ترا چہرہ کبھی لال نہ نکلا

پہنچا ہوں مجازی سے حقیقت کو بھی لیکن
کب عشق مری جان کا جنجال نہ نکلا

وہ اس لیے آئے تھے کہ ہم داغ کو لوٹیں
ہرچند ٹٹولا کیے، کچھ مال نہ نکلا

۸

صحت سے ہائے دردِ دلِ زار کیا ہوا
بیمار کو یہ غم ہے وہ آزار کیا ہوا

کیوں پھر گئی تجھے نگہِ یار کیا ہوا
مجھ پر اگر ہوا بھی تو اک وار کیا ہوا

ہم بیچتے تھے دل کو جس انداز کے لیے
کیا جانیے وہ نازِ خریدار کیا ہوا

وہ دل کہاں وہ قیدِ تعلق کہاں رہی
وہ دام کیا ہوا ، وہ گرفتار کیا ہوا

یاروں نے پیشتر تو نہ کی میری روک تھام
اب پوچھتے ہیں تجھ کو مرے یار کیا ہوا

لاکھوں بندھے ہیں وہم اک آفت میں آ گیا
میں تیرے دل کا محرمِ اسرار کیا ہوا

اچھا ہے اور جلوہ دکھاؤ نہ کوئی دن
پھر یہ کہو گے طالبِ دیدار کیا ہوا

نکلے جو سیر کو تو قیامت بپا ہوئی
تم کو خبر بھی ہے دمِ رفتار کیا ہوا

کس کی خبر گئی جو پریشان ہو گئے
گھبرا کے پوچھتے ہیں وہ ہر بار کیا ہوا ؟

آغازِ عشق ہی میں ہو انجام کا لحاظ
پچھتا کے گو ہوا تو خبردار کیا ہوا

وہ ساتھ غیر کے مرے ہمسائے میں رہے
اے آسمان بتا ہمیں دیوار کیا ہوا

اے انقلابِ دہر وہ جلسے کہاں گئے
وہ بزمِ عیش اور وہ دربار کیا ہوا

لے جائیں گے مجھے جو فرشتے عذاب کے
رحمت کہے گی لاؤ گنہ گار کیا ہوا

اُس کے ہی دم کے ساتھ یہ ناز و نیاز ہے
پھر یہ کہو گے داغِ وفادار کیا ہوا

۹

فتنۂ حشر اور کیا نکلا
وہ تمھارے ہی ساتھ کا نکلا

کون دنیا میں باوفا نکلا
یہ تمھاری زباں سے کیا نکلا

وہ اِدھر بھول کر جو آ نکلا
میں نے جانا کہ مدعا نکلا

بت کدہ دیکھ کر ہوئی عزّت
میرے منہ سے خدا خدا نکلا

درہمِ داغ دل میں ہیں موجود
یہ خزانہ بھرا پُرا نکلا

اُس نے کی مجھ پر انتہا کی جفا
جور کرنے کا حوصلا نکلا

جان نکلی مریضِ فرقت کی
اب تو ارمان آپ کا نکلا

غیر کے دل میں تھا وہ ہرجائی
بعد مدت کے یہ پتا نکلا

اب دماغ اُن کا آسماں پر ہے
کیوں مرے منہ سے مدعا نکلا

غیر سے اُن سے عشق باہم ہے
درمیان سے قدم جدا نکلا

مستیاناس ہو ترا اے دل
تو ہمارے نہ کام کا نکلا

پھر بھی اچھا کہو گے غیر کو تم
امتحان میں اگر بُرا نکلا

میں نے چھوڑا نہ جب انھیں تو کہا
یہ تو ظالم بُری بلا نکلا

داغ کو لوگ رند کہتے ہیں
وہ حقیقت میں پارسا نکلا

ردیف بائے موحدہ

۱۰

نہ کیا تم نے امتحانِ رقیب
ورنہ بچتی کبھی نہ جانِ رقیب

چار چاند آپ نے لگائے آج
چوگنی اب نہ کیوں ہو شانِ رقیب

اس کی تعریف نے کیا بدظن
دوست پر ہے مجھے گمانِ رقیب

تم نے گھر میں کہاں چھپا رکھا
نہیں ملتا کہیں نشانِ رقیب

کاٹ کرتا ہے وہ مری تم سے
کاٹ ڈالوں گا میں زبانِ رقیب

کس کے کہنے پر آپ جاتے ہیں
ہے غلط سربسر بیانِ رقیب
ڈھونڈتے ہو گلی گلی کس کو
میں بتا دوں تمھیں مکانِ رقیب
تم سے کیا بات کی سرِ محفل
میں نہ سمجھا یہ چیستانِ رقیب
اُن کے لب پر ہیں سیکڑوں دشنام
میرے لب پر ہے داستانِ رقیب
اُس کی خوبی سے میں نہیں واقف
آپ ہی ہیں مزاج دانِ رقیب
جھوٹ کیوں بولتا ہے تو مجھ سے
کیا ترے منہ میں ہے زبانِ رقیب
نالہ میرا ہے تیر دشمن کو
آہ میری، بلائے جانِ رقیب
اپنی غیرت کو دیکھ اُس کو دیکھ
تو ہو راتوں کو میہمانِ رقیب
تم بلاؤ، وہ آئے، کیوں آئے
اس سے ہوتی ہے کسرِ شانِ رقیب
داغ اس نام سے ہیں وہ مشہور
اُن کو کہتے ہیں مہربانِ رقیب

۱۱

بے اثر تھیں ہی دعائیں سب کی سب
عمر بھر کی وہ وفائیں سب کی سب

رہ نہ جائے ہجر میں کوئی بلا
کس نے روکا اُن کو، آئیں سب کی سب
عشوہ ہو، یا غمزہ ہو، یا ناز ہو
تیر ہیں تیری ادائیں سب کی سب
کیا کروں میں، اُن کی یہ تاکید ہے
تو اٹھا دے ی جفائیں سب کی سب
چھین کر دل اُس سراپا ناز کی
ناز کرتی ہیں ادائیں سب کی سب
گو نہ دیں اُسے نامہ بر کوئی جواب
سن تو لیں وہ التجائیں سب کی سب
میں کروں تیری ... کا شمار
حشر میں گر یاد آئیں سب کی سب
میری ناکامی کے درپے ہے فلک
آرزوئیں لٹ نہ جائیں سب کی سب
جائے حوروں میں اگر میرا شہید
ہم مرادیں اپنی پائیں سب کی سب
یا خدا آئے گا وہ دن بھی کبھی
ہم مرادیں اپنی پائیں سب کی سب
داغ کو ہے اُس کی رحمت سے اُمید
بخش دے گا وہ خطائیں سب کی سب

۱۲

اُس بحر میں ہوں جس میں نہیں آشنا نصیب
اُس دشت میں ہوں جس میں نہیں رہنما نصیب
اُٹھے ہیں بزم یار سے ہم کہہ کے یا نصیب
آئندہ دیکھنا ہے دکھاتا ہے کیا نصیب

مجھ پر وہ مہربان اگر ہوں خوشا نصیب
دشمن کہیں حسد سے کہ اس کا ہے کیا نصیب

رنجِ فراق ان سے جو میں نے بیاں کیا
اتنا ہی کہہ کے چپ وہ ہوئے "ترا نصیب"

پابندِ زلفِ یار ہوں ، بیمارِ چشمِ یار
مجھ سا نہیں جہان میں کوئی بلا نصیب

صورت ہی تم دکھاؤ تو ہو جائے گی شفا
بیمارِ ہجر کو نہیں ہوتی دوا نصیب

فرہاد پیرزن کے فریبوں میں آ گیا
سر پھوڑنے کے ساتھ ہی پھوٹا ہے کیا نصیب

بدلے مرا نوشتۂ تقدیر کس طرح
لاؤں نیا کہاں سے مقدر ، نیا نصیب

اس میں اجارہ کیا ہے یہ قسمت کی بات ہے
ملتا جو دوسرے سے نہیں ایک کا نصیب

قسمت سے غیر کی ، مری تقدیر کیا ملے
اس کا جدا نصیب ہے ، میرا جدا نصیب

کیوں صبر آئے گا دلِ بیتاب کو مرے
کیوں تیری چشمِ شوق[1] کو ہوگی حیا نصیب

ہنستا ہے میرے گریے پہ فرقت میں آسماں
روتا ہے میرے حال پہ مجھ کو مرا نصیب

جو بیٹھتے تھے تخت جواہر نگار پر
افسوس بوریا بھی نہ ان کو ہوا نصیب

۱- "شوق" اصل متن میں غلط معلوم ہوتا ہے - "شوخ" ہونا چاہیے- مرتب -

بوتل کھلی ہوئی ہے جو قاضی کے سامنے
ہم جانتے ہیں دخترِ رز کا کھلا نصیب

پایا ہے مہر و ماہ نے کیا طالعِ بلند
ہوتا ہے، سچ تو یہ ہے، بڑوں کا بڑا نصیب

قاصد پہ اعتراض جو میں نے بہت کیے
سر پیٹ کر وہ کہنے لگا یہ مرا نصیب

دنیا میں اس کا کوئی خریدار ہی نہیں
میں بیچتا ضرور جو بکتا مرا نصیب

نالے کیے ہزار، نہ جاگا کسی طرح
ایسا شبِ فراق میں سوتا رہا نصیب

گزری تمام عمر بڑی خوبیوں کے ساتھ
فضلِ خدا سے ہم نے نہ پایا برا نصیب

وہ آج بزمِ غیر میں یہ صاف کہہ اٹھے
ملتا نہیں ہے کسی کو کہیں داغ سا نصیب

ردیف تائے فوقانی

۱۳

کیونکر کہوں آپ پہ محبت کی نظر کیا طاقت
کہ تم نظر پھیر کے دیکھو جو ادھر کیا طاقت

پھر وہ فتنہ گری سے جو کرے تو آپ کی
کر سکے ہی آئے فلک شعبدہ گر کیا طاقت

آتشِ عشق سے دل آپ جلاتے ہیں ہم
داغ کھانے جو یہ رستم کا جگر کیا طاقت

وہ کرے جور تو احسان ہے اُس کا یہ بھی
کر سکے شکوۂ بیداد بشر، کیا طاقت

ہجر کی ایک گھڑی بھی ہے قیامت کی گھڑی
ہم کریں شام سے مر مر کے سحر کیا طاقت

پہلی ہی بات میں بدلے ہیں تمھارے تیور
عرضِ احوال کروں بارِ دگر کیا طاقت

جو نزاکت سے نہ خود کھول سکے بند قبا
وہ مرے قتل پہ باندھے گا کمر کیا طاقت

ناتوانی جو یہی ہے تو نہیں مرنے کے
ہم کریں منزلِ عقبیٰ کا سفر کیا طاقت

بزم میں غیر کو تاکیں وہ نہیں مجھ کو خبر
اٹھ سکے بارِ نزاکت سے نظر کیا طاقت

لاکھ پردوں میں ہے اے پردہ نشیں تو مخفی
جھانک لیں تجھ کو بھلا شمس و قمر کیا طاقت

عشق کو آفتِ جاں ہے مگر اس دل کے سبب
میں کروں ایسی مصیبت سے حذر کیا طاقت

حلق میں نالے اٹکتے ہیں شبِ غم اٹھ کر
ملب ہو جاتی ہے تا وقتِ سحر کیا طاقت؟

توڑ ڈالے ہیں ہزاروں کے دل اس کافر نے
عہد توڑے وہ رقیبوں سے مگر کیا طاقت

الاماں کاٹ تری تیغِ نظر کا قاتل
تیرے آگے ہو کوئی سینہ سپر کیا طاقت

اے جنوں زور سہی، جوش سہی تجھ میں مگر
سر پہ لے جائے اٹھا کر کوئی گھر کیا طاقت

کوہِ غم ہم نے اٹھایا ہے محبت میں تری
کر دکھائے گا سوا اس سے بشر کیا طاقت
داغ سے تجھ کو گماں بدنظری کا ہے عبث
کیا مجال اس کی وہ ڈالے تو نظر کیا طاقت

۱۲

دعویٰ پیامبر کا ہے دیوانے پن کی بات
اس سے ادا نہ ہوگی ہمارے دہن کی بات
دلکش ہے پُرمذاق ہے اس انجمن کی بات
اہلِ سخن سے پوچھیے بزمِ سخن کی بات
شیریں ہے کس قدر مرے شیریں سخن کی بات
اس کے دہن سے چھین لوں اس کے دہن کی بات
پوچھے کوئی سفر میں گھر سے عدن کی بات
غربت میں یاد آتی ہے کیا کیا وطن کی بات
گویا زباں شمع کی اس وجہ سے نہیں
پروانے سے یہ کرتی ہمیشہ جلن کی بات
شعبے کی جو ہو بات کڑی دس سے اٹھ سکے
دنیا تمھاری بات وہ ہے لاکھ من کی بات
تڑپا دیا کسی کو، کسی کو لٹا دیا
ادنیٰ ہے یہ تو اس نگہِ سحر فن کی بات
کل وعدۂ وصال کیا، آج پھر گئے
کیا دل شکن ہے اس بتِ پیماں شکن کی بات
تم نے کہا نہیں سرِ محفل بُرا مجھے
چھپتی چھپانے سے ہے کہیں انجمن کی بات؟

اُس نے دیا جواب یہ غرضِ وصال پر
لگتی ہے مجھ کو تیر تمہارے دہن کی بات

سر پھوڑے لاکھ عشق میں کوئی تو کیا ہوا
وہ کوہ کن کے ہاتھ رہی کوہ کن کی بات

انکار آج وصل سے میں نے بھی کر لیا
میرے دہن میں آئی، تمہارے دہن کی بات

کہتے ہیں اس کو لازم و ملزوم واقعی
منصور ہی کے ساتھ ہے دار و رسن کی بات

بادِ خزاں نے خاک اُڑا دی ہے باغ میں
وہ تھی چمن کے ساتھ بہارِ چمن کی بات

کیا سامنے ترے وصال کا اقرار کر لیا
یہ ہے اسی کے لب کی، اسی کے دہن کی بات

تیرے مریضِ غم کو خدا نے بچا لیا
یاروں کی تھی زبان پہ گور و کفن کی بات

پروانے کا ہو ذکر کہ مذکورِ عندلیب
یہ انجمن کی بات ہے، وہ ہے چمن کی بات

موقع ملے تو کان میں واعظ کے ڈال دوں
جو کان میں پڑی ہے مرے برہمن کی بات

جس ملک میں، جس دیار میں، جس شہر میں گئے
یاد آئی بات بات پہ اہلِ وطن کی بات

وہ مسئلۂ عشق ہے کہ جو آلِ نبی کا ہے
وہ بات بات ہے کہ جو ہے پنجتن کی بات

یا رب یہ تجھ سے داغِ دعا گو کی ہے دعا
دونوں جہاں میں رکھ مرے شاہِ دکن کی بات

ردیف ٹ

۱۵

قلزمِ عشق کا ملتا نہ کنارا جھٹ پٹ
کشتیِ ہجر ہے کیا پار اتارا جھٹ پٹ

دمِ نظارہ کریں تیغِ نظر سے جو شہید
آپ کا نام تو ہو کام ہمارا جھٹ پٹ

قلزمِ عشق مرہ میں جو مرا دل ڈوبا
مل گیا کیا اسے تنکے کا سہارا جھٹ پٹ

آتشِ ہجر سے کیونکر دلِ بے تاب بچے
آگ پر آتے ہی اڑ جاتا ہے پارا جھٹ پٹ

غمِ دنیا میں پھنسا داغ کا دل شاہِ امم
لیجیے اس کی خبر آپ خدارا جھٹ پٹ

ردیف ثائے مثلثہ

۱۶

بلبل جو دام میں پھنس گئی یادِ چمن عبث
حیف دانہ پانی اٹھ گیا، حبِ وطن عبث

اس کو ضرور ہے مری بربادیوں کی فکر
گردش میں رات دن ہیں، چرخِ کہن عبث

پامال کر کے خاک اڑا دو ہوا میں تم
ناحق ہے فکرِ گور، تلاشِ کفن عبث

دیتے نہیں جواب، سوالِ وصال پر
کیوں دے دیا خدا نے بتوں کو دہن عبث

مژگانِ یار نوک کی لیتی ہے رات دن
ہے دل سے چھیڑ چھاڑ، نہیں بانکپن عبث

نکلے گا شانۂ دلِ بے تاب سے یہ بل
ہے پیچ و تابِ زلفِ شکن در شکن عبث

مٹی میں میری لاش دبانے چلے عزیز
پھر غسل دے کے مجھ کو پنھایا کفن عبث

تو لیوے گا خدا سے جو انجام ہو بخیر
زاہد نہ یادِ حور میں دیوانہ پن عبث

یہ بوالہوس رقیب تو دو دن کے یار ہیں
تو رائگاں شباب نہ کر میم تن عبث

شیریں کو راہ پر نہ لگا لایا بدنصیب
لایا ہے جوئے شیر یہ تو کوہ کن عبث

ہر وقت ہے سفر میں ہمارا سمندِ عمر
دو دن کے واسطے ہے یہ حبِ وطن عبث

پیری میں کیا شباب کا ہوگا مزا نصیب
اے خضرؔ تم لیے پھرو سفف کہن عبث

اے داغ بیوفا نہ کریں گے وفا کبھی
نادان اُن کو دیکھ کے للچا ز من عبث

ردیف حائے مہملہ

۱۷

اُن کو پہنچا ہے پیام اچھی طرح
اب نکل آئے گا کام اچھی طرح

کٹ گیا ماہ صیام اچھی طرح
کیجیے شربِ مدام اچھی طرح

ساقیا دے بھر کے جام اچھی طرح
سیر ہو یہ تشنہ کام اچھی طرح

جا چکا اب زلف کا دل سے خیال
پک گیا سودائے خام اچھی طرح

ان برے ڈھنگوں پہ تم کو ناز ہے
کیا ہے بدوضعی کا نام اچھی طرح

تم بلاتے ہو ہم آئیں گے مگر
بزم کا ہو اہتمام اچھی طرح

کاش سینے تک ہی آئے اُس کا ہاتھ
وہ نہیں لیتے سلام اچھی طرح

منہ ہی منہ میں گالیاں دیجے نہ آپ
کیجیے ہم سے کلام اچھی طرح

موت کیونکر آ گئی روزِ فراق
کر لیا تھا انتظام اچھی طرح

داغِ دل بھی ہے عجب روشن چراغ
جل رہا ہے صبح و شام اچھی طرح

دل بہت کرنے پڑیں گے پائمال
کیجیے مشقِ خرام اچھی طرح

ہم کو ملتا ہی نہیں اُس کا پتا
ڈھونڈ ڈالا ہر مقام اچھی طرح

ردیف رائے مہملہ

۱۸

مانوں گا میں نہ تجھ کو ستمگر کہے بغیر
محشر میں چین آئے گا کیونکر کہے بغیر

بھولے ہو تم نہ سمجھو گے بات ایک بار کی
مجھ کو نہ بن پڑے گی مکرّر کہے بغیر

مجھ کو مزا ہے چھیڑ کا دل مانتا نہیں
گالی سنے بغیر، ستم گر کہے بغیر

روزِ جزا چھپاؤں محبت کا راز کیا
سب جانتا ہے داورِ محشر، کہے بغیر

وہ جان جائیں میں نہ کہوں حالِ دل مگر
اُن پر ہو آشکارا یہ کیونکر کہے بغیر

میری جڑی ہے غیر سے تم سے دو سات بار
کب چوکتا ہوں سات کی ستر کہے بغیر

تو نے ہمیں کہا ہے تو بیٹھا ہے کیوں رقیب
دھتا دیے ہوئے مرے در پر کہے بغیر

اچھی کہی کہ مجھ کو برا کہہ کے چھوٹ جاؤ
کب مانتا ہوں میں بھی برابر کہے بغیر

بے جا ہوا یہ دخل اجازت ضرور تھی
کیوں تم نے میرے دل میں کیا گھر کہے بغیر

تیری مژہ کو خار کہوں میں تو کیا مرا
دل مانتا نہیں اسے نشتر کہے بغیر

جو ہیں اشارہ فہم سمجھتے ہیں سب بے کہے
نکلا ہے کام داغ کا اکثر کہے بغیر

ردیف شین معجمہ

۱۸

دل کی ہے صحبت ہی تجھے اے معتبر تلاش
یہ ہتھکنڈے ہیں تو کر اور گھر تلاش

دیوانے بیٹھتے ہیں کہیں پاؤں توڑ کر
باہم کریں گے یار کو ہم در بدر تلاش

دیکھا نہ چشمِ شوق سے افسوس اک نظر
کی میں نے نام سن کے تری عمر بھر تلاش

پھرتا ہے لے کے مشعلِ مہتاب رات بھر
کس کی ہے اے فلک یہ تجھے رات بھر تلاش

پہلو میں میرے تیرِ نظر تاک کر لگا
ظالم تجھے جو دل کی ہے مدِ نظر تلاش

تھک جائیں پاؤں دل نہ تھکے راہِ عشق میں
میں سر کے بل چلوں گا، کروں گا مگر تلاش

عیسیٰ سے بھی شفا ہو نہ بیمارِ عشق کو
اے چارہ گر دوا کی ہے کیوں اس قدر تلاش

کرتا ہے سجدے حور کی حسرت میں شیخ تو
اللہ کی نہیں تجھے اے بے خبر تلاش

بیٹھیں نہ مل کے عاشق و معشوق ہائے داغ
دن بھر ہے اس فلک کو یہی عمر بھر تلاش

ردیف میم

۲۰

محوِ قدِ یار ہو گئے ہم — سولی پہ چڑھے تو سو گئے ہم
ہوش آتے ہی محو ہو گئے ہم — جب آنکھ کھلی تو سو گئے ہم
بیخودِ شبِ ہجر ہو گئے ہم — قسمت کو سلا کے سو گئے ہم
مستِ مئے حسن ہو گئے ہم — زانو پہ کسی کے سو گئے ہم
پیری میں جواں ہو گئے ہم — جب صبح ہوئی تو سو گئے ہم
راحت سے عدم میں ہو گئے ہم — منزل پہ پہنچ کے سو گئے ہم
جاگے تھے بہت شبِ جدائی — جنت میں بھی جا کے سو گئے ہم
اس بزم میں داغ نے ساتھ چھوڑا — اک آئے وہاں سے دو گئے ہم

بعد اپنے لڑے رقیب سے وہ
یہ تخم فساد ہو گئے ہم

کافر کہیں ہم کو یا مسلماں
اب ہو گئے جس کے ہو گئے ہم

جب زلف کی بو سنگھائی تم نے
دیوانے تمہارے ہو گئے ہم

اب رونے کا ہم کو اک زمانہ
اگلوں کو جہاں میں رو گئے ہم

محفل سے تری ملا یہ ہم کو
دل اپنی گرہ سے کھو گئے ہم

چوری کا ہے مال کہتے ہیں وہ
دل دے کے بھی چور ہو گئے ہم

دل لینے کی تم کو آرزو تھی
اب جان سے اپنی لو گئے ہم

دنیا ہی میں کیوں یہ فرد اعمال
اشکوں سے نہ اپنے دھو گئے ہم

تھی عشق کی آرزو ہمیں سے
وہ بعد فنا ڈبو گئے ہم

کل آئے جو وہ کہیں سے اے داغ
آج اُن کے سلام کو گئے ہم

ردیف نون

۲۱

موجود ہر جگہ ہے ، نہیں بے نشاں کہیں
وہ ہر جگہ ہے ڈھونڈیے اُس کو جہاں کہیں

زاہد خدا ملے گا نہ تجھ کو یہاں کہیں
کون و مکاں کہیں ہے تو ہے لامکاں کہیں

بیداد کر رہا ہے وہ عہد شباب میں
اے آسمان پیر ہو تو بھی جواں کہیں

ایجاد اب ستم نہیں ہوتے یہ کیا ہوا
یا رب بدل گیا تو نہ ہو آسماں کہیں

وہ تند خو ہے اور ہے کمسن پیامبر
ڈرتا ہوں لڑکھڑائے نہ اس کی زباں کہیں

کیا جھوٹ بولتے ہو کہ ہے شیر تا ویسا
اس جھوٹ سے گرے نہ یہ سقف مکاں کہیں

میں غیر کی نگا میں ، تم میرے دل میں ہو
میرا مکاں کہیں ہے ، تمھارا مکاں کہیں

سامان عیش سب ہیں مہیا وصال کے
ایسے میں آ نہ جائے اجل ناگہاں کہیں

جتنے تھے راہِ شوق میں ارمان ، مٹ گئے
منزل کہیں ہے ، دل ہے کہیں ، کارواں کہیں

دل گھر ہے داغِ عشق کا اس پر ہے آبلہ
ایسا نہیں مکان کے اوپر مکاں کہیں

خشش نہ ہو رقیب کا منحوس ہے قدم
جنّت میں آ نہ جائے الٰہی حرام کہیں

ٹھکرا کے اس نے قبر کو ہشیار کر دیا
مجھ کو خبر نہ تھی کہ مرا ہے نشاں کہیں

تم نام پر رقیب کے بگڑے ہو داغ سے
باتیں جو بھید کی تھیں وہ اس نے کہاں کہیں

۲۲

بہت ہی مختصر تھا وصل کا دن
خدا جانے کب آیا ، کب گیا دن

عیادت کو مریضِ غم کی اب آئے
اسے گزرے ہوئے ہے تیسرا دن

ہمارا ہی وہ روزِ وصل ہو کاش
نصاریٰ میں جو ہوتا ہے بڑا دن

یہ کیا خورشید کو ضد ہے شبِ وصل
نکل کر دوپہر پہلے چڑھا دن

نہ ہوگا کیسا مرا افسانہ پورا
نہ ہوگا کیسا قیامت کا بڑا دن

کرے کس وقت کوئی عرض مطلب
وہاں ہے رات دن کی رات کا دن

قیامت اس نے کی غصے سے برپا
الٰہی آج کا تھا کیسا برا دن

نہیں کٹتی شب غم تو کہاں ہے
ارے او بے مروّت، بے وفا دن

وہی دن ہے مبارک جب ملیں وہ
نہیں ہم جانتے اچھا برا دن

نہیں ٹلتا، نہیں آتی شب وصل
ہمارے گھر پہ عاشق ہوگیا دن

مجھے بھی بے خودی کوئی سنبھالے
وہ آئی وصل کی شب، وہ گیا دن

ترے گھر داغ ہو ہر روز تو روز
دکھائے مجھ کو بھی ایسے خدا دن

۲۴

مانند سرو باغ ہم آزاد جب سے ہیں
سب کی قطار میں ہیں مگر دور سب سے ہیں

قابو میں وہ رقیب کے مجبور کب سے ہیں
جادو کیا ہے اس نے مگر اس سبب سے ہیں

آنکھوں ہی کے اشارے میں سمجھو سوال وصل
کیونکر کہیں یہ بات کہ واقف ادب سے ہیں

اٹھے ہیں آج صبح کو منہ کس کا دیکھ کر
توڑا ہے آئنے کو بیزار سب سے ہیں

کیفیت اُن کو بزمِ جہاں کی نہیں ملی
جو نامراد بادۂ عیش و طرب سے ہیں

یہ کہہ رہا ہے تم کو زمانہ خبر نہیں
جتنے رقیب ہیں وہ گرفتار سب سے ہیں

پہلی خطائیں میں نہ کروں گا کبھی معاف
دھوکا نہ دو یہ کہہ کے کہ ترے دوست اب سے ہیں

بسمل ہوئی ہے خلق تری تیغِ ناز سے
کچھ نیم جاں ہے آس میں ہیں کچھ جاں بلب سے ہیں

جو پارسا ہیں خوف انھیں اس قدر کہاں
ڈرتے گناہ گار خدا کے غضب سے ہیں

ایسا شبِ فراق میں گھبرا رہا ہے دل
دن کے امیدوار ہم اول ہی شب سے ہیں

تکلیفِ ہجر کی اسے برداشت ہی نہیں
ہم تنگ کس قدر دلِ راحت طلب سے ہیں

کیا بے خودی ہے شوق کی اتنی خبر نہیں
ہم کس پہ مبتلا ہیں خدا جانے کب سے ہیں

بیباک و بے حیا نہیں اغیار کی طرح
ہم دور اُن کی بزم میں پاسِ ادب سے ہیں

یہ گھر بھرا بھرا نظر آتا ہے کیا مجھے
مہمان میرے دل میں وہ اُٹھے داغ جب سے ہیں

۲۴

دیکھیے اُن سے ملاتا ہے خدا کون سے دن
کون سی رات ہو مقبول دعا کون سے دن

اب جدائی کی مصیبت نہیں اٹھتی مجھ سے
سر مرا تن سے کریں گے وہ جدا کون سے دن

اس بہانے سے نہ آیا وہ مری میت پر
اس ستم گر نے لگائی ہے حنا کون سے دن

غمزہ و ناز جوانی میں وہ کیوں کر نہ کریں
اور پھر آئیں گے انداز و ادا کون سے دن

اے نجومی تجھے دعویٰ ہے تو یہ حکم لگا
کون سے وقت ملیں گے وہ بتا کون سے دن

تمھی منصف ہو کوئی راہ کہاں تک دیکھے
وعدۂ وصل کیا ، یہ نہ کھلا کون سے دن

اُن کے آتے ہی ہوا وعدہ ہمارا پورا
وائے تقدیر کہ آئی ہے قضا کون سے دن

مست ہیں جوش جوانی کی وہ کیفیت میں
اب نہ آتا تو پھر آتا یہ مزا کون سے دن

میری کشتی کو کیا باد مخالف نے تباہ
منتظر ہوں کہ بدلتی ہے ہوا کون سے دن

کوئی ہفتہ نہیں ایسا کہ نہ ہو غم جس میں
عیش و عشرت کے ہیں یا بارِ خدا کون سے دن

طالبِ وصل پہ کھینچی ہے چھری روزِ وصال
اس خطا پر مجھے دیتے ہو سزا کون سے دن

اُن کا برتاؤ نرالا ہے یہ کھلتا ہی نہیں
مہرباں کون سے دن ہیں وہ خفا کون سے دن

بعد مدت کے جو ٹوکا تو کہا ظالم نے ،
آپ سے ہم نے کیا عہدِ وفا کون سے دن

حشر کے روز تو یارب ہو نزولِ رحمت
ہم گنہگاروں کو ملتی ہے سزا کون سے دن
دیکھیے کب مری قسمت کا ستارا چمکے
سامنے آئے وہ خورشید لقا کون سے دن
خواہشِ وصل پہ وہ پوچھتے ہیں یہ مجھ سے
کہ برس دن میں مبارک ہو بتا کون سے دن
لو گرفتار تری زلف میں ہیں طائرِ دل
تو کرے گا انھیں صدقے میں رہا کون سے دن
دیکھیے دیکھتے ہیں کب وہ اٹھا کر چلمن
دیکھیے اٹھتی ہے کمبخت حیا کون سے دن
برسوں گزرے ہیں کہ بیمارِ محبت میں ہوں
ہوگی اے چارہ گرو مجھ کو شفا کون سے دن
ہم سے اب تک تو تری آنکھ بہت سیدھی تھی
دیکھیے کرتی ہے یہ مل کے دغا کون سے دن
داغ سے عید کے دن بھی نہ ملے وہ آ کر
یہ گیا وقت پھر آنے کا بھلا کون سے دن

۲۵

عشق میں دل کہیں ، حواس کہیں
ایسے رہتے ہیں اپنے پاس کہیں
چھپ کے بیٹھا ہے کیا کوئی مے کش
بھر کے جاتا ہے کیوں گلاس کہیں
مجھ کو ہے اس سے احتمالِ وفا
نہ غلط ہو مرا قیاس کہیں

زہر کھاتے ہیں تنگ آ کر ہم
یہ دوا آئے دل کو راس کہیں

کعبے جاتے تو ہیں یہ دھڑکا ہے
ہم نہ پہنچیں خدا کے پاس کہیں

مستیٔ الماس محتسب کا ہو
شیشہ پھینکا کہیں، گلاس کہیں

دل کے گوشے میں دونوں مہماں ہیں
آرزو ہے کہیں تو یاس کہیں

آئیں گے پانچ دن میں، کہتے ہو
پانچ دن کے نہ ہوں پچاس کہیں

دل کی مردانگی پہ بھولا ہوں
عاشقی میں نہ ہو ہراس کہیں

اس کو کہتے ہیں لوگ عہد شکن
ٹوٹ جائے نہ اپنی آس کہیں

جو نہ کہنی تھیں مجھ کو وہ باتیں
غیر سے ہو کے بدحواس کہیں

شہر در شہر ہیں ترے عاشق
کہیں دس بیس، سو پچاس کہیں

جامۂ عاشقی ملا ہے مجھے
تنگ تر ہو نہ یہ لباس کہیں

قطرہ قطرہ پلا نہ اے ساقی
اوس سے بجھتی ہے پیاس کہیں

بزم میں داغ گر نہیں تو نہ ہو
یہیں ہوگا وہ آس پاس کہیں

۲۶

کیا زالوے رقیب بسا ہے نگاہ میں
تکیہ نہیں ہے آج تری خواب گاہ میں

آتے ہیں اس روش سے ہری جلوہ گاہ میں
ہم پاؤں پھونک پھونک کے رکھتے ہیں راہ میں

تم لاکھ مجھ سے پردہ کرو جلوہ گاہ میں
صورت یہ کہہ رہی ہے کہ میں ہوں نگاہ میں

آمیزش ثواب ہے میرے گناہ میں
دل بتکدے میں اور قدم خانقاہ میں

سچ ہے یہاں کہاں ہو جو دو ذات کا جواب
تم ہو کسی کے دل میں، کسی کی نگاہ میں

خالی نہیں مزے سے کوئی پارسا و رند
لذت اِسے ثواب میں، اُس کو گناہ میں

پہنچے نہ ہائے منزلِ مقصود تک کبھی
ہم پاؤں پیٹتے ہی رہے اُس کی راہ میں

چاہِ ذقن میں اُس کے پسینے سے ہے تری
پانی اگر نہیں ہے تو ہے خاک چاہ میں

وہ تجھ سے مل کے حشر میں پوری نہ ہو کہیں
تھوڑی سی ہے کمی جو ہمارے گناہ میں

یوسف کا حال دیکھ کے آنکھیں ہوئیں ہمیں
ڈوبا جو اُس کی چاہ میں، ڈوبا نہ چاہ میں

دشوار ہیں طریقِ طریقت کی منزلیں
دوزخ بھی ساتھ ساتھ ہے جنت کی راہ میں

ہم کو پتا ملا ہے دلِ داغ دار کا
کچھ روشنی سی ہے تری زلفِ سیاہ میں

ظالم خدا سے ڈر کہ جہنم کی آگ ہے
نالے میں بیکسوں کے ، غریبوں کی آہ میں
اک دوستی کی ، ایک نظر دشمنی کی ہے
تم بھی نگاہ میں ہو ، عدو بھی نگاہ میں
آشفتگی سے زلف کی ، جس کی ہو برہمی
دیکھے وہ کس طرح مجھے حالِ تباہ میں
سمجھا دے اُس کو جا کے یہ اک بات اے صبا
قاصد ابھی گیا ہے ، ابھی ہوگا راہ میں
دیکھا جو شب کو خواب میں اُس چشمِ مست کو
لغزش ہے صبح سے مرے پائے نگاہ میں
یہ رنگ کہہ رہا ہے ، کیا خونِ بے گناہ
ڈورے ہیں سرخ سرخ جو چشمِ سیاہ میں
وہ غیر سے ملے ہیں گلے میرے سامنے
ماتم ہے زندگی کا مجھے عید گاہ میں
حاصل ہیں میری قبر سے بھی سر فرازیاں
رکھتے ہیں پھول چن کے عدو بھی کلاہ میں
دانستہ اُس نے قتل کیا ، میں یہ کیوں کہوں
شاید ہوا ہو خون مرا اشتباہ میں
جاتا ہے داغ کعبے کو بت خانہ چھوڑ کر
ٹھوکر ضرور کھائے گا پتھر سے راہ میں

۲۷

رنج پر رنج دیے جاتے ہیں
اپنی کرنی وہ کیے جاتے ہیں

م جو الزام دیے جاتے ہیں
اپنے دل میں وہ لیے جاتے ہیں
ک عاشق کا تمھیں کیوں غم ہو
جینے والے تو جیے جاتے ہیں
خم اس تیغ کے ہیں دامن دار
کس سے یہ چاک سیے جاتے ہیں
، تری بزم میں تنہا بیٹھے
خون کے گھونٹ پیے جاتے ہیں
، کو حیرت ہے کہ عاشق کیونکر
ہم پہ مر مر کے جیے جاتے ہیں
ھ کب اہلِ سخاوت کا رکا
بے طلب بھی وہ دیے جاتے ہیں
جواب اس کا ہمیں دیں کہ نہ دیں
ان سے ہم بات کیے جاتے ہیں
داغ سے مل کے یہ پوچھا اس نے
کس لیے آپ جیے جاتے ہیں

۲۸

ر بے طور ہوئے جاتے ہیں
تو کچھ اور ہوئے جاتے ہیں
یہ عنایت پہ عنایت ہے ستم
لطف بھی جور ہوئے جاتے ہیں
اب تو بیمار محبت تیرے
قابلِ غور ہوئے جاتے ہیں

نشہ ہوتا ہی نہیں اے ساقی
بے مزہ دور ہوئے جاتے ہیں

دیر ہے حکم کی ، ہم تم پہ فدا
ابھی فی الفور ہوئے جاتے ہیں

التجا بھی ہے شکایت گویا
وہ خفا اور ہوئے جاتے ہیں

انتہا کیا ہے کہ تجھ سے برملا
جور پر جور ہوئے جاتے ہیں

اہلِ کلکتہ سے لائق فائق
اہلِ لاہور ہوئے جاتے ہیں

گھڑیوں بڑھتا ہے حسینوں کا جال
اور سے اور ہوئے جاتے ہیں

تیر پھینکو نہ فلک پر کہ شکار
اسد و ثور ہوئے جاتے ہیں

کچھ خبر بھی ہے محبت میں داغ
کیا ترے طور ہوئے جاتے ہیں

۲۹

نہ چھوڑا دل کو اے کافر ، ترے پیکان ایسے ہیں
خدا کا گھر اڑا لے جائیں ، یہ مہمان ایسے ہیں
کرے گا بے وفائی مجھ سے تو ، سامان ایسے ہیں
تری جانب سے مجھ کو وہم میری جان ایسے ہیں
فرشتے کو پکڑ رکھیں ، ترے دربان ایسے ہیں
خدا سے بھی نہیں ڈرتے یہ بے ایمان ایسے ہیں

اگر تو بھی نکالے گا نہ نکلیں گے ، نہ نکلیں گے
مرے ارمان اتنے ہیں مرے ارمان ایسے ہیں

رقیبوں کو محبت کا ہے دعویٰ ، اے تری قدرت
یقیں ہے تم کو لو وہ بھی خدا کی شان ایسے ہیں

شرارت ، فتنہ اک اک بات میں ہے اُن کی اے قاصد
وہ بھولے بھالے کم سن ایسے ہیں نادان ایسے ہیں

یہ سر کے ساتھ جائیں گے نہ دم کے ساتھ جائیں گے
ہمارے سر پہ آصف جاہ کے احسان ایسے ہیں

سنائیں اور تاتیں آپ آنے سے کیا غرض مطلب
یہ چن لیتے ہیں مطلب کی ، ہمارے کان ایسے ہیں

وہ جلوہ دیکھتے ہی آ گیا غش ، مجھ کو دعویٰ تھا
خطا ہوتی نہیں ہرگز مرے اوسان ایسے ہیں

یقیں ہم کو دلاتے ہیں وہ یوں جھوٹی قسم کھا کر
نہ ٹوٹیں حشر تک یہ عہد ، یہ پیمان ایسے ہیں

رقیبوں کو بٹھا کر بزم میں کہتے ہیں وہ مجھ سے
جواب اُن کا نہیں ، دیکھو مرے مہمان ایسے ہیں

تمہارا ساتھ دیں گے حشر میں یہ بھی یقین جانو
تمہارے جاں نثاروں میں بہت انسان ایسے ہیں

کہیں لٹوا دیا جوبن ، کہیں چروا دیا دل کو
بھرے جائیں نہ تجھ سے بھی ترے نقصان ایسے ہیں

تری تصویر بھی ، آئینہ بھی ، عاشق کی آنکھیں بھی
کسی میں دم نہیں ، محفل میں یہ حیران ایسے ہیں

بہارِ باغِ عالم ہم نے لوٹی ، داغ مدت تک
کوئی دن کی ہوا کھاتے ہیں اب سامان ایسے ہیں

ردیف واؤ

۳۰

رگِ جاں سے نزدیک ہے میری جاں تو
مگر پھر جو دیکھا کہاں میں کہاں تو

حقیقت میں ہے ماسوا چیز ہی کیا
اِدھر تو ، اُدھر تو ، یہاں تو ، وہاں تو

نہ تو مجھ کو چھوڑے نہ میں تجھ کو چھوڑوں
وہیں تو جہاں میں ، وہیں میں جہاں تو

حفیظ اور حافظ بھی ہے نام تیرا
نگہباں ہے اور ہے پاسباں تو

وظیفہ جو تجھ کو نہیں نام اُس کا
دہن میں ہے کس کام کی ، اے زباں تو

جہاں پائیں گے تجھ کو ہی پائیں گے ہم
نہیں بے نشاں تو ، نہیں بے نشاں تو

یہ گھر وہ ہے ، جس پہ قرباں ہو جنت
اگر خانہٴ دل میں ہو میہماں تو

کہاں چشمِ بینا ہے ایسی جو دیکھے
کہاں ہے عیاں تو ، کہاں ہے نہاں تو

یہاں پست و بالا دکھانا ہے تجھ کو
بناتا نہ کیوں یہ زمیں ، آسماں تو

نکلتے ہی کہتا ہے غنچہ زباں سے
کہ اس باغِ عالم کا ہے باغباں تو

نہ ہو دین و دنیا میں کچھ رنج اُس کو
الٰہی رہے داغ پر مہرباں تو

ردیف یائے معروف و مجہول

۳۱

یہ سنتے ہیں اُن سے یہاں آنے والے
جہنم میں جائیں وہاں جانے والے

ترس کھا ذرا دل کو ترسانے والے
ادھر دیکھتا جا اُدھر جانے والے

وہ جب آگ ہوتے ہیں غصے سے مجھ پر
تو بھڑکاتے ہیں اور چمکانے والے

مرا دل ، مرے اشک ، غصہ تمھارا
نہیں رکتے روکے سے یہ آنے والے

وہ جاگے سحر کو ، تو لڑتے ہیں مجھ سے
کہ تھے کون تم خواب میں آنے والے

وہ میرا کہا کس طرح مان جاتے
بہت سے ہیں شیطان بہکانے والے

ادھر آؤ ، اس بات پر بوسہ لے لوں
مرے سر کی جھوٹی قسم کھانے والے

ہمیں پر اُترتا ہے غصہ تمھارا
ہمیں بے خطا ہیں سزا پانے والے

وہ محفل تمھاری ، مبارک ہو تم کو
سلامت رہیں بے طلب آنے والے

تری بزم سے میں نہ جاؤں گا تنہا
مجھے ساتھ لے جائیں گے لانے والے

جو واعظ کے کہنے سے بھی توبہ کرلوں
نہ کوسیں گے کیا مجھ کو میخانے والے

اُٹھائیں گے کیا غیر الفت کے صدمے
ذرا سی مصیبت میں گھبرانے والے

تمھیں نے چرایا ہے، دل وہ تمھیں ہو
پرائی رقم لے کے اترانے والے

نہیں مانتا ایک کی بھی مرا دل
نئے روز آتے ہیں سمجھانے والے

مجھے کھائے جاتے ہیں اب طعنہ دے کر
مرے حال پر تھے جو غم کھانے والے

برستا نہیں مینھ الٰہی کہاں تک
پییں خون کے گھونٹ میخانے والے

جہاں دیدہ ہیں ہم نے دیکھی ہے دنیا
نہیں آپ کے دم میں ہم آنے والے

زباں سے تو کہہ کیا ارادہ ہے تیرا
اشاروں، اشاروں میں دھمکانے والے

سلامی ہیں اے داغ اُس کے ہی در کے
نہ ہم کعبے والے، نہ بت خانے والے

۳۲

دنیا کا مال اور ہے کس کام کے لیے
کرتا ہے خرچ آدمی آرام کے لیے

ہے سادگی غضب کی، قیامت کا ہے بناؤ
وہ صبح کے لیے ہے، تو یہ شام کے لیے

آنے دے کچھ تو ہوش جہانِ خراب میں
اے بیخودی ہم آئے ہیں کس کام کے لیے

آصورت کا دل ملے گا مرے دل سے کس طرح
وہ کفر کے لیے ہے ، یہ اسلام کے لیے

وعدہ کرے وہ رات کا اپنا یہ حال ہو
مانگیں دعائیں صبح سے ہم شام کے لیے

دو گے جو بوسہ پاؤ گے نامِ خدا ثواب
دنیا یہ وہ نہیں ہے جو ہو نام کے لیے

میں خوش ہوا کہ ہے وہی قاصد جو یہ سنا
حاضر ہے کوئی آدمی انعام کے لیے

جانےدو اہلِ کعبہ کو ہےاس میں مصلحت
جاتا ہوں بتکدے کو بڑے کام کے لیے

تعریف میں کسی کی نہ آیا کبھی وہ لطف
عاشق نے جو مزے تری دشنام کے لیے

سن کر کہا ہر اک نے ہمیں جان ہے عزیز
یا رب فرشتہ دے مرے پیغام کے لیے

کس طرح آ گئی شبِ دیجور ہجر میں
یہ تیرگی تھی زلفِ سیہ فام کے لیے

دل سا نہیں ہے کوئی بھی ہرکارہ اپنے پاس
موجود و مستعد ہے یہ ہر کام کے لیے

اچھا ہو یا برا ہو انھیں اس سے بحث کیا
احوال پوچھتے ہیں وہ الزام کے لیے

جب مل گئی تو اوک سے چلو سے پی ہی لی
ہم منتظر کبھی نہ رہے جام کے لیے

مجھ کو پلا دی بزم میں اس چشمِ مست نے
ترسے مری بلا مئے گلفام کے لیے

اُس فتنہ گر کی بزم ہو کیونکر نہ فتنہ خیز
یہ کام تھا فلک کو سرانجام کے لیے

آیا وہاں سے بیخود و مدہوش بن کے تو
بھیجا تھا ہم نشیں تجھے کس کام کے لیے

عقبیٰ کی فکر کر کہ یہ عملت بری ہے داغ
دنیا نہیں ہے راحت و آرام کے لیے

۴۳

حیا و شرم سے چپ چاپ کیا وہ آ کے چلے
اگر چلے تو مجھے سیدھیاں سنا کے چلے

وہ شاد شاد دمِ صبح مسکرا کے چلے
ستم تو یہ ہے کہ مجھ کو گلے لگا کے چلے

یہ چال ہے کہ قیامت ہے اے بتِ کافر
خدا کرے کہ یونہی سامنے خدا کے چلے

ہمارے دودِ جگر میں ذرا نہیں طاقت
یہ ابرِ تر ہے کہ گھوڑے پہ جو ہوا کے چلے

مرے بجھائے بجھے گی نہ یہ لگی دل کی
بجھاتے جاؤ، کہاں آگ تم لگا کے چلے

تمہیں ہو چور بھری بزم میں، ادھر آؤ
نظر چرائے ہوئے دل کہاں چرا کے چلے

ہوئے ہیں شادی و غم اختیار میں اُن کے
کبھی ہنسا کے چلے وہ، کبھی رلا کے چلے

ہماری خاک کی ڈھیری تمہارے کوچے میں
ذرا لگی تھی کہ جھوکے وہیں ہوا کے چلے

وہ میہماں نہیں ایسے کہ جائیں خالی ہاتھ
کہ جب چلے تو مرے دل کو لے لوا کے چلے

طریقِ عشق میں سوجھا کسے نشیب و فراز
وہ کیا چلے جو سہارے پہ رہنما کے چلے

نہیں ہے دل کو مرے صرصرِ فنا سے خطر
یہ کشتی ایسی ہے جو سامنے ہوا کے چلے

بچائیں دل کو کہاں تک ہم ایسے تیروں سے
لگہ لگہ کے چلے ہیں ادا ادا کے چلے

دکھائی دی ہمیں راہِ عدم جو تیرہ و تار
ہم اپنی مشعلِ داغِ جگر جلا کے چلے

پڑی جو اُس کی نظر دل تڑپ کے یوں نکلا
کہ جس طرح کوئی نخچیر تیر کھا کے چلے

خبر نہیں کہ کوئی تاک میں بھی بیٹھا ہے
یہ جھٹپٹے میں کہاں آپ منہ چھپا کے چلے

ادھر تو آؤ مجھے دو دو باتیں کرنی ہیں
یہ کیا کہ دور سے صورت فقط دکھا کے چلے

وہ رحم کھائیں گے کیا داغ ہوش میں آؤ
تم اُن کے آگے برا حال کیوں بنا کے چلے

۳۴

ہلایا جب مری آہ و فغاں نے
زمیں پکڑی ہے کیا کیا آسماں نے

تعجب ہے کہ اس بیداد پر بھی
تجھے اچھا کہا سارے جہاں نے

لیا جب نام اُس شیریں دہن کا
لیے ہیں کیا مزے میری زباں نے

کھلے وہ کھل گیا جب بھید اُن پر
اُلٹیں کھولا مرے رازِ نہاں نے

ملی یہ داد میرا قصہ سن کر
اُڑائی نیند تیری داستاں نے

وہ یہ سمجھے سبھی عاشق ہیں سچے
بچایا سب کو میرے امتحاں نے

وہ جب تربت پہ آئے میں نہ اٹھا
سبک مجھ کو کیا خوابِ گراں نے

نہ گڑنے دی مری میت کئی دن
نہ چھوڑی بدگمانی بدگماں نے

رہی جن سے بہارِ باغِ عالم
انھی پھولوں کو توڑا باغباں نے

ترے ہاتھوں کو مہندی نے کیا لال
مرے چہرے کو چشمِ خوں فشاں نے

خیالِ زلفِ شبگوں شب کو آیا
مجھے مارا بلائے ناگہاں نے

مرا رونا کہا اُس بدگماں سے
ڈبویا مجھ کو میرے رازداں نے

لباسِ غیر میں دی مجھ کو خوشبو
تمہارے گیسوے عنبر فشاں نے

اکڑنا دیکھ کر سروِ چمن کا
بھرا بل کھا مرے بانکے جواں نے

حقیقت میں تو اس قابل نہ تھا داغ
بہت کی قدر شاہِ قدر داں نے

۳۵

آپ کی شان ہے کیا شان رسولِ عربی
آپ پر جان ہے قربان رسولِ عربی

کس نے یہ مرتبہ پایا ہے، ہوا کس کو عروج
سوئے اللہ کے مہمان رسولِ عربی

ہے قیامت میں اسے کون بچانے والا
تم ہو امت کے نگہبان رسولِ عربی

ہے وہی حکمِ خداوندِ تعالیٰ بےشک
جو ہوا آپ کا فرمان رسولِ عربی

آپ کا مرتبہ ہے حضرتِ آدم سے بلند
کوئی ایسا نہیں انسان رسولِ عربی

آپ کے نام کا کلمہ ہے مسلماں کی جان
ہے یہ دین دار کا ارمان رسولِ عربی

خانہ ویران بھی ہوں بےسروساماں بھی ہوں
کوئی بنتا نہیں سامان رسولِ عربی

میں گنہگار ہوں ایسا کہ دعا کرتے بھی
دل میں ہوتا ہوں پشیمان رسولِ عربی

اپنی امت کے نگہبان ہیں کونین میں آپ
آپ کا حق ہے نگہبان رسولِ عربی

مجھ کو انجام کی ہے فکر کہ کیا ہونا ہے
گم ہیں اس خوف سے اوسان رسولِ عربی

آئینہ خانے کی صورت ہے یہ حیرت خانہ
آدمی کیوں نہ ہو حیران رسولِ عربی
میں گرفتار غم و رنج رہوں گا کب تک
میری مشکل کرو آسان رسولِ عربی
نیک کاموں میں شب و روز بسر ہو میری
رات دن ہے یہی ارمان رسولِ عربی
آپ کا رتبہ ہے ایسا کہ جنابِ جبریل
آپ کے در کے ہیں دربان رسولِ عربی
میر محبوب علی خان کو ملے عمر دراز
ہے دعا داغ کی ہر آن رسولِ عربی

۳۶

فتنہ گر آنکھ تھی وہ زلفِ دوتا اور ہوئی
یہ وبالِ دل و جان ایک بلا اور ہوئی
چارہ گر سے مجھے تکلیف سوا اور ہوئی
دل کو تھا اور مرض، اس کی دوا اور ہوئی
راہ پر آئے تو ہیں گھر میں بھی آجائیں گے
ایک مقبول اگر میری دعا اور ہوئی
خواہشِ وصل میں بر آئی تمنائے وصال
وہ تو پوری نہ ہوئی اس کی سوا اور ہوئی
آدمی کے لیے جنت بھی نہ دوزخ ہوجائے
راس کب آئی اگر آب و ہوا اور ہوئی
جرم پر جرم کروں دیں گے سزا کس کس کی
تھک نہ جائیں گے خطا پر جو خطا اور ہوئی

وہ یہ کہتے ہیں نئی بات نہیں رسمِ جفا
ہوتی آئی ہے ہمیشہ سے یہ کیا اور ہوئی

اب جو ہے مجھ پہ جفا اُس کی شکایت کرلوں
یا تو بالکل نہ ہوئی جبر سے یا اور ہوئی

ظہر کا وقت تو یا داورِ محشر گزرا
کیا کریں گے جو نماز اپنی قضا اور ہوئی

پیشتر ہی ترے لاکھے نے رلایا تھا لہو
خون کرنے کو مرے دل کے حنا اور ہوئی

عاشقوں کا بھی وہ اندازِ طبیعت نہ رہا
پہلے کچھ اور تھی اب رسمِ وفا اور ہوئی

دل میں کچھ خارِ محبت کی ابھی سے ہے خلش
ہم کہاں اس کی اگر نشو و نما اور ہوئی

داغ میخانے سے بت خانے کو تو جا پہنچا
تیری تعریف یہ اے مردِ خدا اور ہوئی

۳۷

کرو غم سے آزاد یا مصطفیٰ
تمھی سے ہے فریاد یا مصطفیٰ

نہ پامال مجھ کو زمانہ کرے
نہ مٹی ہو برباد یا مصطفیٰ

زباں پر ترا نام جاری رہے
کرے دل تری یاد یا مصطفیٰ

نہ چھوٹے کبھی مجھ سے راہِ صواب
نہ ہو ظلم و بیداد یا مصطفیٰ

عطا مجھ کو اللہ ہمت کرے
بجا لاؤں ارشاد یا مصطفیٰ

مجھے گھیر رکھتا ہے امراض نے
مٹے ان کی بنیاد یا مصطفیٰ

مجھے رات دن فکر ہے قرض کی
اسی سے ہوں ناشاد یا مصطفیٰ

رہوں حشر میں آپ کی ذات سے
طلبگارِ امداد یا مصطفیٰ

عنایت کی ہو جائے اس پر نظر
رہے داغ دل شاد یا مصطفیٰ

۳۸

نہ تھی تاب اے دل تو کیوں چاہ کی
بڑا تیر مارا اگر آہ کی

وہی ایک ہے خاک دیر و حرم
دل اس راہ کی لے گئے اس راہ کی

خدا جانے کیا بن گئی دل پر آج
صدا ہے جو اللہ اللہ کی

اڑاتے ہو بے پر کی تعریف میں
بندھی ہے ہوا کس ہواخواہ کی

وہ پیغام رخصت کا منہ پھیر کر
وہ شرمیلی آنکھیں سحرگہ کی

اجاڑے ہیں گھر تو نے کافر بہت
کہاں جائے مخلوق اللہ کی

تم آنا ہمارے جنازے کے ساتھ
یہ تکلیف کرنا خدا راہ کی

کبھی دو، کبھی سو ملیں گالیاں
مقرّر ہماری نہ تنخواہ کی

فلک سا بھی ظالم کوئی اور ہے؟
مگر عمر اس کی نہ کوتاہ کی

اسے ہم نے دیکھا جسے دیکھ کر
لگہ نے تری شرم ناگاہ کی

گیا دل ترے پاس اک آن میں
مسافت بہت کم ہے اس راہ کی

کہا بوسۂ آستاں پر بہ طنز
نہیں ہے یہ دہلیز درگاہ کی

نہیں بے سبب ان بتوں کا غرور
کچھ اس میں بھی حکمت ہے اللہ کی

نہ لیتے گئے بے وفا جان کر
اگر جان بھی اُن کے ہمراہ کی

مرے دل میں برچھی چبھو کر کہا
خبردار تو نے اگر آہ کی

یکایک ڈسا تیری کاکل نے دل
اس افعی نے کیا چوٹ ناگاہ کی

یہ سمجھائے دیتے ہیں اے داغ ہم
اطاعت کیے جاؤ تم شاہ کی

۳۹

اللہ ہی اللہ ہے صنم خانے میں کیا ہے
لو برہمنو جاتے ہیں اپنا بھی خدا ہے

۵۰۰

بگڑی ہوئی کچھ ایسی زمانے کی ہوا ہے
دل زلف پریشاں سے پریشان ہوا ہے

یہ جرمِ وفا پر مجھے ارشاد ہوا ہے
بخشے جو تجھے بخشنے والے کی خطا ہے

اب داغ کے احوال سے مطلب تمھیں کیا ہے
اچھا ہے تو اچھا ہے برا ہے تو برا ہے

کس بات پہ ہم رشکِ مسیحا تمھیں جانا
دمباز تمھارا لبِ اعجاز نما ہے

کھولے ہیں اسیری میں تری زلف کے پھندے
میرا دل آزاد بھی کیا عقدہ کشا ہے

تو ہاتھ ذرا کھول کہ میں آنکھ سے دیکھوں
دل ہے کہ ستم گر تری مٹھی میں قضا ہے

میخانے کو جاتا تھا چھپے چوری سے زاہد
للکار کے میں نے یہ کہا "دیکھ لیا ہے"

مختار ہے تو اپنا تو خم ہے سرِ تسلیم
مرضی وہی عاشق کی ہے جو تیری رضا ہے

کیوں دردکو دل کے نہ کلیجے سے لگا لوں
اس نے ہی پسِ مرگ مرا ساتھ دیا ہے

یہ مجھ سے کہا شکوۂ بیداد پر اس نے
تجھ کو کسی معشوق سے پالا بھی پڑا ہے

سب عیش کے سامان بگڑ جاتے ہیں بن کر
کیا خانہ خرابی نے یہ گھر دیکھ لیا ہے

گھر سے ہیں رقیبوں کے تو کچھ غم نہیں ہم کو
نکلیں گے سبک ہو کے کوئی دم کی ہوا ہے

نسبت تری ابرو سے ہو کیوں کر مہِ نو کو
یہ حسن میں مشہور ، وہ انگشت نما ہے
فرصت ہے کہاں فکرِ سخن کی ہمیں دم بھر
مجبور ہیں اس سے کہ تقاضاے وفا ہے
میخانے میں فتویٰ ہے یہی پیرِ مغاں کا
سب عہدِ جوانی میں جوانوں کو روا ہے
محشر میں اگر جائے ہماری شبِ فرقت
خورشید قیامت کہے یہ کون بلا ہے
آرام سا آرام دیا ، داغ کو دن رات
آباد رہیں حضرتِ آصف یہ دعا ہے

۴۰

انھیں نفرت ہوئی سارے جہاں سے
نئی دنیا کوئی لائے کہاں سے
ترے ہاتھوں غبارِ کشتگاں سے
زمیں ٹکرا رہی ہے آسماں سے
کھلا کب مدعا اُن کے بیاں سے
زبانی خرچ تھا ، خالی زباں سے
پریشاں وہ اٹھے خوابِ گراں سے
مری فریاد ہے آہ و فغاں سے
نہیں وہ صاف اپنے رازداں سے
خدا پالا نہ ڈالے بدگماں سے
وہ توڑیں عہد لیکن فکر یہ ہے
خدا نکلے گا کیوں کر درمیاں سے

تمھاری بات لگتی ہے مجھے تیر
لگہ کا کام لیتے ہو زباں سے
گئے کیوں توبہ کر کے اس طرف ہم
کہ شرمانا پڑا پیرِ مغاں سے
ذرا نرمی بھی کر اے سخت جانی
تھکا جاتا ہے قاتل امتحاں سے
مجھے مہماں تو کر لو ہم صفیرو !
جو ٹوٹی شاخ بارِ آشیاں سے
سگِ لیلیٰ بھی مجنوں کو پیارا
لگاوٹ کر رہا ہوں پاسباں سے
کہوں کیونکر تری باتیں ہیں جھوٹی
زباں پکڑی نہیں جاتی زباں سے
تسلی کو دلِ افسردہ کی ہم
گلِ پژمردہ لائے بوستاں سے
چھپا پھولوں میں اے بادِ بہاری
مجھے کھٹکا ہے خارِ آشیاں سے
خبر ادنیٰ کی ہے اعلیٰ کو معلوم
زمیں کو پوچھتے ہو آسماں سے
لگا ہے سنگ مقناطیس گویا
جبیں اٹھتی نہیں اس آستاں سے
سوالِ وصل پر چپ ہو رہے کیوں
زباں کا کام لیتے ہیں زباں سے
فرشتے دفترِ عصیاں نہ لکھیں
نہ اٹھے گا یہ دوشِ ناتواں سے

اُنھیں جس بات سے تھی سخت نفرت
وہی بے ساختہ نکلی زباں سے

عدو بھی اب تو مجھ پر رحم کھا کر
سفارش کر رہے ہیں آسماں سے

لگا رکھیے گا دم جھانسوں میں دو چار
کہ پھر مشتاق آئیں گے کہاں سے

نظر پر کیوں چڑھا کر مجھ کو پٹکا
گرایا کیوں زمیں پر آسماں سے

اگر ہو آنکھ تو سرمہ بنائیں
خضر بھی میری گردِ کارواں سے

بشر کیوں کر نہ دیکھیں حسن تیرا
فرشتے جھانکتے ہیں آسماں سے

جہاں کے ہو رہے بس ہو رہے ہم
قفس بھی کم نہیں ہے آشیاں سے

لڑائیں گے زباں امید یہ تھی
مگر لڑنے لگے وہ تو زباں سے

بنا دے کوئی مسجد بت کدے پر
کہ دہرا فیض ہو دہرے مکاں سے

کہے دیتے ہیں تیور نامہ بر کے
کہ یہ خالی نہیں آیا وہاں سے

مزا ہے اُن سے ہوگی گفتگو تر
زباں کے لیں گے چٹخارے زباں سے

پھرے وحشت میں مثلِ گردِ صحرا
نہ بیٹھے ہم وہاں اُٹھے جہاں سے

وہ کوہِ طور تھا موسیٰ کا حصہ
الٰہی میں تجھے دیکھوں کہاں سے
رسائی کی اگر قسمت نے اپنی
ملیں گے خلد میں خلد آشیاں[1] سے
دلِ بے تاب سے ہے ناک میں دم
الٰہی صبر میں لاؤں کہاں سے
ترے در پر جگہ ہے داغ کی گرم
ابھی اٹھ کر گیا ہے وہ یہاں سے

۷۱

ایذائے درد و غم تری قسمت میں مل گئی
ملنی تھی جو سزا وہ محبت میں مل گئی
یہ شکل اتحاد کی صورت میں مل گئی
تصویر آپ کی مری حیرت میں مل گئی
آنکھوں کو تیرگی شبِ فرقت میں مل گئی
اس سے جو کچھ بچی مجھے تربت میں مل گئی
دل آتشِ فراقِ صنم نے جلا دیا
دوزخ سے جو بچی مجھے جنت میں مل گئی
پورا دیا جواب نہ قاصد نے جب مجھے
آدھی امید یاس میں حسرت میں مل گئی
آرام بعدِ مرگ ملا دردِ عشق سے
خاکِ شفا نصیب سے تربت میں مل گئی

۱ - نواب کلب علی خان والی رامپور ۔

۵۰۵

بیداد گر کو آئے گا بیداد کا مزا
گر داد عاشقوں کو قیامت میں مل گئی

دل کو ہے اضطراب ، نہ وحشت مزاج میں
آسائش ایسی کنجِ قناعت میں مل گئی

برگشتہ اس سے دل جو ہوا ، اور غم ہوا
برگشتگی وہی مری قسمت میں مل گئی

دنیا میں جانتا ہوں کہ جنت ملی مجھے
راحت اگر ذرا سی مصیبت میں مل گئی

وقتِ اخیر آ ہی گیا موت کا مزا
یہ لذّت اور درد کی لذت میں مل گئی

اس پر بھی ہم کو ناز ہے مشہور تو ہوئے
رسوائی اپنی آپ کی شہرت میں مل گئی

بلبل کا نالہ کیوں مری فریاد میں ملا
کیوں گل کی رنگت آپ کی رنگت میں مل گئی

اے داغ شکر کر کہ شرف یاب تو ہوا
دل کی مراد حجّ و زیارت میں مل گئی

۴۲

سب متاعِ دین و دنیا چاہیے
اے ہوس تجھ کو بھی کیا کیا چاہیے

دین و دل یا مالِ دنیا چاہیے
آپ کو کیا چاہیے کیا چاہیے

عقل کہتی ہے نہ ہو آزارِ عشق
شوق کہتا ہے کہ ہونا چاہیے

دل مقابل اس صفِ مژگاں کے ہے
لڑنے مرنے کو کلیجا چاہیے

اڑ گیا بادِ خزاں سے آشیاں
مجھ کو تنکے کا سہارا چاہیے

لینے والے کی تو کوئی حد بھی ہے
دینے والے کو بہت سا چاہیے

اب تو دیکھی ہے بری حالت مری
پھر بھی دیکھیں گے وہ دیکھا چاہیے

عاشقی میں جو نہ کرنا تھا کیا
اب ہمیں کیا کام کرنا چاہیے

مر نہ جاؤں کر کے ارمانِ وصال
موت کو کوئی بہانا چاہیے

اس کو مل جائے اگر چاہت کی داد
چاہنے والے کو پھر کیا چاہیے

لکھ رہے ہیں کیا کراماً کاتبیں
میرے دل کا حال لکھنا چاہیے

داغ کو حور و پری سے کیا غرض
آدمی اچھے سے اچھا چاہیے

۴۳

دل میں فرحت جو کبھی آتی ہے
اپنے رونے پہ ہنسی آتی ہے

کیوں صبا کو نہ بناؤں قاصد
ابھی جاتی ہے ، ابھی آتی ہے

کیا ہے گنتی مرے ارمانوں کی
فوج کی فوج چلی آتی ہے

یہ سبب کیا ہے جدھر جاتا ہوں
سامنے تیری گلی آتی ہے

پیشوائی کو تری گلشن میں
نکہتِ گل بھی اُڑی آتی ہے

جانِ عاشق کی ترے وعدے پر
کبھی جاتی ہے، کبھی آتی ہے

اس کی باتوں پہ مرے ماتم میں
رونے والوں کو ہنسی آتی ہے

شاخِ امید جو ہوتی ہے ہری
ساتھ پتی کے کلی آتی ہے

کیا عدم سے ہمیں آنے کی خوشی
موت بھی ساتھ لگی آتی ہے

تجھ کو اے غنچہ و گل اس کی طرح
کھل کھلا کر بھی ہنسی آتی ہے

مجرمِ عشق ہوئے تم اے داغ
اب وہاں سے طلبی آتی ہے

۴۷

چلے آتے ہی ایسے بے قرار آئے تو کیا آئے
کہ گھوڑے پر ہوا کے تم سوار آئے تو کیا آئے

کسی نے مڑ کے کب دیکھا چلے دے کر مجھے مٹی
گئے تو کیا گئے پھر سوگوار آئے تو کیا آئے

کسی میں کچھ بہانہ ہے ، کسی میں عذر ہے کوئی
لگاتار آج میرے نام تار آئے تو کیا آئے

بہت تکلیف پائی ہے ، بہت صدمے اٹھائے ہیں
طبیعت اب کہیں بے اختیار آئے تو کیا آئے

زمانہ جانتا ہے تم ہو جھوٹے اک زمانے کے
زمانے کو تمہارا اعتبار آئے تو کیا آئے

ہماری بات کیا سمجھے گا تو اے ناصحِ ناداں
سمجھ میں تیری اے ناکردہ کار آئے تو کیا آئے

ہوا بھی تیری خلوت گاہ میں آنے نہیں پاتی
ترے در تک مرا مشتِ غبار آئے تو کیا آئے

تسلی ہے نہ تسکیں ، یہ کوئی آنے میں آنا ہے
عیادت کو مری وہ چند بار آئے تو کیا آئے

لگا رکھا تمھیں آتا نہیں ، بس ہے کسر اتنی
تمہارے دم میں کوئی بار بار آئے تو کیا آئے

سوالِ عشق کرنا تھا کہ عاشق کو مزا آتا
فرشتے پوچھنے زیرِ مزار آئے تو کیا آئے

شمار اہلِ وفا کا جو ہو دنیا میں تو بہتر ہے
تری گنتی میں وہ روزِ شمار آئے تو کیا آئے

بڑھی آتی ہے آگے ناامیدی پیشوائی کو
ترے در پر کوئی امیدوار آئے تو کیا آئے

قدم رکھا تھا بازی گاہِ الفت میں کہ دل کھویا
گئے تھے جیتنے کیا چیز ہار آئے تو کیا آئے

جو ہیں اہلِ ہوس ساقی ، شرابِ عشق کا ان کو
سرور آئے تو کیا آئے ، خمار آئے تو کیا آئے

نہیں آنکھیں لگاہیں شرم سے کیا تیر مارو گے
تمھارے ہاتھ اب دل کا شکار آئے تو کیا آئے
تمھاری بزم میں دیکھا نہ ہم نے داغ سا کوئی
جو سو آئے تو کیا آئے ، ہزار آئے تو کیا آئے

۴۵

خاک اُس سے عشق نے چھنوائی تھی
دشت میں مجنوں کی مٹی لائی تھی
یاد ہے وعدہ کیا تھا وصل کا
اور پھر تم نے قسم بھی کھائی تھی
وہ زمانہ یاد آتا ہے ہمیں
ہائے کس کس پر طبیعت آئی تھی
اور بھی عاشق تھے کیا میرے سوا
تم نے گنتی اُن کی کیوں گنوائی تھی
ہے یہی افسردہ دل کو لطفِ باغ
ہم نے چن لی جو کلی مرجھائی تھی
سن کے عاشق کی خبر ، کہنے لگے
کیا کریں ہم ، موت اُس کی آئی تھی
دیکھ آئے ہم ترے بیمار کو
مردنی چہرے پر اُس کے چھائی تھی
رحمت باری نہ تھی گر زاہدو
پھر گھٹا میخانے پر کیوں چھائی تھی
اس ادا سے صبح کو وہ کھو گئے
تیغ تھی اے داغ یا انگڑائی تھی

۳٦

عاشقی میں یہ بری بات ہوا کرتی ہے
رنج سے ٹوک ملاقات ہوا کرتی ہے
آئنہ رکھ کے یہی بات ہوا کرتی ہے
آمنے سامنے دن رات ہوا کرتی ہے

گریۂ عاشقِ بے تاب پہ ہنس کر بولے
اب تو بے فصل بھی برسات ہوا کرتی ہے

دینے والوں کا بھی منہ آپ نے دیکھا ہے کبھی
ایک بوسے کی بھی خیرات ہوا کرتی ہے

اے سہی قد تجھے کہتے ہیں جو طوبیٰ قامت
یہی دنیا میں بڑی بات ہوا کرتی ہے

خاکساروں کو بھی آرام نہیں زیرِ فلک
کہ زمیں موردِ آفات ہوا کرتی ہے

غم کھلاتے ہیں وہ مہمان بلا کر مجھ کو
یہ ضیافت، یہ مدارت ہوا کرتی ہے

متقی معتقدِ پیرِ مغاں ہوتے ہیں
ان سے ظاہر یہ کرامات ہوا کرتی ہے

فاتحہ کو بھی لحد پر نہیں آتا ہے کوئی
جیتے جی سب سے ملاقات ہوا کرتی ہے

عشق کیا جرم ہے انساں کے لیے اے واعظ
اس گنہ کی بھی مکافات ہوا کرتی ہے

مجلسِ وعظ میں انسان فرشتے دیکھے
کیا یہ جنّت کی ملاقات ہوا کرتی ہے

دو گھڑی دن رہے بازار کا جانا نہ گیا
خوب پابندیِ اوقات ہوا کرتی ہے
دلِ نکل کر مرے پہلو سے پھنسا گیسو میں
کیا مسافر کو یوں ہی رات ہوا کرتی ہے
داغ صاحب سے کبھی گرم تھی صحبت دن رات
اب تو برسوں میں ملاقات ہوا کرتی ہے

۴۷

رہوں ستم سے بھی محروم یہ ستم کیا ہے
وہ دیکھ کر مجھے کہتے ہیں اس میں دم کیا ہے
سنبھل کے کیجیے انکار بزمِ دشمن کا
نشیلی آنکھ یہ کیوں، لغزشِ قدم کیا ہے
اب آپ عہد شکن اور بدگماں میں ہوں
جو ہے خدا کی قسم بھی تو وہ قسم کیا ہے
مزا نمازِ سحر کا تو سن لیا زاہد
وہ لطف جامِ صبوحی کا صبح دم کیا ہے
ہم اور دفترِ غم اُن کا کیا نہ لکھ سکتے
جب انگلیوں میں نہیں دم تو پھر قلم کیا ہے
کھلیں گے راز تمہارے سنو گے کیا کیا کچھ
نہ پوچھنا کبھی مجھ سے کہ تجھ کو غم کیا ہے
یہ جھک پڑا ہے فلک سب کی پائمالی کو
بغیر وجہ ستم گر کی پشت خم کیا ہے
غمِ فراق میں جو روز مرتے جیتے ہیں
وہ جانتے ہی نہیں ہستی و عدم کیا ہے

غنیمت اپنے لیے ہجر میں ہے خونِ جگر
جو رزق کھانے کو یہ بھی ملے تو کم کیا ہے

سرِ نیاز سلامت رہے پئے تسلیم
نہیں تمیز ہمیں دیر کیا، حرم کیا ہے

شمار کثرتِ عصیاں کا ہو نہیں سکتا
کسے خبر ہے کہ اندازۂ کرم کیا ہے

کسی کے تیرِ نگہ کو ملے جگہ کیوں کر
ہجومِ داغِ الم میرے دل میں کم کیا ہے

تمھاری آنکھ، تمھاری نگہ تو ہے بے مہر
تمھارے دل میں نہیں جانتے ہیں ہم کیا ہے

نظر جو آئیں تو ہم دیکھ لیں خطِ تقدیر
ہمیں خبر ہی نہیں لوح کیا، قلم کیا ہے

دیا جو داغ نے ظاہر وہ سب کو ہے معلوم
ملی ہے تم کو جو چپکے سے وہ رقم کیا

۴۸

یہ تماشا دیکھیے یا وہ تماشا دیکھیے
دی ہیں دو آنکھیں خدا نے ان سے کیا کیا دیکھیے

چھیڑ کر مجھ کو ذرا میرا تماشا دیکھیے
دیکھتے ہی دیکھتے ہوتا ہے کیا کیا دیکھیے

آپ کے چاہِ ذقن سے دل نہ نکلے گا کبھی
یہ کنویں میں گر پڑا آنکھوں کا اندھا دیکھیے

ہیں ادائیں سی ادائیں اس سراپا ناز کی
اک نیا انداز پیدا ہو گا جتنا دیکھیے

اس کا ثانی ہے کہاں پیدا ان آنکھوں سے اگر
ساری دنیا دیکھیے ، سارا زمانا دیکھیے

یہ چھری میرے ہی دل پر چل رہی ہے ورنہ اب
دیکھنے والا تو کوئی اس ادا کا دیکھیے

تیزیِ تیغِ نظر کو آپ پہلے دیکھ کر
پھر مرا دل دیکھیے ، میرا کلیجا دیکھیے

بعد میرے یوں وفا کوئی کرے گا کیا مجال
سوچیے دل میں ، سمجھیے آپ ، اتنا دیکھیے

مجھ کو راہِ عشق میں سوجھا نہ اپنا نیک و بد
رہنما کہتا رہا رستہ ہے ٹیڑھا دیکھیے ؟

داد وہ بھی دے ہمارے دیکھنے کی بزم میں
کام کر جائے نگاہِ شوق ایسا دیکھیے

مجھ کو بسمل کر کے ظالم نے کہا منہ پھیر کر
یہ تماشا ہے پرانا پھر اسے کیا دیکھیے

داغ دیکھے چاند کو کیوں دیکھ کر چہرہ ترا
جو ہو صورت دیکھی بھالی پھر اسے کیا دیکھیے

۴۹

یہ بات بات میں کیا نازکی نکلتی ہے
دبی دبی ترے لب سے ہنسی نکلتی ہے

ٹھہر ٹھہر کے جلا دل کو ، ایک بار نہ پھونک
کہ اس میں بوئے محبت ابھی نکلتی ہے

بجائے شکوہ بھی دیتا ہوں میں دعا اس کو
مری زباں سے کروں کیا وہی نکلتی ہے

خوشی میں ہم نے یہ شوخی کبھی نہیں دیکھی
دمِ عتاب جو رنگت تری نکلتی ہے

ہزار بار جو مانگا کرو تو کیا حاصل
دعا وہی ہے جو دل سے کبھی نکلتی ہے

ادا ادا سے تری کھنچ رہی ہیں تلواریں
نگہ نگہ سے چھری پر چھری نکلتی ہے

محیط عشق میں ہے کیا امید و بیم مجھے
کہ ڈوب ڈوب کے کشتی مری نکلتی ہے

جھلکتی ہے سرِ شاخِ مژہ سے خون کی بوند
شجر میں پہلے ثمر سے کلی نکلتی ہے

شبِ فراق جو کھولے ہیں ہم نے زخمِ جگر
یہ انتظار ہے کب چاندنی نکلتی ہے

سمجھ تو لیجیے، کہنے تو دیجیے مطلب
بیاں سے پہلے ہی مجھ پر چھری نکلتی ہے

کہا جو میں نے کہ مر جاؤں گا تو کہتے ہیں
ہمارے زائچے میں زندگی نکلتی ہے

سمجھنے والے سمجھتے ہیں پیچ کی تقریر
کہ کچھ نہ کچھ تری باتوں میں فی نکلتی ہے

دمِ اخیر تصور ہے کس پری وش کا
کہ میری روح بھی بن کر پری نکلتی ہے

صنم کدے میں بھی ہے حسن اک خدائی کا
کہ جو نکلتی ہے صورت پری نکلتی ہے

مرے نکالے نہ نکلے گی آرزو میری
جو تم نکالنا چاہو ابھی نکلتی ہے

غمِ فراق میں ہو داغ اس قدر بے تاب
ذرا سے رنج میں جان آپ کی لگاتی ہے

۵۰

دودِ دل ساتھ آہ لیتی ہے
ہم سفر کو ابلاہ لیتی ہے
ٹیڑھ کی وہ نگاہ لیتی ہے
بل کی زلفِ سیاہ لیتی ہے
تو ستم بھی کرے تو خلقِ خدا
اپنے ذمّے گناہ لیتی ہے
دل جو لیتا ہے عشق کا رستہ
جان بھی اپنی راہ لیتی ہے
تم خبر لو مری وگرنہ خبر
آسمان کی یہ آہ لیتی ہے
بخشوانے کو حرم آپ کی بلا
منّتِ داد خواہ لیتی ہے
شبِ فرقت سے کون لے بدلا
جان یہ روسیاہ لیتی ہے
کیوں ستاتی ہے گردشِ گردوں
کیوں غریبوں کی آہ لیتی ہے
دل کو لیتی ہے یوں صفِ مژگاں
قلعہ جیسے سپاہ لیتی ہے
خون عاشق کے دل کا پی پی کر
کیا مزے تیری چاہ لیتی ہے

۵۱٦

آرزو تیغِ یاس سے ڈر کر
میرے دل میں پناہ لیتی ہے
کیوں نہ بے تاب ہو ہمارا دل
صبر تیری نگاہ لیتی ہے
کس کس اہلِ سخن سے دیکھیں داغ
یہ غزل واہ واہ لیتی ہے

۵۱

اب تیرے کام کی بھی نزاکت نہیں رہی
دل توڑنے کے واسطے طاقت نہیں رہی
تغییرِ حالِ زار کی تاثیر دیکھنا
میری شبیہ کی بھی وہ صورت نہیں رہی
دیکھو جفا کے بعد تو دل چیر کر مرا
باقی رہی کہ اس میں محبت نہیں رہی
جب یہ سمجھ لیا کہ جفا کام ہے ترا
کچھ مجھ کو تجھ سے کوئی شکایت نہیں رہی
جس روز سے ہمیں دلِ بے مدعا ملا
دنیا میں کوئی ہم کو ضرورت نہیں رہی
ایسی جفا اٹھا کے تری چاہ کیا کروں
مجبور ہو گیا مری ہمت نہیں رہی
اب تمکنت سمائی تمہارے مزاج میں
وہ چلبلی ادا ، وہ شرارت نہیں رہی
جیسے تھے وہ کھنچے انہیں لاتا تھا کھینچ کر
تاثیر تجھ میں جذبِ محبت نہیں رہی

۵۱۷

انساں کے لیے ہے بڑی چیز آبرو
کیا عاشقی کا لطف جو عزّت نہیں رہی

محفل میں اُن کی ، رات کو یہ رعب داب تھا
پروانے کو بھی شمع سے صحبت نہیں رہی

اچھا ہوا کہ مرگِ عدو پر پیے جو اشک
دل میں ترے کسی کی کدورت نہیں رہی

دعوائے عشق اور تنک ظرف بھی کریں
کیفیّتِ شرابِ محبّت نہیں رہی

بزمِ عدو میں انجمن آرا تو وہ رہا
سنتے ہیں ہم کہ لطف کی صحبت نہیں رہی

ایسا ہوں محوِ شدّتِ دیدارِ یار اب
میرے خیال میں مری صورت نہیں رہی

سب کچھ دیا ہے داغ کو شاہِ نظام نے
آبائی اُس کی گرچہ ریاست نہیں رہی

۵۲

مجھ کو عشقِ زلفِ عنبر فام ہے
صبحِ محشر بھی نظر میں شام ہے

عشق پر تکلیف کا الزام ہے
درد میرے واسطے آرام ہے

حسن میں حور و پری کا نام ہے
آدمی کو آدمی سے کام ہے

بزم سے میرے اُٹھانے کے لیے
پوچھتے ہیں آپ کو کچھ کام ہے ؟

جس کے دل کو دیکھیے تیرا ہے عشق
جو زباں ہے اس پہ تیرا نام ہے

دیدہ و دل دونوں ہیں مصروف عشق
کام والوں کو ہمیشہ کام ہے

مٹ گیا دردِ محبت کا مزہ
خلد میں آرام ہی آرام ہے

میکدہ کیا، جا کے مسجد میں بھی رند
پوچھ لیتے ہیں[۱] مے گلفام ہے؟

لیجیے پکڑا گیا خط آپ کا
یہ لفافے پر عدو کا نام ہے

کر لیا نکہت سے اپنی دل اسیر
ان گل اندامو ں کا اچھا دام ہے

بے محل دینے سے ہے کیا فائدہ
بارشِ بے وقت و بے ہنگام ہے

کیوں بناتے ہو رقیبوں کو مشیر
تم کو مجھ سے، مجھ کو تم سے کام ہے

ایک شکوہ کر کے پچھتایا[۲] ہوں میں
رات دن دشنام پر دشنام ہے

وہ دمِ آخر نہ آئے میرے پاس
دشمنوں نے کہہ دیا آرام ہے

کوئی سکتے میں ہے، کوئی مضطرب
اک تماشا ان کے زیرِ بام ہے

۱ - متن میں ''میں'' ہے -
۲ - متن میں ''پچھتایا'' املا ہے - آج کل ''پچھتایا'' بولا اور لکھا جائے گا - (مرتب)

دل ہے پرخوں ، آنکھ میں آنسو نہیں
شیشہ ہے لبریز ، خالی جام ہے
اُن کے قاصد نے کچھ ایسی بات کی
میں نے جانا موت کا پیغام ہے
وہ جلاتا بھی ہے خود جلتا بھی ہے
جانتے ہو داغ کس کا نام ہے

۵۳

ہم کیا کریں جو سلطنتِ روم و شام ہے
بے مثل بادشاہ ہمارا نظام ہے
کیا دل دہی کے ساتھ جوابِ پیام ہے
اے نامہ بر ! تجھے تو ہمارا سلام ہے
محشر میں کامیاب ہوں اس میں کلام ہے
یہ طولِ مدعا ہے تو بس دن تمام ہے
دل سے نکل گئی تھی شبِ ہجر ایک آہ
اُس دن سے آسمان پےُ انتقام ہے
ہر وقت سوزِ عشق سے روشن ہے داغِ دل
ایسے چراغ کو نہ سحر ہے نہ شام ہے
کرتا ہے ہجرِ یار میں کیا خونِ آرزو
تلوار کا جو کام ہے وہ دل کا کام ہے
جھوٹی ہمیشہ کھاتے ہو قرآن کی قسم
تم جانتے نہیں یہ خدا کا کلام ہے
خواب و خیالِ وصل کا کیونکر ہو اعتبار
اے دل سمجھ لے تو یہ پریشاں وہ خام ہے

کیا مجرمانِ عشق کی ہو گی نہ مغفرت
واعظ ترے کلام میں ہم کو کلام ہے
وہ فاتحہ کے واسطے ہر روز آئیں گے
لوحِ مزار پر مرے دشمن کا نام ہے
دل میں ہمارے آ کے ترا جی بہل گیا
کیوں کیا کہا تھا ہم نے،یہ کیسا مقام ہے
اس کا ستم شریک زمانہ بھی ، چرخ بھی
کیسا جفائے یار کا اب اہتمام ہے
تم کس کے میہمان ، مرے میہمان ہو
دل کس کا ہے مقام ، تمہارا مقام ہے
ناصح کی بات بات مجھے تیر ہو گئی
دل چھید ڈالے یہ کوئی طرزِ کلام ہے
ہر چشمِ نقشِ پا میں جو ہیں فتنے کیا عجب
تو فتنہ گر ہے اور قیامت خرام ہے
آئیں نہ خواب میں بھی تو کیا وصل کا مزا
حوروں کو دور ہی سے ہمارا سلام ہے
بد وضع کہہ کے داغ کو مجرم بنو نہ تم
سرکار بادشاہ میں وہ نیک نام ہے

۵۷

جھوٹی پیوں رقیب کی مجھ کو حرام ہے
ساقی کے ہاتھ میں تو فقط ایک جام ہے
وہ چشمِ مست سامنے میرے مدام ہے
ایسے شراب خوار کو پینا حرام ہے

جو چھید ڈالے دل کو تمھاری نگاہ ہے
جو پس ڈالے دل کو تمھارا خرام ہے

ہر اہلِ درد کو درمِ داغ ہے نصیب
سرکارِ عشق کا بھی عجب فیضِ عام ہے

وہ رنج اٹھائے ہم نے اگر کوچہ آپ کا
دارالسلام ہے تو ہمارا سلام ہے

اس چپقلش میں فاتحہ کو وہ نہ آئیں گے
خلقت کا میری قبر پہ کیوں ازدحام ہے

جوشکل ہے تری وہی اک شوخ کی ہے شکل
جو نام ہے ترا وہی اس کا بھی نام ہے

اہلِ وفا میں تم نے کیا غیر کو شریک
تم جانتے نہیں وہ ہمارا غلام ہے

یا دل مقابلے کی نہیں تاب لا سکا
یا آج تُرک چشم کی تُرکی تمام ہے

ملنے کو آئے ہیں تو لڑے اجتناب سے
مجھ کو تو روزِ عید بھی ماہِ صیام ہے

"کہتے ہیں کس کو داغ" یہ کیا آپ نے کہا
لے دل میں چٹکیاں یہ اسی کا کلام ہے

۵۵

ہم نے مزے خیالِ رخِ یار کے لیے
دیدار والے جائیں گے دیدار کے لیے

کچھ خونِ دل ہے دیدۂ خوں بار کے لیے
کچھ ہے بچا کھچا غمِ آزار کے لیے

سرمہ ضرور ہے نگہِ یار کے لیے
یہ ناز چاہیے اسی تلوار کے لیے

ترسی جب آنکھ جلوۂ دیدار کے لیے
بوسے ہی ہم نے روزنِ دیوار کے لیے

کیا حالِ دل کہوں کہ تری چشمِ خشمگیں
ہے مُہرِ خامشی لبِ اظہار کے لیے

اصحابِ کہف سے جو مجھے خواب وہ ملے
یارب عدو کے طالعِ بیدار کے لیے

ہوتا ہے اور جلوہ فروشوں سے کیا نصیب
دو چار گالیاں ہیں خریدار کے لیے

انکار کیجیے آپ مگر شکل آپ کی
کہتی ہے میں بنی ہوں ترے پیار کے لیے

مجرم بتوں کا بھی ہوں خدا کا بھی چور ہوں
دونوں میں ضد ہے ایک گنہگار کے لیے

دیکھو کوئی نگاہ کی شوخی اڑا نہ لے
رکھ لو بچا کے دیری رفتار کے لیے

حلقے میں ہے مژہ کے تری چشمِ نرگسی
تیاردار جمع ہیں بیمار کے لیے

یہ بارِ ناز ہم سے اُٹھایا نہ جائے گا
بیکاری آپ ڈھونڈیے بیکار کے لیے

تر دامنی میں اشک ندامت بھی ہیں شریک
رحمت کا ہے نچوڑ گنہگار کے لیے

یہ جان کس کے واسطے، جاناں کے واسطے
یہ دل ہے اور کس کے لیے، یار کے لیے

بیٹھے ہیں راہِ دوست میں ہم پاؤں توڑ کر
اب فکر کیا ہے منزلِ دشوار کے لیے

حصہ وفا کا اور جفا کا ہوا ہے یوں
یہ دل کے واسطے، وہ دل آزار کے لیے

نازک کلائی پھول سی، اس کام کی نہیں
مشاق ہاتھ چاہیے تلوار کے لیے

خانہ خرابیاں بھی ہیں رسوائیوں کے ساتھ
یہ گھر کے واسطے ہیں، وہ بازار کے لیے

تیرے تبسمِ نمکیں میں ہے اک مزہ
لیکن جگر فگار و دل افگار کے لیے

ہرجائی ایسی توبہ کو کیا منہ لگائیں ہم
زاہد کے واسطے، کبھی میخوار کے لیے

تو دل کو اک بار نہ کھا اے غمِ فراق
رکھا ہے اس کو ہم نے کئی بار کے لیے

خلوت میں ہیں شکر لب و شیریں دہن کے لطف
ایسی مٹھائیاں نہیں بازار کے لیے

یہ حال دیکھ کر ملک الموت کیا عجب
مانگے اگر دعا ترے بیمار کے لیے

یہ داغ کی دعا ہے کہ پروردگار دے
دنیا کی خوبیاں مرے سرکار کے لیے

۵۶

دل میں کیا مہرباں نہیں آتی
بات کہنے میں ہاں نہیں آتی

بڑھ گیا تجھ سے وہ ستم ایجاد
شرم اے آسماں نہیں آتی

کس طرح قول کے ہوں دو سچے
میرے منہ میں زباں نہیں آتی

اُس ستم گر کو یاد بھی میری
بھول کر ناگہاں نہیں آتی

ہے طبیعت بھی اپنی ہرجائی
کس جگہ یہ کہاں نہیں آتی

جل کے دل خاک ہو گیا شاید
بوئے سوزِ نہاں نہیں آتی

گو بلا ہے مفارقت تیری
نہیں آتی جہاں نہیں آتی

بےخودی میں کہا تھا اُن سے حال
یاد وہ داستاں نہیں آتی

شبِ غم مر گیا مؤذن کیا
آج بانگِ اذاں نہیں آتی

وہ اشاروں سے کام لیتے ہیں
گفتگو درمیاں نہیں آتی

کام کر جائے گی یہ خاموشی
ہم کو آہ و فغاں نہیں آتی

ہے نزاکت بھری خبر اُن کی
کہ وہاں سے یہاں نہیں آتی

تجھ کو ہوگا ثواب فرقت میں
اے اجل کیوں یہاں نہیں آتی

دل لگاتے ہی ہم تو مرتے ہیں
نوبتِ امتحاں نہیں آتی

روزِ محشر بھی تیرے کشتے کے
تن میں روحِ رواں نہیں آتی

داغ ہی جانتا ہے طرزِ وفا
تم کو اے مہرباں نہیں آتی

۵۷

حسنِ ادا بھی خوبیِ صورت میں چاہیے
یہ بڑھتی دولت ایسی ہی دولت میں چاہیے

ہمت کا ہارنا نہ مصیبت میں چاہیے
تھوڑا سا حوصلہ بھی طبیعت میں چاہیے

باہم یہ میل جول محبت میں چاہیے
میری طبیعت اس کی طبیعت میں چاہیے

آ جائے راہِ راست پہ کافر ترا مزاج
اک بندۂ خدا تری خدمت میں چاہیے

طوبیٰ ہو یا ہو سرو ترا بانکپن کہاں
انداز بھی تو کچھ قد و قامت میں چاہیے

میں تجھ سے پوچھتا ہوں مرے دل کا فیصلہ
دنیا میں چاہیے کہ قیامت میں چاہیے

کیا لطفِ دشمنی جو تعلق ہی اٹھ گیا
کچھ چھیڑ چھاڑ بھی تو عداوت میں چاہیے

انصاف سے کہو کہ یہ بیداد کا طریق
تم کو نہ چاہیے کہ محبت میں چاہیے

آیا ہے کیا پسند خمِ زلفِ پر شکن
کہتاہوں میں یہ بل مری قسمت میں چاہیے
اُس چشمِ سحر فن نے کیا ہے مجھے ہلاک
جادو کی روشنی مری تربت میں چاہیے
دیکھے کچھ اُن کے چال چلن اور رنگ ڈھنگ
دینا دل ان حسینوں کو مدت میں چاہیے
کہتا ہے رشک دیدہ ودل بھی نہوں شریک
غیرت بھی انتہا کی محبت میں چاہیے
ٹھنڈے کلیجے ہوں رخِ دلدار دیکھ کر
ٹھنڈا بھی آفتاب قیامت میں چاہیے
نازل جو ہوں بلائیں فلک سے وہ دیکھ لوں
اتنی تو چاندنی شبِ فرقت میں چاہیے
یہ عشق کا ہے گھر کوئی دارالاماں نہیں
ہر روز واردات محبت میں چاہیے
میں نے شبِ وصال جگایا تو یہ کہا
کیا اُٹھ کے بیٹھنا بھی نزاکت میں چاہیے
معشوق کے کہے کا برا مانتے ہو داغ
برداشت آدمی کی طبیعت میں چاہیے

۵۸

دیکھے جو ہوشیار وہ صحبت میں چاہیے
میرا رقیب ہی مری خدمت میں چاہیے
جلوے کا تیرے نور بصارت میں چاہیے
ایسا چراغ راہِ محبت میں چاہیے

عشاق رولیں گے غمِ معشوق میں بہت
ماتم کدہ بھی گوشۂ جنت میں چاہیے

حاضر یہ بدنصیب ہے بدلے رقیب کے
کوئی نہ کوئی آپ کی خدمت میں چاہیے

پاسِ ادب سے نام نہ لوں گا کہوں گا میں
کوئیَ علاوہ حور کے جنت میں چاہیے

مے خوار کو ہو مژدہ کہ قاضی نے کہہ دیا
پینا شراب کا بھی ضرورت میں چاہیے

جینا ہجومِ یاس میں دشوار ہو گیا
مرنا بھی ان بلاؤں سے فرصت میں چاہیے

فرقت میں کیوں عذاب کی بھرمار مجھ پہ ہے
کافر کے واسطے یہ قیامت میں چاہیے

کیوں صرصرِ فنا سے بجھی شمع آہ کی
یہ لو لگی ہوئی مری تربت میں چاہیے

اے دل شبِ فراق بھی گر سخت جاں رہا
مرنا بھی اور کون سی حالت میں چاہیے

خوں گشتہ آرزو بھی مرے ساتھ دفن ہو
تربت اک اور بھی مری تربت میں چاہیے

لوں گا نہ قصرِ خلد ترے دل کو دیکھ کر
کہہ دوں گا میں یہ گھر مجھے جنت میں چاہیے

جب مر گئے تو لذتِ آزار پھر کہاں
مرنا غمِ فراق سے مدت میں چاہیے

کم سن ابھی ہو عشق و ہوس کی نہیں خبر
تمییز امتحانِ محبت میں چاہیے

۵۴۸

بعد فنا بھی یاد کرے اس کو حشر تک
یہ نوکری زمانۂ رخصت میں چاہیے
دل آئے آپ کا تو بڑے بول آگے آئیں
کچھ تو کمی غرور میں نخوت میں چاہیے
دیوانہ میں نہیں ہوں جو دیکھوں بہارِ باغ
اس کو تو دیکھنا تری صورت میں چاہیے
دولت تمھارے حسن کی جب بے زکات ہے
قاروں کے یہ خزانۂ دولت میں چاہیے
دامن فلک کا اور گریبان ہلال کا
دستِ جنوں کے واسطے وحشت میں چاہیے
جنت کی ہے ہوس مجھے دنیا میں جس قدر
دنیا کی آرزو یوں ہی جنت میں چاہیے
حاتم کا دل ہو، دولتِ قاروں ہو، عمرِ خضر
اے داغ یہ کسی کی محبت میں چاہیے

۵۹

دل دو طرح کا تیری محبت میں چاہیے
راحت میں ایک، ایک مصیبت میں چاہیے
اک اضطرابِ شوق طبیعت میں چاہیے
جو کچھ نہ چاہیے وہ محبت میں چاہیے
کچھ لاگ، کچھ لگاؤ طبیعت میں چاہیے
دونوں طرح کا رنگ محبت میں چاہیے
بت گر سے التجا ہے کہ دے دے بنا کے وہ
پتھر کا دل کسی کی محبت میں چاہیے

صبحِ شبِ فراق نہ ہو جائے شمع گل
کوئی شریکِ حال مصیبت میں چاہیے
عمرِ دراز حضر کو کیوں ہو گئی عطا
یہ تو مجھے کسی کی عزت میں چاہیے
کچھ تو پڑے دباؤ دلِ بے قرار پر
پارہ بھرا ہوا مری تربت میں چاہیے
جو دن ہیں زندگی کے وہ گزریں ہنسی خوشی
باہم سلوک مہر و محبت میں چاہیے
یہ کیا کہ دونوں صورتِ تصویر بن گئے
تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ بھی صحبت میں چاہیے
کیوں ہو گیا بتوں کو مرے دل پہ اختیار
یارب یہ تیرے قبضۂ قدرت میں چاہیے
عاشق کے دل پہ زور تمہارا ہے کس قدر ہے
انصاف سے کہو یہ لڑاکے میں چاہیے
اٹھکھیلیاں ہوں گرد سے کانٹوں سے چھیڑ چھاڑ
سامان دل لگی کا یہ وحشت میں چاہیے
انسان عیش میں نہ مصیبت کو بھول جائے
دوزخ کی تاک جھانک بھی جنت میں چاہیے
وہ ابتدائے عشق میں حاصل مجھے ہوئی
جو بات انتہائے محبت میں چاہیے
آئیں گے بے شمار فرشتے عذاب کے
میدانِ حشر غیر کی تربت میں چاہیے
اپنا بھی کام نکلے وہ ناراض بھی نہ ہوں
ایسے مزے کی بات شکایت میں چاہیے

تجھ پر ہی جان دیجیے اگر جان دیجیے
تجھ کو ہی چاہیے کسی حالت میں چاہیے

اے داغ دیکھتے ہیں وہ عہدِ نظام میں
جو انتظام طرزِ حکومت میں چاہیے

٦٠

عاشق متحمّل نہ ہوئے قہر و غضب کے
بیٹھے رہو اب صبر سمیٹے ہوئے سب کے

آثار ہیں چہرے سے عیاں بزمِ طرب کے
متوالے چلے آتے ہو جاگے ہوئے شب کے

شعلے دلِ پرسوز سے اُٹھتے ہیں غضب کے
یہ آگ نہیں وہ جو رہے خاک میں دب کے

ہوتا ہے شریک آپ یہ دکھ درد میں سب کے
کیا حوصلے ہیں یہ دلِ آزار طلب کے

حیرت ہے کہ یہ خاک دباتی ہے ہوا کو
اس دل کی کدورت میں رہی سانس بھی دب کے

اُٹھتے ہی پہنچ جاتے ہیں یہ تا درِ مقصود
ہیں دستِ دعا میں بھی چلن پائے طلب کے

اللہ رے کیا پاس رقیبوں کا ہے تم کو
محشر میں طرف دار ہوئے جاتے ہو سب کے

ڈرتے نہیں اب آہ سے وہ دن بھی ہیں کچھ یاد
بجلی کے چمکتے ہی بغل میں مری دب کے

بے وجہ کسی پر کوئی عاشق نہیں ہوتا
ہم عالمِ اسباب میں قائل ہیں سبب کے

آس مصحفِ رخسار کی فرقت میں ہیں نالاں
ہم کو تو محرم ہے مہینے میں رجب کے
وہ زندہ کو مردہ کرے ، یہ مردے کو زندہ
وہ چشم کے جادو ہیں ، یہ اِعجاز ہیں لب کے
دربارِ سلاطیں تو نہیں آپ کی محفل
عاشق بھی کہیں رہتے ہیں پابند ادب کے
جو بھید کی باتیں ہیں رقیبوں سے ملیں گی
وہ ہیں مرے مطلب کے وہی ہیں مرے ڈھب کے
وہ چاند سا چہرہ ہے تصور میں ہمارے
ہیں ہجر میں بھی ہم کو مزے وصل کی شب کے
گالوں پہ تھے کچھ نیل کے دھبے، مری شامت
پوچھا یہ نشاں کب کے ہیں کہنے لگے اب کے
کیا دل کو دبائے گا ترا کوہِ غمِ عشق
جو مرد دلاور ہیں وہ رہتے نہیں دب کے
دیکھا غمِ فرقت میں تڑپنے کا تماشا
دیدے تھے تدیدے مرے تاروں بھری شب کے
چن چن کے مصیبت میں فلک نے انھیں ڈالا
خوگر جو ہمیشہ سے رہے عیش و طرب کے
عالم کے مرقع میں جدا سب کی ہیں شکلیں
قائل نہ ہوں کیوں جن و بشر صنعتِ رب کے
اللہ رے ترا بانکپن اف ری تری سج دھج
قربان تری گھات کے ، صدقے تری چھب کے
داغوں سے محبت کے ہے دل صورتِ گلزار
ان پھولوں کی اے داغ بہار آئی ہے اب کے

۶۱

نقشے ہیں یہ اب دیدۂ دیدار طلب کے
رہ جاتی ہے پلکوں میں نگہ ضعف سے دب کے

کس لطف کے کس دھوم کے کس عیش و طرب کے
یاد آتے ہیں جلسے وہ ہمیں چودھویں شب کے

ہیں نقشِ کفِ پا میں وہ انداز غضب کے
آندھی بھی نکلتی ہے تری راہ سے دب کے

مانندِ نظر جاتے ہیں منزل پہ سبک رو
دیکھے نہ کبھی نقشِ قدم پائے طلب کے

یا تیسرے فاقے سے بچے حضرتِ زاہد
یا تیسرے دن پھول ہوئے بنتِ عنب کے

کافی ہے زمانے کی اسیری کو یہ زنجیر
دل زلف کے حلقوں میں گرفتار ہیں سب کے

مسجد میں تو گنتی کے مسلماں ہی دیکھے
مے خانے میں جلوے نظر آئے ہمیں سب کے

جس دن سے کیا گیسوئے مشکیں نے پریشاں
اُس روز سے مضمون نہ باندھے کسی شب کے

وہ دیکھتے ہیں آئنے میں زلفِ سیہ کو
ہم جانتے ہیں شام بھی اندر ہے حلب کے

رندوں کا ہوں میں دوست تو زہاد کا خادم
وہ کام کا انساں ہے کام آئے جو سب کے

معشوق کا اللہ طرف دار نہ ہو گا
کیا ہوش گئے ہیں دلِ انصاف طلب کے

سن سن کے مرا حال وہ بولے تو یہ بولے
یہ جھگڑے ہیں کس وقت کے یہ قصے ہیں کب کے

منہ لگتے ہی اللہ رے غیروں کا تکبّر
شیطان نے کیا پھونک دیا کان میں سب کے

انکار کے وہ طور کہ دل مفت میں مل جائے
انداز نرالے ہیں ترے حسنِ طلب کے

کیا سخت گھڑی تھی کہ مری آنکھ لڑی تھی
یہ درد ، یہ آزار ، یہ آلام ہیں جب کے

انسان کو دل دے تو دلیری بھی خدا دے
افسانے ہیں عالم میں شجاعانِ عرب کے

سوتے نہیں اس وہم سے وہ بسترِ گل پر
ڈالیں تنِ نازک پہ نشاں پھول نہ دب کے

افسانے سناؤں جو سنو کان لگا کر
کچھ عیش و طرب کے ہیں تو کچھ رنج و تعب کے

دیکھا نا کہ آخر کو خراش آئی دہن پر
آئینے میں بوسے لیے کیوں آپ نے لب کے

مجھ کو تو شبِ وصل میں اس وہم نے گھیرا
تجھ سے یوں ہی ارمان نکل جائیں گے سب کے

آئینے سے ہے شوق حسینوں کو نہایت
مالک کہیں ہو جائیں نہ یہ شہرِ حلب کے

اب عاقبتِ کار کی تم خیر مناؤ
بس داغ مزے لوٹ چکے عیش و طرب کے

٦٢

دل مجبو ناکام ہوا جاتا ہے
شوق کا کام ہوا جاتا ہے

نہ مٹاؤ کسی عاشق کا نشاں
نام بدنام ہوا جاتا ہے

لطفِ ایذا طلبی کیا کہیے
دردِ آرام ہوا جاتا ہے

دلِ بیمار میں چٹکی لے لو
ابھی آرام ہوا جاتا ہے

رنگ لائے گا ترا رنگِ عتاب
چہرہ گلفام ہوا جاتا ہے

آج کل کثرتِ عشّاق سے عشق
شیوۂ عام ہوا جاتا ہے

دیکھ کر مست وہ کافر آنکھیں
خونِ اسلام ہوا جاتا ہے

گلۂ مہر و وفا مجھ سے نہ کر
شکوہ دشنام ہوا جاتا ہے

طلبِ وصل میں اے دل نہ تڑپ
اب سرانجام ہوا جاتا ہے

کیوں کیا ذکرِ محبت ان سے
یہ بھی پیغام ہوا جاتا ہے

داغ کے پاس جو آؤ تو ابھی
دور الزام ہوا جاتا ہے

۶۳

طرزِ دیوانگی نہیں جاتی
ہوش کی لوں، تو لی نہیں جاتی

خلقِ عاشقی نہیں جاتی
نہیں جاتی، کبھی نہیں جاتی

بات پوری کرو تمھاری بات
بیچ میں سے تو لی نہیں جاتی

کیوں کیے تھے ستم جو کہتے ہو
یہ دہائی سنی نہیں جاتی

دیکھ اس چشمِ مست کو زاہد
تجھ سے اتنی بھی پی نہیں جاتی

بددعا سن رہی ہے کیوں شبِ غم
سامنے سے چلی نہیں جاتی

اڑتی رہتی ہے گو ہماری خاک
چھوڑ کر وہ گلی نہیں جاتی

وہ نہ جائیں عدو کے گھر جب بھی
بدگمانی مری نہیں جاتی

گرچہ بلبل ہزار نالاں ہو
گلِ تر کی ہنسی نہیں جاتی

جلوۂ یار سامنے ہے مگر
شوق کی بےخودی نہیں جاتی

دعوئ عشق پر وہ کہتے ہیں
یہ تعلی سنی نہیں جاتی

اب وہ آتے ہیں آرزو میری
مر کے کم بخت جی نہیں جاتی
وقت آخر ہوا مگر اے داغ
ہوسِ زندگی نہیں جاتی

٦۴

الٰہی راہ سیدھی کب تری الفت کی لیتا ہے
کوئی دوزخ کی لیتا ہے، کوئی جنت کی لیتا ہے
لگاوٹ میں بھی آ کھڑی اُن سے اک آفت کی لیتا ہے
اُپج لیتا ہے جب یہ دل، نئی صورت کی لیتا ہے
ستم گر کو ہمیشہ پیار آتا ہے ستم گر پر
بلائیں بختِ بد کیا کیا شبِ فرقت کی لیتا ہے
حمائی فندق اُس کی یاد آتی ہے جو فرقت میں
ہمارے دل میں چٹکی درد کس آفت کی لیتا ہے
یہاں تک خود پرستی اور خود بینی ہے اُس بت کو
مصور سے بھی تصویر اپنی ہی صورت کی لیتا ہے
کسی کی ٹھوکریں کھا کر بڑھا ہے اس قدر رتبہ
کہ جو آتا ہے وہ مٹی مری تربت کی لیتا ہے
جنابِ واعظ اکثر دون کی لیتے ہیں ممبر پر
مگر اَب کوئی رند آ کر خبر حضرت کی لیتا ہے
نہ کیوں افسوس آئے کوہ کن کی بدنصیبی پر
ہر اک مزدور اُجرت کام کی محنت کی لیتا ہے
شرابِ ناب ہو ہر قسم کی اے پیرِ مے خانہ
پلا کر مجھ کو پھر یہ پوچھ کس قیمت کی لیتا ہے

سمجھتا ہوں کہ اُس کو دیر ہو جاتی ہے برسوں کی
مرا قاصد جو مہلت ایک بھی ساعت کی لیتا ہے
مقابل میں پری رویوں کے کوئی داغ کو دیکھے
یہ بن جاتا ہے دیوانہ، عجب وحشت کی لیتا ہے

٦۵

غم جگہ دل میں پا ہی جاتا ہے
آدمی کو یہ کھا ہی جاتا ہے
نہ رکا بزمِ غیر میں آنسو
آنے والا تو آ ہی جاتا ہے
تلخیِ عشق کیا گوارا ہو
زندگی کا مزا ہی جاتا ہے
صاف دیکھی نہ بادہ خوار کی آنکھ
کچھ نہ کچھ رنگ آ ہی جاتا ہے
کبھی پورا ہوا نہ کام کوئی
میں نے جانا ہوا ہی جاتا ہے
بدگماں ہے تری طرف سے دل
کچھ نہ کچھ وہم آ ہی جاتا ہے
میرے سر کی قسم تجھے قاصد
جلد تر تو بھی کیا ہی جاتا ہے
دیکھتا ہوں جو خوب رو کوئی
وہ تصور میں آ ہی جاتا ہے
تم کو گھر کس طرح سے جانے دوں
کہ مرا مدّعا ہی جاتا ہے

وصفِ اغیار بزم میں اُن سے
کیا کریں ہم سنا ہی جاتا ہے

نامہ بر کو دیا ہے خط لیکن
دل ہمارا جدا ہی جاتا ہے

رازِ دل سن کے کیوں ہوئے برہم
جو ہے کہنا ، کہا ہی جاتا ہے

ذکرِ واعظ سے میں نے یہ جانا
حشر برپا ہوا ہی جاتا ہے

سچ تو یہ ہے کہ بتکدے میں ہمیں
لے کے خوفِ خدا ہی جاتا ہے

سرد مہری سے بھی تری ظالم
داغ دل میں جلا ہی جاتا ہے

٦٦

میرے پیام بر سے اُنھیں برہمی ہوئی
یا رب کسی کی بات نہ بگڑے بنی ہوئی

دل کی لگی ہوئی بھی کوئی دل لگی ہوئی
بجھتی نہیں بجھانے سے ایسی لگی ہوئی

میت پہ میری آ کے دل اُن کا دہل گیا
تعظیم کو جو لاش مری اُٹھ کھڑی ہوئی

وقتِ شگافِ سینہ مکدر جو تھا یہ دل
اُس کی چھری تھی خاک میں نکلی بھری ہوئی

واعظ مےِ طہور کی خواہش ہے اس لیے
دنیا میں جو شراب ہے اپنی ہے پی ہوئی

بچ کر نہ چلیے راہ سے میری جناب خضر
یہ رہروی ہوئی کہ سلامت روی ہوئی

سلگانے سے سلگتی نہیں آگ عشق کی
ایسی کچھ آج کل ہے طبیعت بجھی ہوئی

ہاں ہاں ذرا نگہ سے نگہ دل سے دل لڑے
یا چوٹ آپ پر ہوئی یا آپ کی ہوئی

سچ ہے رفیق وہ ہے جو دے آخرت کا ساتھ
بعد فنا نہ مجھ سے جدا بے کسی ہوئی

کہتا ہوں آج اور نئی اپنی داستان
تم کو مزا نہ دے گی کہانی سنی ہوئی

چکّر میں بحر غم کے یہ حسرت بھرا ہے دل
گرداب میں پھنسی مری کشتی بھری ہوئی

صبح شب وصال نہ تھا کوئی میرے پاس
اک شمع ساری رات کی وہ بھی جلی ہوئی

خلقت کا ازدحام ہے کیوں میری قبر پر
برباد ان کی وجہ سے کیا بے کسی ہوئی

تم ذکر پر رقیب کے شرمائے جاتے ہو
یہ بات کہہ کے خود مجھے شرمندگی ہوئی

اس بدگماں کو دے کوئی جا کر مبارکی
دشمن کے ساتھ آج مری دوستی ہوئی

جاتے نہیں جنازۂ عاشق کے ساتھ ساتھ
کیا پاؤں میں ہے آپ کے مہندی لگی ہوئی

اہل عزا کو اس نے تو دیوانہ کر دیا
جو مجھ کو رو رہے تھے اب ان کی ہنسی ہوئی

کی چھیڑ چھاڑ داغ نے تم سے برا کیا
اب درگزر کرو کہ خطا جو ہوئی، ہوئی

٦٧

دل بھی جگر بھی آتشِ غم سے جھلس گئے
مانندِ ابر ان پہ نہ آنسو برس گئے
مہمان سرائے دہر میں دس آئے دس گئے
اتنا مگر ہے فرق کہ کچھ پیش و پس گئے
جس وقت میں نے توبہ کا ساماں کر لیا
کچھ بادل آسمان پر آ کر برس گئے
کھوٹے کھرے کی عشق میں پہچان ہو گئی
اچھے ہم امتحان کی کسوٹی پہ کس گئے
دل تنگ تر بہجومِ غم و رنج بے شمار
اس گھر میں جتنے آئے دھے بارس وہ بس گئے
رہرو سے فرطِ شوق میں چھوٹا ہے قافلہ
ہم آگے آگے مثلِ صدائے جرس گئے
کیوں آشیاں نہ آتشِ گل نے جلا دیا
برباد عندلیب کے سب خار و خس گئے
میداں امتحاں میں نہ ٹھیرا ذرا کوئی
گو کر کے حوصلہ بہت اہلِ ہوس گئے
لکھیں جو اور کچھ یہ ہماری مجال کیا
اتنا ہی لکھ کے بھیج دیا ہے "ترس گئے"
سب آئے اُن کی بزم سے اُن کا پتہ نہیں
کیا جانے جا کے داغ کس آفت میں پھنس گئے

۶۸

شوخی سے قرار اس کو کہیں دل میں نہیں ہے
یہ چاند وہ ہے جو کسی منزل میں نہیں ہے

کہتے ہو کوئی میرے مقابل میں نہیں ہے
دیکھو تو ذرا غور سے اس دل میں نہیں ہے

اللہ مددگار ہے ، رہبر ہے ہمارا
رہزن کا خطر عشق کی منزل میں نہیں ہے

خورشید کی مانند ہیں روشن ترے رخسار
کچھ شمع کی حاجت تری محفل میں نہیں ہے

اتنے بھی ترے جلوے سے محروم ہیں آنکھیں
چلمن کی جھلک پردۂ حائل میں نہیں ہے

بے جرم کیا قتل تو بے تاب نہ ہو گا
بسمل کی تڑپ کیا دلِ قاتل میں نہیں ہے

جلتے ہیں جو پروانے تو اُف بھی نہیں کرتے
یہ صبر و تحمّل تو عنادل میں نہیں ہے

رگ رگ مری گردن کی پھڑکتی ہے الٰہی
افسوس کہ خنجر کفِ قاتل میں نہیں ہے

رکھنے دے مجھے ہاتھ کہ مَیں سوزِ محبت
دیکھوں تو سہی ہے کہ ترے دل میں نہیں ہے

جل جل کے فلک کو بھی وہی آگ محبت
یہ داغ جگر کا مہ کامل میں نہیں ہے

اس دام سے کاکل کے نہ نکلے گا مرا دل
جکڑا ہوا لوہے کی سلاسل میں نہیں ہے

جو جس کی ہے قسمت میں وہ ملتا ہے اسی کو
جو داغ جگر میں ہے ، مرے دل میں نہیں ہے

ظالم وہ ترے خوف سے لب پر نہیں آتا
ہونے کو تو کیا کیا دلِ بسمل میں نہیں ہے

خاموش اٹھاتا ہے یہ طوفان کے صدمے
گویا ہو یہ قدرت لبِ ساحل میں نہیں ہے

بے حد ہیں الٰہی درمِ داغِ محبت
قارون کا خزانہ تو مرے دل میں نہیں ہے

اک رند سے صوفی نے کہا دل نہیں لگتا
رقصِ مے و مطرب تری محفل میں نہیں ہے

ہر رنگ میں ہے اور جدا رنگ ہے تیرا
ہر دل میں ہے تو اور کسی دل میں نہیں ہے

تمکین اسے روکے تو کشش قیس کی کھینچے
محمل میں ہے لیلیٰ کبھی محمل میں نہیں ہے

یہ چیز عجب چیز ہے، یہ لطف عجب لطف
جینے کا مزا کیا جو مزا دل میں نہیں ہے

ایذا طلب ایسا ہوں جو (ہو) درد کسی کے
کہتا ہوں یہ افسوس مرے دل میں نہیں ہے

تو دل میں نہیں ہے تو مرے دل میں ہے کیا کچھ
تو دل میں ہے میرے تو کوئی دل میں نہیں ہے

آسان وہ کر دے گا دعا وصل کی مانگو
اے داغ یہ مشکل کسی مشکل میں نہیں ہے

٦٩

وہ سنتے ہیں جو دل سے کان رکھ کر داستاں میری
مزے لیتی ہے میرے نطق کی کیا کیا زباں میری

غنیمت ہے گرفتاری میں تھوڑی سی بھی آزادی
کہ پھر کر دیکھتی مجھ کو نہیں عمرِ رواں میری

نظر اپنی چرا لے مجھ کو روتا دیکھ کر ورنہ
بھرے گی تیری آنکھوں میں یہ چشمِ خونفشاں میری

لحاظ و پاس کیسا گفتگو جب دوبدو ٹھہری [1]
نہ رکتی ہے زباں اُن کی نہ تھمتی ہے زباں میری

یہ صدمہ ہے کہیں صدمہ نہ پہنچے دستِ قاتل کو
بری حالت ہوئی جاتی ہے وقتِ امتحاں میری

یہ قسمت ہے کہ ہو شہرت کسی کی، کوئی رسوا ہو
جہاں مذکور ہے اُن کا، وہیں ہے داستاں میری

سلیقہ بات کا جب تجھ کو اے ہمعام ہر آئے
ترے دل میں ہو دل میرا، زباد میں ہو زباں میری

لگا کر آگ وحشت سے نہ ٹھہرا [2] باغباں دم بھر
کہ جلی ہی گئی تھی جل کے شکلِ آشیاں میری

لگاوٹ کی یہ باتیں کرتی ہے کیا کیا اشارت سے
تری چشمِ سخن گو میں بھی ہے گویا زباں میری

ہزاروں آتے جاتے ہیں کسی سے کچھ نہیں مطلب
فقط اک چوکسی کرتا ہے اُن کا پاسباں میری

رقیبوں کی وفاداری کے وہ شیوے بتاتے ہیں
ہوئی ہے دوستی بھی اب نصیبِ دشمناں میری

محبت کا ہو جس دم قحط گاہک دل کے آتے ہیں
گراں ہوتا ہے جب سودا تو چلتی ہے دکاں میری

---

۱ ۔ اصل متن میں قدیم املا "ٹھیری" ہے جسے تبدیل کر دیا گیا ۔ (مرتب)
۲ ۔ اصل متن میں قدیم املا "ٹھیرا" ہے جسے تبدیل کر دیا گیا ۔ (مرتب)

در جاناں پہ فرسودہ کیا ہے جبہہ سائی سے
عجب کیا ہے کرے فریاد سنگِ آستاں میری
بیاں کرتا ہے جب کیفیتِ رفتارِ مستانہ
تو متوالوں کی صورت لڑکھڑاتی ہے زباں میری
پسند آئی تھی جو اُن کو وہی میں بات بھولا ہوں
اب اک اک حرف کو اس کے ترستی ہے زباں میری
سناؤں کس کو جو کچھ عمر بھر آنکھوں سے دیکھا ہے
کہ طولانی بہت ہے داغ ہاں یہ داستاں میری

★ ★ ★

غیر مطبوعہ اشعار یادگار داغ

تمہارا دل مرے دل کے برابر ہو نہیں سکتا
وہ شیشہ ہو نہیں سکتا یہ پتھر ہو نہیں سکتا

کسی کو چین کیا اپنے بندہ پرور ہو نہیں سکتا
جو تم چاہو تو ہوسکتا ہے، کیونکر ہو نہیں سکتا

کبھی ناصح کی سن لیتا ہوں پھر برسوں تڑپتا ہوں
کبھی ہوتا ہے مجھ سے صبر اکثر ہو نہیں سکتا

نہ دے وہ دادگر میری، تو یہ ہے سخت مجبوری
کہ بندے کا تو کچھ دعویٰ خدا پر ہو نہیں سکتا

یہ ممکن ہے کہ تجھ پر ہو بھی جائے اختیار اپنا
مگر قابو ہمارا اپنے دل پر ہو نہیں سکتا

جلائے گی مجھے کیا خاک یا رب آگ دوزخ کی
کہ جس سے خشک میرا دامنِ تر ہو نہیں سکتا

جفائیں جھیل کر عاشق کریں معشوق کو ظالم
وگرنہ بے سبب کوئی ستم گر ہو نہیں سکتا

وہ کیا کیا کوستے ہیں بیٹھ کر اپنی نزاکت کو
بپا رفتار سے آن کی جو محشر ہو نہیں سکتا

تلوّن ہے طبیعت کا کہ یہ شوخی ہے طینت کی
کوئی وعدے کا دن تجھ سے مقرر ہو نہیں سکتا

جفائیں داغ پر کرتے ہیں وہ، یہ بھی سمجھتے ہیں
کہ ایسا آدمی مجھ کو میسّر ہو نہیں سکتا

یہ جلسے جیتے جی کے ہیں اگر دم ہے تو سب کچھ ہے
کہ بہتر زندگی سے کوئی میلا ہو نہیں سکتا

یہ (تو) دنیا [1] ہے قیامت تو نہیں جو طے ہو
کفر و اسلام کا آپس میں یہ جھگڑا کیسا
سعی ہے شرط مگر سعی سے ہوتا کیا ہے
جب مقدر میں نہ ہو نفع تو پیسا کیسا
دیں و دنیا کا نہیں ہوش ہوا ہے عاقل
داغِ بے حود کا ہے یہ حال حدایا کیسا

میری آنکھوں سے جو بہتے ہیں گلابی آنسو
خون دل کا نہ سہی خون تمنا ہو گا
خیر بہتر ہے رہے حشر پہ جھگڑا موقوف
ہاتھ میرا ہو گریبان تمھارا ہو گا

پروانوں کے پروں کا ہوا ڈھیر صبح تک
زیبا ہے گر کہوں انھیں شمعِ لگن کے پھول

ہو گیا ہے یادِ مژگاں میں جنوں
تنکے چنتے پھرتے ہیں صحرا میں ہم
ہوس اڑا لے جائے گی اپنے پری
دیکھتے ہیں ساغر و مینا میں ہم

---

۱ - مصرع ناموزوں ہے۔ غالباً لفظ ”تو“ رہ گیا ہے۔ اس طرح موزوں ہو سکتا ہے:-
”یہ تو دنیا ہے قیامت تو نہیں ہے جو طے ہو“

بزمِ دشمن کا اثر ہم میں ہی تھا
چور تھے بارے نشۂ صہبا میں ہم
دیکھنا تھا جلوہ جو کچھ ہم کو داغ
دیکھ آئے یثرب و بطحا میں ہم

آزارِ عشق سے بھی تو بڑھتی ہے اپنی عمر
لیتے ہیں اک زمانے کی لاکھوں دعائیں ہم

مہربانی ہے کہاں، لطف کہاں، وصل کہاں
آئے ہو دل کو ستانے تمھیں ہم جانتے ہیں
اگلے وقتوں کی یہ باتیں ہیں تمھاری ناصح
تم تو ہو گھاک پرانے، تمھیں ہم جانتے ہیں
